MAHS201CCT

تاریخ ہندوستان

ما قبل موریہ دور سے بارہویں صدی تک

History of India

From Post-Mauryas to the 12th Century

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

ماسٹر آف آرٹس (ایم۔اے۔)

(دوسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدر آباد-32، تلنگانہ- بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Course: History of India: From Post-Mauryas to the 12th Century

ISBN: 978-93-95203-99-9

First Edition : October 2023

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Publication	:	2023
Copies	:	500
Price	:	310/- (The price of the book is included in the admission fee of distance mode students)
Copy Editing	:	*Vidya Vachaspati* Shaik Mahaboob Basha, Programme Coordinator–History, DDE, MANUU, Hyderabad Dr. Syed Meer Abul Hussain, Asst. Professor of History (C), DDE, MANUU, Hyderabad Mr. Mohd Aasim, Asst. Professor of History (C), DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Professor of Urdu (C), DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

History of India: From Post-Mauryas to the 12th Century

for

M.A. History 2nd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad – 500032 (TS), Bharat

Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in

Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in).

مدیر اعلیٰ
Chief Editor

Prof. S.M. Azizuddin Husain
Former Head, Department of History & Culture
Jamia Millia Islamia, New Delhi
&
Honorary Professor, Centre for Urdu Culture Studies
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین
سابق صدر، شعبہ تاریخ و ثقافت
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
اعزازی پروفیسر، مرکز مطالعات اردو ثقافت
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
حیدرآباد

مدیر
Editor

***Vidya Vachaspati* Shaik Mahaboob Basha**
Programme Coordinator – History
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
پروگرام کوآرڈی نیٹر، تاریخ
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
حیدرآباد

مدیر زبان
Language Editor

Prof. Naseemuddin Farees
Urdu Consultant
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر نسیم الدین فریس
اردو کنسلٹنٹ
نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
حیدرآباد

مجلس ادارت

Editorial Board

Prof. Perwez Nazir
Department of History
Aligarh Muslim University, Aligarh

پروفیسر پرویز نظیر
شعبہ تاریخ
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

Prof. Mushtaq Ahmad Kaw
Former Head, Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر مشتاق احمد کاؤ
سابقہ صدر شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Prof. Alauddin Khan
Head, Department of History
Shibli National College
Azamgarh, U.P.

پروفیسر علاؤالدین خان
صدر، شعبہ تاریخ
شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

Prof. Danish Moin
Department of History
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad

پروفیسر دانش معین
صدر، شعبہ تاریخ
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Vidya Vachaspati
Shaik Mahaboob Basha
Programme Coordinator – History
DDE, MANUU, Hyderabad

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
پروگرام کوآرڈی نیٹر، تاریخ
ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

Dr. Syed Meer Abul Hussain
Assistant Professor of History (C) / Guest Faculty
DDE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر سید میر ابوالحسین
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (عارضی)/ گیسٹ فیکلٹی
ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

Mr. Mohd Aasim
Assistant Professor of History (C) / Guest Faculty
DDE, MANUU, Hyderabad

محمد عاصم
اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ (عارضی)/ گیسٹ فیکلٹی
ڈی ڈی ای، مانو، حیدرآباد

کورس کوآرڈی نیٹر

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا
اسسٹنٹ پروفیسر (تاریخ)، نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر داؤد ابراہیم	اکائی 1, 6, 14, 16
سری سعید احمد	اکائی 2, 3, 4, 9
ڈاکٹر سیف اللہ سیفی	اکائی 5, 13
سری محمد عاصم	اکائی 7
ڈاکٹر ضیاء الحق	اکائی 8
پروفیسر چاندنی بی	اکائی 10
ڈاکٹر احمد	اکائی 11
ڈاکٹر سید میر ابوالحسین	اکائی 12
ڈاکٹر خالد پونملا تھوڑی	اکائی 15

پروف ریڈرس

اول	:	محمد عاصم
دوم	:	سید میر ابوالحسین
فائنل	:	ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	9
پیغام	ڈائرکٹر	10
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	11
بلاک I	**مابعد موریہ سیاق**	
اکائی 1	شنگ اور کنوٌ: ریاست اور سماج	15
اکائی 2	مرکزی ایشیائی تعلقات: یونانی، شک، پارتھیائی اور کشان	29
اکائی 3	شمالی ہند پر سماجی، معاشی اور ثقافتی اثرات	42
اکائی 4	ستواہن اور مغربی چھترپ: ریاست اور سماج	54
اکائی 5	سنگم ادب کے حوالے سے ابتدائی تاریخی جنوبی ہند کا سماج	64
اکائی 6	زرعی پیداوار اور زمینی مال گزاری: زمینی عطیات کا آغاز	80
اکائی 7	دستکارانہ پیداوار، تجارت، شہری ترقی اور پیشہ ورانہ انجمنیں	92
بلاک II	**گپت دور**	
اکائی 8	گپت دور کے حالات	112
بلاک III	**ابتدائی عہد وسطیٰ کی طرف**	
اکائی 9	واکاٹک خاندان	141
اکائی 10	پلوّ خاندان	154
اکائی 11	چالوکیہ خاندان	169
اکائی 12	سیاست، معیشت، سماج، مذہب اور فن	185

اکائی 13 ہرش وردھن: ریاست، سماج اور مذہب 199

بلاک IV ابتدائی عہد وسطیٰ کی وضاحت

اکائی 14 شمالی ہندوستان کی معیشت اور سماج 216

اکائی 15 چول خاندان: سیاست، سماج، معیشت اور ثقافت 233

اکائی 16 ابتدائی عہد وسطیٰ سے عہد وسطیٰ کی طرف منتقلی 253

نمونہ امتحانی پرچہ 272

''اردو زبان جب ہی ترقی کر سکتی ہے اور عالمی زبان بن سکتی ہے جب کہ اس میں باضابطہ تراجم،علوم وفنون کا سلسلہ قائم کیا جائے۔جدید علم کے ہر صیغے کی مبسوط اور جامع کتابیں ترجمہ کی جائیں۔علوم وفنون کا کوئی پہلو یورپ کی زبانوں میں ایسا نہ ہو جس کا ترجمہ اردو میں موجود نہ ہو۔جب تک اردو میں ایسا منظم سلسلہ قائم نہ ہو گا اس کی علمی ترقی محال ہے۔''

ابوالکلام آزاد

AZAD NATIONAL URDU UN

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1)اردو زبان کی ترویج و ترقی (2)اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جواِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ادبی اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اردو میں دستیاب تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ و شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر ان شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ مبارزات (challenges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس کولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ انہیں مقاصد کے حصول کے لیے اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی تعلیم کے طلباء کے لیے کم سے کم وقت میں خود اکتسابی مواد اور خود اکتسابی کتب کی اشاعت کا کام عمل میں آگیا ہے۔ پہلے اور دوسرے سمسٹر کی کتب شائع ہو کر طلباء و طالبات تک پہنچ چکی ہیں۔ تیسرے سمسٹر کی کتابیں بھی جلد طلباء تک پہنچیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے ہم ایک بڑی اردو آبادی کی ضروریات کو پورا کر سکیں گے اور اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں گے۔

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کرکے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کرکے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 5 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِدست 155 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

عزیز متعلمین ! آداب۔ کورس "تاریخ ہندوستان : ماقبل موریہ دور سے بارہویں صدی تک " میں خوش آمدید۔ اس کورس میں آپ ماقبل موریہ دور سے لے کر بارہویں صدی تک کے ہندوستان کا مطالعہ کریں گے۔ پچھلے سمسٹر میں آپ نے قدیم ہندوستان میں ماقبل تاریخ دور سے موریہ دور تک کے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی حالات کا مطالعہ کیا تھا جس میں کاشتکاری کے آغاز اور تہذیب کے قیام سے لے کر پہلی کل ہند سلطنت قائم ہونے کے بارے میں آپ نے جانا۔ اس کتاب میں آپ موریہ دور کے بعد ابھرنے والے مختلف حکمراں خاندانوں کے بارے میں پڑھیں گے جن میں مقامی حکمراں جیسے شنگ، کنو، ستواہن، گپت، واکاٹک، چالوکیہ اور چول اور غیر ملکی جیسے ہند یونانی، کشان، پارتھیائی، شک وغیرہ شامل تھے۔ باہر سے آنے والے یہ غیر ملکی حکمراں بھی آگے چل کر ہندوستانی تہذیب کا حصہ بن گئے اور اس کے فروغ میں انہوں نے بھی اپنا اہم کردار نبھایا۔ آپ کو ہندوستان کے دیگر ممالک سے تعلقات اور ان کے نتیجے میں ہندوستانی سماج میں آنے والی تبدیلیوں کا بھی علم ہوگا۔ ان کے مطالعے کے بغیر ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ نامکمل ہے۔ یہ کورس آپ کو اسی دوران وسطی اور جنوبی ہند کے حالات سے واقف کرائے گا جہاں مادی تہذیب کے پھیلنے سے شہروں اور ریاستوں کو عروج حاصل ہوا۔ ساتھ ہی آپ سنگم ادب اور دیگر ماخذ کے ذریعے جنوب بعید میں سماج اور ریاست کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہوں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کو موریہ سلطنت کے بعد ہندوستان کی عظیم ترین گپت سلطنت اور پھر ہرش کی سلطنت کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی آپ گپت سلطنت کے بعد ابتدائی عہد وسطیٰ کی بکھری ہوئی سیاست سے عہد وسطیٰ کی مرکزیت پسند سیاست کی طرف عبور کا مشاہدہ کریں گے اور ہندوستانی سماج میں آرہی مختلف تبدیلیوں اور تسلسل کی نشاندہی کرسکیں گے۔

حالیہ دور تک، تاریخ کو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے عظیم کارناموں / بداعمالیوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ملکائیں بھی زیادہ تر اپنے عظیم مردوں کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں، تاریخ کو بادشاہوں اور ریاستوں، شہنشاہوں اور سلطنتوں، کے ناموں کی ایک لمبی فہرست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کے ذریعے لڑی جانے والی جنگوں اور ان کی محبوباؤں وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ مختصراً، تاریخ کا مطلب سیاسی تاریخ تھا اور بدقسمتی سے یہ سوچ عام لوگوں کے ذہنوں پر ابھی بھی حاوی ہے۔ عام لوگ، محنت کش عوام، جو اصل تاریخ ساز تھے، شاید ہی کبھی تاریخ کے ڈرامے میں نظر آئے۔ لیکن، اب تاریخ کے بارے میں نقطہ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے اور اسی لیے تاریخ لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ عام لوگ بشمول مرد و خواتین، نے تاریخ میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب تاریخ کی توجہ حکمرانوں سے رعایا کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ تیلگو شاعر سری سری (سری رنگم سری نواس راؤ) نے اپنی نظم میں مناسب طریقے سے بیان کیا ہے، اب مورخین اس کی کھوج کرنا چاہتے ہیں اور "تاریخ کے اندھیرے میں دبی پڑی سب کہانیوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھنے لگے کہ دریائے نیل کی تہذیب میں عام زندگی کیسی تھی اور تاج محل کی تعمیر میں پتھر ڈھونے والے قلی کون تھے اور سلطنتوں کے باہمی جنگوں میں عام لوگوں کی بہادری کیسی تھی۔ ناوہ ڈولی گنتی کی تھی چڑھ بیٹھا جس پر راجا، اس کے واہک کلی کون تھے؟' یہ بے حد ضروری ہے کہ تاریخ کا مطالعہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ مشہور ادیب جارج اورویل نے تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ : 'جو ماضی کو قابو کرتے ہیں وہی مستقبل کو قابو کرتے ہیں : جو حال کو قابو کرتے ہیں وہی ماضی کو قابو کرتے ہیں۔' ممتاز مورخ پروفیسر کے ایس ایس شیشن نے زور دیا کہ 'تاریخ کا معاشرے سے وہی رشتہ ہے جو یادداشت کا فرد سے ہے۔' ودیا واچسپتی ایس ایم باشا کے مطابق جو ماضی کو اچھے سے سمجھتے ہیں، وہ حال کو بہترین طریقے سے سمجھ سکتے ہیں؛ اور اسی طرح ماضی کو اچھے ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے حال کا گہرا علم ضروری ہے۔

UGC-DEB کی ہدایات کے مطابق، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے سیلف لرننگ مٹیریل لکھنے کے لیے بہترین مصنفین کو راغب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نہ صرف آپ کی تعلیمی کارکردگی کے لیے کارآمد ثابت ہوگا بلکہ مختلف مسابقتی امتحانات کو اعتماد کے ساتھ دینے کے قابل بھی بنائے گا۔ ہم شعبہ تاریخ، نظامت فاصلاتی تعلیم میں، آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کورس میں ایک بار پھر خوش آمدید اور میں آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

کورس کوآرڈی نیٹر

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

تاریخ ہندوستان

ماقبل موریہ دور سے بارہویں صدی تک

History of India

From Post-Mauryas to the 12th Century

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 1۔شنگ اور کنوّ: ریاست اور سماج

(Shungas and Kanvas: State and Society)

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 مآخذ
1.3 شنگوکا خاندان
1.3.1 شنگ خاندان کے سیاسی حالات
1.3.2 پشیامتر کی سلطنت اور نظم ونسق
1.3.3 پشیامتر کی مذہبی پالیسی اور اس کی شخصیت
1.3.4 پشیامتر کے جانشیں اور ریاست کا زوال
1.4 کنوّ خاندان
1.4.1 شنگ اور کنوّ دور کے سماجی حالات
1.5 اکتسابی نتائج
1.6 کلیدی الفاظ
1.7 نمونہ امتحانی سوالات
1.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید (Introduction)

تقریباً تین صدیوں کے عروج کے بعد طاقتور موریہ سلطنت اشوک کی موت کے بعد بکھرنا شروع ہوئی اور موریہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہندوستان میں بہت سی غیر ملکی اور مقامی شاہی ریاستیں قائم ہوئیں۔ بیرونی ریاستوں میں ہند-یونان (Indo-Greek)،شک(Shaka) پارتھین (Parthian) اور کشان(Kushan) جیسی طاقتیں موریہ سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں نئی طاقتوں کے طور پر ابھریں۔ کچھ نئی طاقتوں نے مگدھ، وسطی ہندوستان اور دکن کے علاقوں میں اپنی بادشاہتیں قائم کیں جو بالترتیب شنگ (Shunga) کنوّ(Kanva) اور ساتواہن(Satvahana) سلطنتیں تھیں۔ یہ تمام شاہی ریاستیں ایک دوسرے کی ہم عصر اور ایک دوسرے سے متصادم تھیں۔ یہاں ہماری اکائی کا موضوع شنگ اور کنوّ کی ریاستیں ہیں۔ یہ دونوں ریاستیں برہمن مذہب کی پیروکار تھیں جس کی وجہ سے ان کے دور میں ویدک مذہب کی بہت ترقی ہوئی۔ لیکن سماج کے ڈھانچے میں کوئی ٹھوس بنیادی تبدیلی نہیں ملتی جو ویدک دور کا معاشرہ تھا وہ موریا سلطنت میں بھی پیش ورہا(اشوک کی دھما پالیسی کی وجہ سے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ)ورن نظام قائم رہا لیکن کچھ نئی ذاتیں معاشرے میں ضرور پیدا ہوئیں، ساتھ ہی ساتھ اپنی مذہبی رواداری کی وجہ سے دوسرے مذاہب جیسے بدھ مت اور جین مت کو بھی پھلنے پھولنے کا عام موقع فراہم ہوا۔اس یونٹ میں ان اہم سیاسی اور سماجی پہلوؤں پر بات کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ

- ہم شنگ اور کنوّ خاندان کی سیاسی تاریخ کے بارے میں جانیں گے۔
- ان کے مطالعہ کے لیے دستیاب ادبی اور آثار قدیمہ کے ذرائع کے بارے میں جانکاری حاصل کریں گے۔
- اس دور کے معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو بھی سمجھ سکیں گے۔
- ویدک دور کے سماجی اور مذہبی نظام کے احیاء نو کو سمجھیں گے۔
- غیر ملکی حکمرانوں کو نئے ویدی مذہب(بھاگوت یا برہمن مت)نے کس طرح متاثر کیا؟ جان سکیں گے۔

1.2 مآخذ (Sources)

ادبی مآخذ میں پرانوں، ہرش چرت(*Harshcharitra*)،مہابھاشیہ(*Mahabhashya*) ، گارگی سمہتا (Gargi Samhita)،مالویکاگنی متر (*Malvikagni Mitram*) دویاودان(Divyavadan) وغیرہ کاذکر کیا جاسکتا ہے۔پرانوں میں متسیا (Matsya) وایو (Vayu) اور برہمنڈا (Brahmand) پران خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔پرانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شنگ خاندان کی بنیاد پشیامتر شنگ (Pushyamitra Shunga)نے رکھی تھی۔پارجیٹر (F.E. Pargiter)نے پرانوں میں دیے گئے شاہی نسب نامہ کو تاریخی طور پر مستند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔پتنجلی(Patanjali)کا لکھا ہوا مہابھاشیہ شنگ

خاندان کی تاریخ کاایک اہم ماخذ ہے۔اس کی اہمیت میں مزید اضافہ اس لیے بھی ہے کہ پتنجلی پشیہ متر کے درباری پروہت تھے۔اس کتاب سے یہ اہم معلومات دستیاب ہوتی ہے کہ کس طرح یونانیوں نے ساکیت (Saket)اور مدھیامیکا (Madhyamika)پر حملہ کیااور ان علاقوں کو تباہ کیا۔کالی داس کی تصنیف مالویکا گنی متر(*Malvikagnimitram*)،ایک ڈرامہ ہے،اس تصنیف کا ہیرو شنگ حکمراں اگنی متر(Agnimitra)اور ہیروئن مالویکا تھی جو اگنی متر کی بیوی کی ایک داسی تھی۔اس کتاب سے شنگ دور کی سیاسی سرگرمیوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔پشیامتر کا بیٹااگنی متر ودیشاکا گورنر تھا جس نے ودربھ کو فتح کرکے اسے اپنی ریاست کا حصہ بنالیا تھا۔کالیداس نے یونانیوں کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے،ان کے مطابق اگنی متر کے بیٹے وسومتر نے دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر یونانیوں کو شکست دی تھی۔ ہری ومس پران (*Harivamsa Purana*)ایک جین تصنیف ہے جس کے مطابق پشیہ متر کو اود بھجا(Audabhijja(اچانک اٹھنے والا) کہا گیا ہے۔اسی طرح ایک اور عبارت جو علم نجوم پر مبنی ہے گرگ (Garga)کی گارگی سمہتا(*Gargisamhita*) ہے،جس کے مطابق یونانیوں کے حملے پاٹلی پترا کی سرحد تک پہنچ چکے تھے۔دویاودان ایک بدھ مت کے متن میں پشیامتر کاذکر بدھ مت کو تباہ کرنے والے کے طور پر کیا گیا ہے لیکن اس کی تفصیلات کو مورخین قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں۔

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ منواسمرتی،رامائن اور مہابھارت جیسی مذہبی کتابیں بھی شنگ دور میں مکمل ہوئیں،جیسا کہ ہم جانتے ہیں منواسمرتی کو ویدک مذہب کی سب سے اہم قانون کی کتاب سمجھا جاتا ہے،اس لیے منواسمرتی شنگ دور کے سماجی اور مذہبی علوم کے لیے ایک اہم ماخذ ہے۔یہ کتاب اس دور کی سماجی حالت پر خصوصی روشنی ڈالتی ہے۔

ان ادبی ذرائع کے علاوہ آثار قدیمہ کے ذرائع بھی شنگ خاندان کی تاریخ کے لیے بہت اہم ہیں۔ان میں بنیادی طور پر ایودھیا کا کتبہ، بیس نگر کا گروناستون(Garuna-Pillar of Besnagar)،بھرھوت کا کتبہ، فن تعمیرات اور شنگ دور کے سکے وغیرہ اس وقت کی تاریخ پر خاص روشنی ڈالتے ہیں۔ایودھیا کا کتبہ پشیہ متر کے گورنر دھن دیو کا ہے جو کوسلا کے گورنر تھا۔اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پشیہ متر نے دواشومیدھا یگیہ(*Ashwamedha* Sacrifice)کیا تھا۔اس کتبے کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس میں شنگ خاندان کے بانی پوشیامتر شنگ کے منظم نام کا بھی ذکر ملتا ہے،جب کہ اس کے برعکس سنسکرت ادب میں پشپامتر کا ذکر ملتا ہے۔اس تحریر کا پہلا تفصیلی مطالعہ بابو جگناتھ داس رتناکر نے ہندی ناگری پرچارنی سبھا سے شائع کیا۔اس کے بعد بااثر مورخین جیسے گوری شنکر ہیرا چند اوجھا،کے پی جیسوال،این کے بھٹاشالی اور این.جی مجمدار نے اس موضوع پر اپنے مضامین لکھے۔

مدھیہ پردیش کی دارالحکومت بھوپال سے تقریباً62کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع بیس نگر(ودیشا)سے یونانی حکمراں اینٹیالکیڈس (Antialkidas) کے سفیر ہیلیوڈورس (Heliodorus) کاایک عقاب ستون کانوشتہ ملاہے۔،جو شنگ خاندان کے نوے راجہ بھاگبھدر(Bhagbhadra/Bhagvat)کے دربار میں آیا تھا۔اوراس کی کھوج الکسنذر کننگھم(Alexander Cunningham)نے1877ءمیں کی تھی۔دستکاری اور فن تعمیری کے نقطہ نظر سے یہ ستون بہت خوبصورت اور ویدک مذہب سے متعلق پہلا پتھر کا ستون ہے۔ جس میں ہیلیوڈورس کو بھاگوت دھرم میں اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ کتبہ وسطی

ہندوستان میں بھاگوت مذہب کی مقبولیت کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے، ساتھ ہی اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ودیشا جو اب شنگوں کی نئی دارالحکومت بن چکی تھی، ثقافتی نقطہ نظر سے اس شہر کی شہرت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ مذکورہ ذرائع کے علاوہ مختلف فن تعمیرات پر کندہ مختلف تصویریں جیسے سانچی کا استوپا(Stupa)، بھرھوت استوپا، بودھ گیا استوپا وغیرہ اس وقت کے وسطی ہندوستان کے لوگوں کی زندگی کو سمجھنے میں کافی مددگار ہیں۔ اس کے ساتھ اس دور کے مختلف مقامات سے حاصل کیے گئے سکے بھی شنگ دور کی سماجی، ثقافتی اور معاشی تاریخ پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ سکے خاص طور سے کوشمبی، اہچھترا، ایودھیا اور متھرا مقامات سے دریافت ہوئے ہیں۔

1.3 شنگ خاندان (Shunga Dynasty)

شنگ خاندان کی ابتدا کے بارے میں بہت سی غیر یقینی مفروضے ہیں۔ اس خاندان کے حکمرانوں کے ناموں کے آخر میں لفظ 'متر' کے منسوب کی وجہ سے، پنڈت ہرپر ساد شاستری نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ وہ دراصل زرتشتی تھے اور 'متھر'/Mithra(سورج) کے پوجا کرنے والے تھے۔ لیکن ہندوستانی شواہد کی بنیاد پر یہ رائے منطقی نہیں لگتی۔ کیونکہ ہرش چرت میں پشیہ متر کو غیر آریائی کہا گیا ہے۔ بعض مورخین اس بنیاد پر شنگوں کو شودر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن قدیم تاریخ کے ماہرین کا ایک گروہ اس سے متفق نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شاید بانبھٹہ(Banabhatta) نے پشیہ متر کے قابل مذمت فعل(اپنے آقا کو قتل کر کے تخت پر قبضہ) کی وجہ سے غیر آریائی کہا ہے۔ زیادہ تر ہندوستانی ادب شنگوں کو برہمن مانتے ہیں۔ پرانوں میں پشیامتر کو 'شنگ' کہا گیا ہے۔ شنگ خاندان کو مہارشی پاینی نے 'بھاردواج گوتر'(Bharadwaj) کے برہمن کے طور پر بیان کیا ہے۔ کالی داس نے مالویکا گنیمتر (*Malvikagnimitram*) میں پشیہ متر کے بیٹے اگنی متر کو 'بیمبک کل' (Baimbika lineage) سے تعلق رکھنے والے کے طور پر بیان کیا ہے۔ بودھاین دھرم سوتر (Baudhayan Dharma Sutra) سے پتہ چلتا ہے کہ بیمبک 'کشیپ' گوتر کے برہمن تھے۔ تاراناتھ نے بھی انہیں ایک برہمن اور پشیہ متر کے آباؤاجداد کو پروہت کے طور پر بیان کیا ہے۔ بہت سے قدیم تحریروں میں بھی شنگ نامی آچاریوں(teachers) کا ذکر ملتا ہے۔ اس طرح شنگ برہمن پروہت تھے۔ اشوک کی طرف سے یگیوں پر پابندی کی وجہ سے اُن لوگوں نے اپنے پجاری فرائض سے دستبردار ہو کر فوجی پیشہ اختیار کیا۔ ان کا ہتھیار اٹھانا قدیم روایت کے مطابق بھی درست تھا۔ منو کے مطابق جو ورن نظام کے مضبوط حامی تھے، یہاں تک کہ برہمن بھی ہتھیار اٹھا سکتے ہیں جب دھرم پر کوئی بحران ہو۔ لیکن نئی تحقیق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اشوک برہمن مذہب کا دشمن نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس دور میں بہت سے ایسے برہمن تھے جو موریہ سلطنت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے برعکس ہمیں ہندو افسانوں میں بہت سے برہمن سپہ سالار کا ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر، مہابھارت میں ڈرون (Drona) وشوامتر(Vishwamitra) کرپاچاریہ (Kripacharya) اور اشوتتھاما (Ashwatthama) وغیرہ نے برہمن ہوتے ہوئے چھتری پیشے کو اختیار کر جنگیں لڑیں۔ اس طرح یہ دلیل دینا کہ برہمنوں نے اشوک کے برہمن مخالف اقدامات سے ناراض ہو کر متحد ہوئے اور بغاوت کر کے موریہ خاندان کا خاتمہ کر دیا بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

1.3.1 شنگ خاندان کے سیاسی حالات (Political Conditions during Shunga Dynasty)

شنگ خاندان کی بنیاد پشیہ متر نامی سیناپتی (کمانڈر) نے اپنے حاکم اعلیٰ برہدرتھ (Brihadratha) کو قتل کر کے رکھی تھی جس کا ذکر پرانوں اور بانبھٹہ کی ہرش چرت میں ملتا ہے۔ اس دور کے تمام ادبی تاریخ میں پشیہ متر کو صرف سینانی (Senani) کے خطاب سے درج کیا گیا ہے جبکہ اس کے بیٹے اگنی متر کو راجہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے بعض مورخین کا اندازہ ہے کہ پشیہ متر کبھی راجہ نہیں بنا بلکہ اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے کو راجہ بنا دیا تھا۔ لیکن ایسے خیالات قابل اعتماد نہیں لگتے۔ یہ بات مشہور ہے کہ پشیامتر نے دو اشومیدھا قربانیاں کیے تھے جسے قدیم ہندوستان میں شاہی بالادستی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ جہاں تک سینانی کے لقب کا تعلق ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طویل عرصے تک موریہ فوج کے کمانڈر رہنے کی وجہ سے اس کی شہرت ایک جنگجو کے طور پر زیادہ تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے راجہ بننے کے بعد بھی یہ لقب برقرار رکھا۔

مگدھ میں موریہ سلطنت اپنی حکومت کے آخری دور میں نظم و نسق کے لحاظ سے کافی سست روی کا شکار ہو گئی تھی۔ ملک اندرونی و بیرونی بحرانوں کے خطرے سے دوچار تھی، ایسے نازک حالات میں پشیہ متر شنگ نے مگدھ سلطنت پر اپنا اختیار جما کر ایک طرف تو مگدھ ریاست کی حفاظت کی۔ دوسری طرف ملک میں امن وامان قائم کر کے ویدک مذہب اور نظریات کا وقار دوبارہ بحال کیا۔ یہ پشیامتر کا عظیم کارنامہ ہے اور اسی وجہ سے اس کے دور کو ویدک رد عمل یا ویدک نشاۃ ثانیہ کا دور سمجھا جاتا ہے۔

پشیامتر کے دور میں دو اہم سیاسی مشکلات رونما ہوئے اور وہ دونوں مشکلات کو حل کرنے میں کامیاب رہے۔ پہلا واقعہ ودربھ (جدید برار) کو مگدھ سلطنت میں شامل کرنا تھا۔ مالویکا گنیمتر کے مطابق ودربھ صوبہ یگیہ سین (Yajyasen/Yagyasen) کی قیادت میں آزاد ہو گیا تھا۔ اس وقت ودیشا کا گورنر پشیہ متر کا بڑا بیٹا اگنی متر تھا جس نے ودربھ پر حملہ کر کے یگیہ سین کو شکست فاش دی اور ودربھ کو مگدھ کی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ دوسرا اہم واقعہ یونانیوں کا حملہ تھا۔ اس حملے کا ذکر مختلف ادبی منابع میں ملتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ پتنجلی کے مطابق، یونانیوں نے ساکیت (جدید ایودھیا) اور مدھیامیکا (جدید چتوڑ کے قریب کوئی علاقہ) پر حملہ کیا۔ گارگی سمہیتا میں بتایا گیا ہے کہ "شریر وکرانت یونانیوں نے ساکیت، پانچالا اور متھرا کو فتح کیا اور پاٹلی پتر تک پہنچ گئے۔ انتظامیہ میں کافی افراتفری مچ گئی اور عام عوام پریشان ہو گئی۔ لیکن یونانیوں کے آپس میں جنگ خانہ چھڑ گئی اور وہ واپس لوٹ گئے۔" یونان کے حملے کے بارے میں مورخین کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہے۔ اس حملے کا لیڈر کون تھا، یہ حملہ کہاں ہوا، دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی کی جگہ کیا تھی، یہ سوالات اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ اس موضوع پر قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، یہ ناقابل تردید ہے کہ حملہ آور باختری یونانی تھے اور انہیں پشیہ متر کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ زیادہ تر مورخین کا خیال ہے کہ اس حملے کہ قیادت یونانی حکمراں مینانڈر (Menander) نے کی تھی۔ کالیداس نے لکھا ہے کہ پشیہ متر کے اشوامیدھ یاگیہ کا گھوڑا جو اس کے پوتے وسومتر کی قیادت میں چھوڑا گیا تھا اسے دریائے سندھ کے کنارے پر یونانیوں نے پکڑ لیا تھا۔ اس پر دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ وسومتر نے یونانیوں کو شکست دی اور گھوڑے کو پاٹلی پتر لے آیا۔ دریائے سندھ کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ریپسن (E.J. Rapson) کے مطابق یہ پنجاب کا دریائے سندھ نہیں بلکہ

وسطی ہندوستان میں چمبل کی ایک معاون ندی کالی سندھو ہے یا دریائے سندھ، جمنا کا معاون دریا ہے۔ لیکن آر سی مجمدار اسے شمال مغربی ہندوستان کا دریائے سندھ سمجھتے ہیں۔ جے ایس نیگی نے اسے تاریخی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ بھی مجمدار سے متفق ہیں۔اس طرح پشیامتر نے ملک کو ایک طاقتور بیرونی حملے سے بچایا اور یونانیوں کی طاقت کو شمال مغربی سرحد تک محدود کر دیا۔ یہ پشیامتر کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔

1.3.2 شنگ خاندان کا نظم ونسق (Administration of the Shunga Dynasty)

پشیہ متر قدیم موریہ سلطنت کے مرکزی حصے کو محفوظ بنانے میں کامیاب رہا۔ایودھیا اور ودیشا تو یقینی طور پر اس کی ریاست میں شامل تھے۔پشیہ متر کا ذکر ایودھیا کے نوشتہ جات میں ملتا ہے۔اس کا بیٹا اگنی متر ودیشا میں حکومت کرتا تھا۔کالیداس کے مطابق ودربھ ریاست ان کے ماتحت تھی۔ دویاودان اور تراناتھ کی تفصیل کے مطابق جالندھر اور شاکل (سیالکوٹ) پر بھی اس کا کنڑول تھا۔اس طرح اس کی سلطنت شمال میں ہمالیہ سے جنوب میں برار تک اور مغرب میں پنجاب سے مشرق میں مگدھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ پاٹلی پترا اس سلطنت کا دارالحکومت تھی۔

ہمیں پشیہ متر کی انتظامیہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس نے موریہ انتظامیہ کی خصوصیات کو برقرار رکھا۔ منواسمرتی کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہنشاہ اپنی الٰہی اصل نظریہ (Divine Origin) پر یقین رکھتے تھے۔ کے پی جیسوال کا خیال ہے کہ منو نے پشیہ متر کی برہمن بادشاہی کی حمایت کرنے کے مقصد سے بادشاہ کی الٰہی اصل کا نظریہ پیش کیا تھا۔ منو کے مطابق ایک بچے سمراٹ کی بھی توہین نہیں کی جانی چاہیے کیونکہ وہ انسانی شکل میں ایک عظیم دیوتا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حکمران مطلق العنان تھا، عملاً وہ مذہب اور نظریات کے مطابق حکومت کرتا تھا۔ منو نے عوام کی پرورش اور حفاظت کو بادشاہ کا بہترین فرائض قرار دیا ہے۔

ریاست کے مختلف حصوں میں شہزادوں اور شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والوں کو گورنر مقرر کرنے کی روایت جاری رہی۔ وائیو پران میں کہا گیا ہے کہ پشیہ متر نے اپنے بیٹوں کو مختلف علاقوں میں شریک حکمران مقرر کیا تھا۔ اس کا بیٹا اگنی متر ودیشا کا گورنر تھا۔ ایودھیا کے نوشتہ جات کے مطابق دھندیو جس کا تعلق شاہی گھرانے سے تھا، کوسل کا گورنر تھا، وسومتر کی مثال سے واضح ہے کہ شہزادے بھی فوج کی قیادت کیا کرتے تھے۔ ایسا ذکر ملتا ہے کہ جب وسومتر شومیدھا گھوڑے کے ساتھ نکلا تو اس کے ساتھ سینکڑوں راجہ بھی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ماتحتی نائب حکمراں بھی ہوا کرتے تھے جنھیں راجہ کہا جاتا تھا۔ مالویکا گنیمتر میں 'اماتیہ پریشد' (Council) اور مہابھاشیہ میں 'سبھا' کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ موریہ دور کی وزراء کی کونسل تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمرانی میں مدد فراہم کرنے کے لیے وزیروں کی ایک کونسل بھی تھی۔ منو نے وزراء کی کونسل کی ضرورت کے رول کو لیکر لکھا ہے کہ عظیم ذمہ داری بھی ایک واحد انسان کے لیے مشکل ہے۔ خاص طور پر جو ریاست عظیم پھل دیتی ہے وہ اکیلا بادشاہ کیسے چلا سکتا ہے۔ منو کے مطابق، بادشاہ کو سات یا آٹھ وزیروں کو تقرر کرنا چاہیے۔ منواسمرتی شنگ دور کے ترقی یافتہ، عدل اور مقامی انتظامیہ کے بارے میں بھی معلومات فراہم کراتی ہیں۔ اس وقت بھی گاؤں انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس وقت تک موریہ دور کا مرکزی کنٹرول ڈھیلا ہو چکا تھا اور جاگیرداری کے رجحانات سرگرم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اگرچہ شنگ ریاست کی دارالحکومت پاٹلیپترا تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ودیشا نگر کی سیاسی اور ثقافتی اہمیت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

1.3.3 پشیامتر کی مذہبی پالیسی اور اس کی شخصیت

(Religious Policy of Pushyamitra, and His Personality)

پشیہ متر برہمن خاندان کا حکمران تھا۔ اور جس موریہ خاندان کا اس نے خاتمہ کیا تھا وہ بدھ مت کے سرپرست کے طور پر مشہور تھے۔ اسی لیے بدھ مت کے مذہبی متن دویاوادان (Divyawadana) میں اور تبتی عالم تارناتھ کی تفصیلات میں پشیہ متر کو بدھ مت کا شدید دشمن اور استوپا اور وہاروں کو تباہ کرنے والا بتایا گیا ہے۔ دویاوادان میں مذکور ہے کہ اس نے لوگوں سے اشوک کی شہرت کی وجہ پوچھی۔ اس پر اسے معلوم ہوا کہ اشوک 84000 استوپا بنانے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے نتیجے میں اس نے 84000 استوپا تباہ کر کے شہرت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے برہمن پجاری کے مشورے پر اس نے مہاتما بدھ کی تعلیمات کو ختم کرنے کا عزم کیا۔ وہ پاٹلی پترا میں کوکٹارام (Kukkataram) کے مہاوہار کو تباہ کرنے گیا لیکن ایک روحانی دہاڑ سے خوفزدہ ہو کر واپس آگیا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ مختلف استوپا

کو تباہ کرتا، وہاروں کو جلاتا اور راہبوں کو قتل کرتا ہوا شاکل پہنچا۔ وہاں اس نے اعلان کیا کہ جو بھی مجھے بُدھ راہب کا سر دے گا میں اسے سو دینار انعام کے طور پر دوں گا۔ تاراناتھ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ لیکن بدھ مت کے مصنفین میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور غیر بدھ مت والوں کی بداعمالیوں کے افسانوی بیانات دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح یہ تحریریں اشوک کی بدھ مت سے پہلے کی زندگی کے بارے میں بھی بے معنی بیانات پیش کرتی ہیں۔ اس لیے ان پر حتمی یقین نہیں رکھا جانا چاہیئے۔ شنگ کے زمانے کی سانچی اور بھرھوت سے حاصل کردہ نوادرات کی بنیاد پر پشیامتر کے بدھ مت کے مخالف ہونے کی رائے منطقی طور پر غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ سانچی کے دو استوپا کے تعمیر اور بھرھوت ستوپا کی ریلنگ جو اشوک کے زمانے میں لکڑی سے بنے تھے شنگ دور میں پتھر سے بنا کر مرمت کی گئی۔ یہ شنگوں کی مذہبی رواداری کو ظاہر کرتا ہے۔ بدھ مت کے شہنشاہ برہدرتھ کے قتل اور برہمن مذہب کی ریاست کو تحفظ فراہم کرنے کے اقدامات نے بدھ مذہب کے پیروکاروں کو شدید تکلیف پہنچایا۔ ممکن ہے کہ کچھ بدھ بھکشو شاکل میں یونانیوں سے جا ملے ہو (یاون جو بُدھ مذہب کے پیروکار تھے)، پشیہ متر نے انہیں غداروں کے سر لانے والوں کو انعام کے طور پر سو دینار دینے کا اعلان کیا ہو۔ اس لیے سلطنت کی سلامتی کے پیش نظر بدھ راہبوں کو سزا دینا اس وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اس طرح بدھ مت کے ساتھ یونانیوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے سخت سلوک کیا گیا۔ صرف اس بنیاد پر ہم پشیہ متر کو بدھ مت کا دشمن نہیں مان سکتے۔ Divyavadana خود بتاتا ہے کہ پشیامتر نے کچھ بودھوں کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ اس طرح پشیہ متر پر یہ الزام لگانا بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔

1.3.4 پشیامتر کے جانشیں اور ریاست کا زوال

(Successors of Pushyamitra and the Decline of Shunga Dynasty)

پشیامتر کے بعد اس کا بڑا بیٹا اگنی متر، جو کالیداسا کی کتاب مالویکا گنیمترا کا ہیرو تھا، شنگ خاندان کا راجہ بنا۔ اس سے پہلے وہ ودیشا کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس نے کل آٹھ سال حکومت کی لیکن اس کے دور حکومت کے کسی اہم واقعہ کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ اس کے بعد سوجیسٹھا یا واسوجیسٹھ راجہ بنا، جن کے نام کے علاوہ کوئی معلومات دستیاب نہیں ہے۔ اس خاندان کا چوتھا بادشاہ وسومتر تھا، اس کی قیادت میں شنگا کی فوج نے یونانیوں کو شکست دی تھی۔ شاید وہ پشیہ متر کے دور حکومت میں ریاست کی شمال مغربی سرحد کا گورنر تھا۔ اس کے بعد بہت سے برائے نام راجہ ہوئے۔ اس خاندان کا نواں حکمران بھاگوت یا بھاگبھدر تھا۔ وہ کچھ حد تک طاقتور حکمران کے طور پر مقبول ہے۔ اس کی تصدیق اسکے اور یونانیوں کے درمیان سفارتی تعلقات سے ہوتی ہے۔ اس کے دور حکومت کے چودھویں سال ٹکشلا کے یونانی بادشاہ انٹیالکیڈس کا سفیر ہیلیوڈورس اس کے ودیسا کے دربار میں آیا تھا۔ پرانوں کے مطابق شنگا خاندان کا دسواں اور آخری حکمراں دیو بھوتی تھا جسے اس کے جنرل واسودیو نے قتل کر کے ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی، جسے تاریخ میں کنوّ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

1.4 کنوّ خاندان (Kanva Dynasty)

جس طرح پشیہ متر نے اپنے سوامی برہدرتھ کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا، اسی طرح شنگ خاندان کا آخری حکمراں دیو بھوتی

(Devbhuti)جو بہت کمزور اور پر تعیش حکمراں تھا،اپنے اماتیا واسودیو (Vasudev) کی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ اس واقعہ کو ہرش چرت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "شنگ کے منتری واسودیو نے دیو بھوتی کو ایک داسی کی مدد سے ملکہ کے بھیس بدل کر مار ڈالا۔ واسودیو نے جس نئے خاندان کی بنیاد رکھی اسے تاریخ میں کنوؔ یا کنوئن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کانوا خاندان بھی شنگوں کی طرح ایک برہمن خاندان تھا۔ ویدک مذہب اور ثقافت کے تحفظ کی روایت جو شنگوں نے شروع کی تھی اس وقت بھی جاری رہی۔ بدقسمتی سے اس خاندان کے حکمرانوں کے نام کے علاوہ ہمیں اس کے دور حکومت کے کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ پرانوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس خاندان کے حکمراں حق اور انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے اور پڑوسیوں پر اپنی اقتدار قائم رکھیں گے۔

ہیم چندر رائے چودھری کا خیال ہے کہ کنوؔ حکمرانوں نے شنگ حکمراں کو مکمل طور پر ختم کرنے کے بجائے خود کو انکے پیشوا کے طور پر حکومت کرنا شروع کیا اور پورے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، شنگوں کا وجود صرف نام بھر کے لیے برقرار رکھا۔ اسی لیے شنگ اور کنوؔ دونوں ریاستیں ایک دوسرے کی ہم عصر تھیں اور بعد میں جب ستواہنوں نے کنوؔ سلطنت کا خاتمہ کیا تو شنگ خاندان کا بھی خاتمہ ہوا۔ ہیم چندر رائے چودھری اور سمتھ کے مطابق کنوؔ بادشاہی نے 75 قبل مسیح سے 30 قبل مسیح تک حکومت کی۔ اس خاندان میں چار حکمراں کا ذکر ملتا ہے۔ پرانوں کے مطابق، واسودیو نے کل نو سال حکومت کی۔ اس کے بعد تین راجہ ہوئے - بھومی متر (Bhumimitra)، نارائن (Narayan) اور سشرما (Susharma) جنہوں نے بالترتیب چودہ، بارہ اور دس سال حکومت کی۔ سشرما اس خاندان کے آخری بادشاہ تھے۔ وایو پران کے مطابق اسے ان کے آندھرا جاتیہ بھرتیا شموکھا (سندھوکا) نے مارا تھا۔ اس طرح کنوؔ خاندان کا خاتمہ ہوا۔

1.4.1 شنگ اور کنوؔ دور کے سماجی حالات (Society during the Shungas and the Kanvas)

شنگ دور کا معاشرہ ورن نظام پر مبنی تھا۔ اس وقت سماج میں چار ورنوں کے علاوہ اور بھی کئی ذاتیں پیدا ہو گئی تھی۔ موریہ دور میں ورناشرم کا نظام بدھ مت کے اثر سے کمزور ہوا تھا۔ زیادہ تر لوگوں نے اپنے سماجی فرائض کو ترک کر کے بھکشو (راہب) یا شرمن (سنیاسی) کی زندگی گزارنی شروع کر دی تھی۔ لیکن شنگ دور میں ورناشرما مذہب دوبارہ قائم ہوا۔ اس دور کی یادگار تخلیق منوا سمرتی میں ورناشرم مذہب کے قوانین کا ذکر کیا گیا ہے۔ منوا سمرتی میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ذات کے پیشے کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ اگرچہ خود مذہب کمتر ہو لیکن وہ دوسرے مذہب سے بہتر ہے۔ اگر کوئی نچلی ذات کا شخص لالچ سے اونچی ذات کا پیشہ اختیار کرے تو بادشاہ کو اس کی جائیداد ضبط کر کے اسے ملک بدر کر دینا چاہیے۔ منوا سمرتی میں یہ بات بھی آئی ہے کہ جس ملک میں مختلف ذات پات کا انضمام (ہائبریڈیٹی) ہوتا ہے وہ ملک جلد ٹوٹ جاتا ہے۔ چاروں ورنوں کے فرائض بھی الگ الگ زیر بحث آئے ہیں۔ برہمن کے اہم فرائض مطالعہ، تعلیم، مذہبی رسوم و رواج کی منظوری، عطیہ اور قبولیت ہیں۔۔ اگر برہمن نے صحیفوں کے مطابق برتاؤ نہیں کیا تو وہ اپنا سماجی وقار کھو دے گا۔ بحران کے وقت منو نے برہمن کو اپنے ورنا سے مختلف پیشہ اختیار کر کے روزی روٹی کمانے کی آزادی دی ہے۔ منو نے برہمنوں کو پیدائش، نظم و ضبط، علم اور ثقافت کی بنیاد پر تمام طبقات اور رسومات کا مالک قرار دیا ہے۔ دنیا کی تمام دولت اور اناج برہمنوں کا ہے، منو کا خیال تھا کہ اگرچہ برہمن کی عمر دس سال ہو لیکن وہ سو سال چھتری سے بلند اور قابل احترام ہے۔ راجہ نہ تو اسے کسی قسم کی جسمانی سزا دے سکتا ہے

اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا ٹیکس لگا سکتا ہے۔ اسے قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ برہمن کو ہمیشہ سادگی، ویدوں کے مطالعہ اور مذہبی کاموں میں مشغول رہنا چاہیے۔ اسے صرف اتنی ہی دولت جمع کرنی چاہیے، جو اپنے اور اپنے خاندان کی پرورش کے لیے کافی ہو۔ اس طرح اپنے ورنا، طرز عمل اور ذمہ داری کی وجہ سے برہمن کو سماج کے دیگر طبقات سے بلند اور قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔

سماجی بالادستی کے نقطہ نظر سے برہمن کے بعد چھتری ورن آتا ہے۔ بدھ سماجی نظام میں جس میں چھتری کے مقام کو برہمن سے اونچا بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ شنگ دور میں سبھی اسمرتی اور سوترونے پھر برہمن ورنا کو دوسرے ورنوں پر قائم کیا۔ منو کے مطابق پیدائشی طور پر برہمن چھتری سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔ گوتم ستر امیں زیادہ عملی اور فراخدلی کے ساتھ کام کیا گیا ہے۔ انہوں نے سماج کی ترقی کے لیے دونوں کو یکساں اہم قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ راجہ اور عالم برہمن دونوں ہی دنیا میں مذہب کی حفاظت کرتے ہیں۔ مہاکاوی میں بھی برہمنوں کو چھتریوں سے برتر بتایا گیا ہے لیکن اکثر جگہوں پر دونوں کے درمیان ہم آہنگی قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چھتریہ حکمران طبقہ تھا۔ چھتریوں کا اصل مذہب جنگ تھا۔ اس کا بنیادی فرض چار ورنوں کی حفاظت کرنا تھا۔

تیسرا ورن ویشیوں کا تھا۔ وقار کے لحاظ سے برہمن اور چھتری کے بعد ان کا مقام تھا۔ اصولی طور پر برہمنوں اور چھتریوں کی طرح ویشیوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے، قربانی کرنے اور عطیہ کرنے کا حق حاصل تھا۔ گوتم نے ان تینوں اعمال کو دوذاتوں (برہمن، چھتریہ اور ویشیہ) کا مستحق قرار دیا ہے۔ بودھاین کے مطابق ویدوں کا مطالعہ اور زراعت باہمی طور پر متضاد ہیں اور عام طور پر انسان ان دونوں کو ایک ساتھ نہیں کر سکتا۔ ویشہ ورن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس لیے ویدوں کا مطالعہ، قربانی اور عطیہ وغیرہ ترک کر کے ویشیہ نے اپنے آپ کو پیسہ کمانے کے ذرائع جیسے زراعت، تجارت، جانور پالن اور کوسید کے کاموں کے لیے اپنے ہنر اور محنت کو مرکوز کر دیا۔ وہ جنگی کاموں سے بالکل آزاد تھے۔ ان کا خاص کام زراعت تھا جسے وہ بدامنی کے دور میں بھی سکون سے کرتے تھے۔ مہابھارت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سماج کا وہ طبقہ جو تعلیم اور قربانی وغیرہ کو چھوڑ کر زراعت اور گائے پالنے کی پیروی کرتا تھا، اسے ویشیہ کہا گیا۔ سب سے امیر ہونے کے ناطے ویشیہ زیادہ سے زیادہ ریاستی ٹیکس فراہم کرنے والا بن گیا تھا۔ جنگ لڑنا کشتری کے فرائض تھے لیکن مصیبت کے وقت ویشیہ کو بھی یہ فرائض انجام دینے ہوتے تھے۔

چوتھا ورن شودر کا تھا۔ ان کا بنیادی فرض تینوں ورنوں کی خدمت کرنا تھا۔ وہ مذہبی رسومات اور صحیفے سننے کے حقدار نہیں تھے۔ اگرچہ منواسمرتی میں شودر اساتذہ اور شودر شاگردوں کا ذکر ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انھیں تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن گوتم سُتر حکم دیتا ہے کہ اگر وہ ویدک منتر پڑھے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے اور اگر وہ دل میں محفوظ رکھے تو اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور اگر وہ جان بوجھ کر وید سنتا ہے تو اس کے کانوں میں ٹن یالا کھ گرم پگھلا ہوا اسکے کانوں میں بھر دیا جائے۔ کسی حد تک انھیں جائیداد رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن وہ جائیداد بھی تینوں ورنوں کے کام ہی آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شودروں کی حالت انتہائی ابتر تھی۔ منواسمرتی انہیں داس کے زمرے میں رکھتی ہے۔ ان کے فرائض تو بہت تھے لیکن حقوق بہت کم۔

جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے دیگر ورنوں سے زیادہ سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ شودر کو مارنے پر برہمن کو وہی سزا دی جاتی تھی جیسی کتے، بلی، مینڈک اور کوے کو مارنے کی تھی۔ جاتکا کے متون سے معلوم ہوتا ہے کہ چنڈال کو سماج سے بے دخل سمجھا جاتا تھا اور ان کی نظر کو برا سمجھا جاتا تھا۔

لیکن اس کے خلاف سماج میں ایک نیا نظریہ جنم لے رہا تھا جو ذات پات کے نظام کی بنیاد پیدائش پر نہیں بلکہ کرم پر رکھنا چاہتا تھا۔ یہ سادھو کرما (نیک کام کرنے والا یا پاک زندگی بسر کرنے والا) شودروں کو وہ تمام حقوق دینا چاہتا تھا جو ایک آریہ کو حاصل تھا۔ اگرچہ یہ نئی تحریک زیادہ کامیاب نہ ہو سکی اور اس کے خلاف سماج نے پیدائشی ذات پات کے نظام کو زیادہ اہمیت دی۔ تاہم اس قسم کے نظریے نے معاشرے کی بنیاد پرستی کو ہلکا سا دھکا ضرور دیا۔ ان کے علاوہ کچھ غیر ملکی جیسے کمبوجا، یاون، شک، پارتھیان اور چین وغیرہ کو شودر میں شامل کیا گیا تھا جس وجہ سے شودر طبقہ کافی مضبوط ہو چکا تھا۔ اس لیے ان میں سے بہت سی ذاتیں حکمران طبقے میں شامل تھیں۔ مہابھارت کے سبھا پروا میں شودر حکمرانوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے مغربی ہندوستان پر حکومت کی۔ شانتی پروا سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے تین اہم عہدے شودروں کو ملتے تھے۔ نتیجتاً بنیاد پرست طبقے کا نمائندہ ہونے کے باوجود منو اس نئے شودر سماج (غیر آریائی اور غیر ملکی ذاتوں) کو مکمل طور پر نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ بدلے ہوئے حالات میں اسے شودر ذات کو بہت سی سہولتیں دینی پڑیں، انہیں خدمات کے علاوہ لکڑی کے دستکاری، پینٹنگ وغیرہ کے کاموں کی بھی اجازت دے دی گئی۔ اب شودر مکمل طور پر غیر ثقافتی اور غیر مذہبی نہیں تھا۔ منوا سمرتی میں شودروں کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تقریب کا حوالہ ملتا ہے۔ وہ ازدواجی مقدس آگ کی رسم ادا کر سکتا تھا۔ ایک اور جگہ منو نے واضح طور پر کہا ہے کہ ایک شودر کو دوسری ذات کی تمام مذہبی رسومات ادا کرنے کا حق حاصل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ان رسومات میں ویدک منتروں کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح مہابھارت کے دور میں ابھرنے والی نئی تحریک کے نتیجے میں شودروں کو منو کے سخت ورن نظام کے تحت بھی مکمل طور پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ منوا سمرتی میں بیان کردہ سماج میں شودروں کی حالت سوتر دور کے سماج سے بہتر تھی۔

روایتی چار ورنوں کے علاوہ، بہت سی ذاتیں بھی تھیں جو بین ورن شادیوں کے نتیجے میں پیدا ہوئیں۔ مذہبی کتابوں میں مرد کو صرف اپنی ورن کی لڑکی سے شادی کرنے کو کہا گیا ہے۔ لیکن گوتم نے اپنی ضرورت کے مطابق نچلی ذات کی لڑکی سے شادی کی اجازت دے دی ہے۔ اس قسم کی شادی کو انولوم شادی کا نام دیا گیا ہے۔ منو کے نظام کے تحت بھی انولوم شادیاں جائز سمجھی جاتی ہیں لیکن نظام کاروں کے مطابق نچلی ذات کے مرد کی اونچی ذات کی لڑکی سے شادی قابل مذمت ہے۔ اس طرح کی شادی کو پرتیلوم شادی کے نام سے پکارا گیا ہے۔ گوتم کے مطابق پرتیلوم کی تمام شادیاں غیر مذہبی ہیں۔ مہابھارت میں پرتیلوم کی شادی کو ناجائز سمجھا گیا ہے۔ پرتیلوم بچہ، چاہے وہ برہمن عورت اور چھتری مرد کا ہی کیوں نہ ہو، مذہبی رسومات کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ اس طرح انولوم اور پرتیلوم کی شادیوں کے نتیجے میں چار ورنوں کے علاوہ کئی ذاتیں اور ذیلی ذاتیں پیدا ہوئیں۔ یہ ورن سنکر (ہائبرڈ) کہا گیا ہے۔ بودھاین نے ورنا سنکرتا سے پیدا ہونے والے بیٹے کو 'وراتیا' (Vratya) کہا ہے۔ شاید انولوم اور پرتیلوم دونوں شادیوں سے پیدا ہونے والے بچوں کو ان وراتیاوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ان ذاتوں میں امبیسٹھ (Ambasth)، اوگرا (Ugra)، رتھکار، نشاد، ویدیہک (Vaidehak)، سوت، چنڈال، ماگدھ، کشتر (Kshtra)، آیوگو

وغیرہ ہیں۔

شنگ دور کے معاشرے میں خواتین کی کچھ اچھی حالت کے اشارے ملتے ہیں۔ ویدک مذہب میں آٹھ قسم کی شادیاں سماج میں رائج تھیں۔ بین ذاتی شادیاں بھی ہوتی تھی۔ پرتیلوم اور انولوم دونوں قسم کی شادیاں ہوتی تھیں۔ طلاق کا کوئی رواج نہیں تھا۔ کیونکہ منو نے شادی کو زندگی بھر کا ادارہ بتایا ہے۔ منواسمرتی میں راجہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ بیوی کو چھوڑنے والے شوہر کو سزادی جائے۔ نیوگا سسٹم رائج تھا۔ بیوہ شادیاں بھی ہوتی تھی۔ شوہر کی خدمت اور عقیدت عورت کا آخری فریضہ تھا۔ سماج میں ستی کے رواج کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ منواسمرتی سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں بچپن کی شادی کا رواج تھا اور لڑکیوں کی شادی آٹھ سے بارہ سال کی عمر میں ہو جاتی تھی۔ شادی کی عمر کم کرنے سے خواتین کی تعلیم بری طرح متاثر ہوئی۔ اب وہ مکمل طور پر اپنے شوہر کے ماتحت کر دی گئی تھی۔ منواسمرتی میں ایک جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کی دیوتا کی طرح پوجا کرنی چاہیے اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اس کا شوہر بدکردار اور ظالم ہو۔

1.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

شنگ حکمرانوں کا دور ہندوستان کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس نے مگدھ سلطنت کے مرکزی حصے کو غیر ملکیوں سے محفوظ کیا اور وسطی ہندوستان میں امن وامان قائم کر کے کچھ عرصے کے لیے صوبائی طاقتوں کو پنپنے سے روک دیا۔ اس نے موریہ سلطنت کے کھنڈرات پر ویدک ثقافت کے نظریات قائم کیے اور اسی وجہ سے اس کے دور کو ویدک نشاۃ ثانیہ کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شنگ خاندان کے حکمرانوں، خاص طور پر پشیہ متر شنگ نے مگدھ سلطنت کو اس وقت کے اندرونی اور بیرونی مسائل سے حفاظت کی، جس سے اس کی فوجی طاقت کا بھی تعارف ہوتا ہے۔ ان کی مذہبی رواداری کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے سانچی اور بھرھوت استوپوں کی مرمت کروائی اور خود بدھ ادب کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ شنگوں کے دربار میں بہت سے بدھ مت کے پیروکار مقرر کیے گئے تھے۔ ایک اور موضوع جس نے ہمارے علم میں اضافہ کیا وہ یہ تھا کہ غیر ملکی مقامی فلسفے اور مذہب سے کیسے متاثر ہوئے۔ بہت سے غیر ملکی ہندوستان کی ثقافت کے ساتھ اس قدر گھل مل گئے کہ مذہبی فقہاء کو انہیں ورن نظام میں شامل کرنا پڑا۔

1.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

انولوم	:	اپنے برابر یا نچلے ورن کی لڑکی سے شادی
پرتیلوم	:	اپنے ورن سے اپر ورنا کی لڑکی سے شادی
مطلقالعنان	:	خود مختار
سرمن	:	جین بھکشو، راہب
سینانی	:	سپہ سالار
استوپ	:	ایک ٹیلہ نمایانصف کروی ڈھانچہ ہوتا ہے، جس میں تبرکات (مثلاً جسد خاکی—عام طور پر بدھ

بھکشوؤں یا بھکشونیوں کی باقیات) ہوتے ہیں، جو مراقبہ کی جگہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

وہار	:	بدھ مذہب یا جین مذہب کی خانقاہ، آشرم
نیوگ	:	ایک قدیم ہندستانی رسم جس میں کوئی بھی شخص مقتول کی بیوی کے ساتھ جماع کر کے اولاد پیدا کر سکتا تھا۔ بعض اوقات جس عورت کی اولاد نہ ہوتی ہو وہ شوہر کی مرضی سے کسی غیر مرد سے اولاد حاصل کر سکتی تھی۔

1.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

1.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کس مورخ نے گروڈ ستون دریافت کیا؟
2. ایودھیا کا کتبہ پشیہ متر کے کس گورنر کا ہے؟
3. ہیلیوڈورس کس یونانی شہنشاہ کا سفیر تھا؟
4. پتنجلی کس کے درباری شاعر تھے؟
5. پرتیلوم شادی سے کیا مراد ہے؟
6. ورتیا، ورشل اور سنکر سے کیا مراد ہے؟
7. مادھیمیکا کی شناخت کس جدید شہر سے کی جاتی ہے؟
8. کنوّ خاندان کا آخری راجہ کون تھا؟
9. شنگ راجہ کس مذہب کے پیروکار تھے؟
10. ودربھ کی جنگ کس سنگ راجہ کے دور میں ہوئی تھی؟

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. شنگ خاندان کی تاریخ کے لیے آثاری ذرائع کی اہمیت کو بیان کریں۔
2. شنگ دور میں بھاگوت مذہب کی ترقی پر ایک نوٹ لکھیں۔
3. پشیامتر کے زمانے میں یونانیوں کے حملے پر بحث کریں۔
4. شنگ دور میں شودروں کے خصوصی حوالے سے رونما ہونے والی سماجی تبدیلیوں کا تنقیدی مطالعہ کریں۔
5. کنوّ خاندان پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. شنگ خاندان کی سماجی تاریخ پر نوٹ لکھیں اور آپ اس بات سے کس حد تک اتفاق کرتے ہیں کہ منواسمرتی شنگ دور کی سماجی تاریخ کے مطالعہ میں اہم کردار ادا کرتی ہے؟
2. شنگ خاندان کی سیاسی تاریخ پر ایک نوٹ لکھیں۔
3. شنگ خاندان کے دور کو ویدک نشاۃ ثانیہ کا دور سمجھا جاتا ہے۔ وضاحت کریں۔

1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

---

1. Jayaswal, K.P., Revised Notes on 'The Brahmin Empire', *The Journal of The Bihar and Orissa Research Society*', Bihar and Orissa Research Society, Patna, 1918.
2. Majumdar, R.C., and A.D. Pusalker, (eds.), *The Age of Imperial Unity*, Bhartiya Vidya Bhavan, Bombay, 1951.
3. Mishra, Ram Kumar, 'Pushyamitra Sunga and the Buddhists', *Proceedings of Indian History Congress*, Vol. 73, 2012.
4. Pandey, Vimal Chandra, '*Bharat ki Samajik Awastha*', Hindustani Academy, Allahabad, 1960.
5. Rapson, E.J. ed., *The Cambridge History of India*, Vol. I, Cambridge History Press, Cambridge, 1922.
6. Raychaudhuri, Hemchandra, *Political History of Ancient India*, University of Calcutta, Calcutta, 1927.
7. Sharma, Ram Sharan, *Perspectives in Social and Economic History of Early India*, Munshiram Manoharlal, New Delhi, 2003.
8. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, Delhi, 2009.
9. Smith, Vincent A., *The Early History of India: From 600 B.C. to the Muhammadan Conquest*, Clarendon Press, Oxford, 1914.
10. Thapar, Romila, *The Past Before Us*: *Historical Traditions of Early North India*, Harvard University Press, 2013.

اکائی 2۔ وسطی ایشیائی رابطے: یونانی، شک، پہلو اور کشان

(Central Asian Contacts: Greeks, Shakas, Parthians, and the Kushanas)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 ہند یونانی

2.3 شک

2.4 پارتھیائی

2.5 کشان

2.5.1 فتوحات

2.5.2 کنشک کی سلطنت کی حدود

2.5.3 دارالسلطنت

2.5.4 کنشک کا مجسمہ

2.5.5 افکار کا تبادلہ

2.5.6 آرٹ

2.5.7 مذہب

2.5.8 کشان سلطنت کا زوال

2.6 اکتسابی نتائج

2.7 کلیدی الفاظ

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

2.0 تمہید (Introduction)

موریاؤں کے زمانہ کوان کی سلطنت کی عظمت کی بنا پر یاد کیا جاتاہے۔200 قبل مسیح سے 300 عیسوی تک یعنی موریاؤں کے بعد کے زمانہ میں برصغیر کے طول وعرض میں بہت سی ریاستیں وجود میں آئیں۔ان میں سے کچھ ریاستیں چھوٹی تھیں جیسے ہندیونانی، شک، کنو اور پہلواور کچھ بڑی مثلاً کشان سلطنت جو وسطی ایشیاتک پھیلی ہوئی تھی۔لیکن ریاستوں سے بڑھ کراس زمانہ میں برصغیر کو مربوط رکھنے کاکام تجارت اور کاروبار نے کیا جسے اس زمانہ میں بہت فروغ حاصل ہوا۔یہ وہ زمانہ تھاجب اکثر علاقوں میں مادی خوش حالی کے آثار نمایاں تھے۔دریں اثنا شمال کے دورافتادہ علاقہ میں 200ق۔م سے 100ء تک متعدد بدیسی قوموں کی ٹولیاں رفتہ رفتہ آئیں۔ان سب قوموں نے ہندوستان میں بس کر یہاں کی تہذیب میں ایک نئے طرز زندگی کو شامل کیا۔یہ قومیں تھیں، بلخی یونانی(Bactrian Greek) جو ہند یونانی(Indo-Greek) بھی کہلاتے ہیں،پہلویاپارتھی(Pahlav, Parthi)،شک(Shaka) اورکشان(Kushan)۔ان غیرملکیوں نے نہ صرف ہندوستانی تہذیب پراپنااثرڈالا بلکہ وہ خودآگے چل کرہندوستان کی آبادی میں ضم ہوگئے۔انہوں نے ہندوستان میں پہلی مرتبہ ایسے سونے کے سکے جاری کیے جن پرتاریخ کندہ تھی اور بہت سے ایسے مجسمےاور عمارتیں بنوائیں جن کی مدد سے ہم ان حکمراں خاندانوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعدآپ

- ہندیونانیوں کے بارے میں جان سکیں گے۔
- ایک حکمراں کے طورپر میناندر کی شخصیت کا تجزیہ کرسکیں گے
- یونانی روابط کے نتائج کے بارے میں جان سکیں گے
- شک اقوام کے کارنامے کی بابت علم حاصل کرسکیں گے
- کنشک کے بارے میں جان سکیں گے
- کنشک کی انتظامیہ سے واقف ہوسکیں گے
- ان ادوار میں ہونے والی تجارت کے بارے میں واقفیت حاصل کرسکیں گے

2.2 ہندیونانی (Indo-Greeks)

سکندر کے یونانی سپہ سالاروں نے ایران اور افغانستان میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔بعد کے یونانی حکمراں اب شمالی ہند کی طرف ،مائل ہوئے جو دولت سے مالامال تھااور جہاں سے ایران اور مغربی ایشیاسے بڑے پیمانے کی تجارت ہوتی تھی۔موریاسلطنت کے انتشار کے بعد یونانی بادشاہوں کے لئے پنجاب اور وادی کابل کے علاقوں کو فتح کرنا مشکل نہیں رہا تھا۔یہی علاقہ ـــــــ گندھار کا صوبہ کہلایا جس پر

انڈو گریک (یعنی ہندیونانی) بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ان بادشاہوں نے بہت سے سکے جاری کیے اور انھیں سکوں کی مدد سے اس زمانہ کی تاریخ مرتب کرنا ممکن ہوا۔ان میں سے بعض بودھ ہوگئے مثلاراجہ ملند (میناڈر)اور بعض ویشنوہوگئے۔لہذاان کی تہذیب دراصل ہندوستانی اور یونانی تہذیبوں کامرکب تھی۔

اس وقت مشرق میں یونانیوں کی دوجداگانہ ریاستیں قائم ہوگئیں۔یوتھی ڈیمس اوریوکرپٹائڈیز جن پر دوعلاحدہ علاحدہ خاندان حکومت کرتے تھے جوآپس میں رقابت رکھتے تھے۔مشرقی پنجاب پر جس کادارالسلطنت سیالکوٹ تھا، نیز سندھ اوراس کے مضافات کے علاقہ پراول الذکر کا قبضہ تھا۔ باختر اور وادی کابل، گندھارااور مغربی پنجاب آخرالذکر کے تصرف میں تھے،ان متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بارے میں ہماری شہادت کادارومدار تقریبا سکوں پر ہے۔ماخذ کی کمیابی کے باعث ان کے آباواجداد کے حالات، ترتیب وار تاریخ اور ان کے مقبوضات کامسئلہ انتہائی مشتبہ اور مشکل بن گیاہے۔

2.2.1 یوتھی ڈیمس کا خاندان: مناندر (House of Euthydemus: Menander)

یوتھی ڈیمس کے وارثوں یاجانشینوں میں اگاتھاکلیز، پینسلین اور اینٹی میکس کے نام قابل ذکر ہیں۔غالبااپولوڈوٹس اور مناندر بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔آخرالذکر ہندیونانی تاریخ میں سب سے زیادہ دلچسپ شخصیت ہے۔اسٹرابو کہتاہے کہ اس نے سکندر سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔اس دعوی کی تائید بلاشبہ سکوں کی اس بڑی تعداد سے ہوتی ہے جوکابل سے لے کر متھراتک اوراس سے بھی آگے مشرق کی طرف بندیلکھنڈ تک پائے گئے ہیں۔پری پلس آف دی ایریتھرین سی کے گمنام مصنف کے بیان کے مطابق مناندر کے سکے اس کے زمانے میں اپولوڈوٹس کے سکوں کے ساتھ ساتھ بیری گاز کے بازاروں میں خوب چلتے تھے۔بعض اسکالر مناندر کواس یونانی فاتح کے مماثل بتاتے ہیں جس نے اپنی افواج کو پشیامتر کے عہد حکومت میں مدھیامکا، ساکیت اور پاٹلی پتر تک پہنچادیاتھا۔مناندر بدھ مذہب کا پیرو تھااور اس کا نام ہندوستانی روایات کی بدولت آج تک زندہ ہے۔چنانچہ ملند پنہو میں اس کے بعض پیچیدہ سوالات جواس نے ناگ سین سے مذہبی پر کئے تھےآج تک محفوظ ہیں۔ایک سیامی روایت میں ہے کہ مندر نے ارھت کادرجہ حاصل کرلیاتھااس کے بعض سکوں میں بدھ مذہب کانشان یعنی دھرم چکر اور اس کے لئے دھرمکس کے لقب کا استعمال ملتاہے جواس کی بدھ مذہب سے عقیدت کا بین ثبوت ہے۔ملند پنہو میں سیالکوٹ کی راجدھانی کا بھی بڑاتفصیلی حال مندرج ہے۔جس میں بے شمار پارک، باغات،تالاب، خوب صورت عمارتیں، عمدہ عمدہ سڑکیں اور مضبوط دفاعی انتظامات موجود تھے،وہاں کی دکانوں پر بنارسی تن زیب،جواہرات اور خوش حالی ظاہر ہوتی ہے۔مناندر اپنے عدل وانصاف کے لئے مشہور تھااور پلوٹارک ہمیں بتاتاہے کی میدان جنگ میں جب اس کاانتقال ہواتواس کی رعایامیں اس بات پر جھگڑاہوگیاکہ اس کی چتاکی راکھ کون لے، جس پر وہ سب کے سب استوپ بنوانے چاہتے تھے۔سکوں میں مندر کے جانشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔مثلااسٹرابواول،اسٹرابودوم وغیرہ لیکن ان کے بارے میں ہم کوئی قطعی بات نہیں جانتے۔

2.2.2 یوکریتائڈیز کا خاندان: ہیلی آکلیز (House of Eucratides: Heliocles)

اب ہم یوکریٹائڈیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یوکریٹائڈیز اپنی فتوحات کا لطف اٹھانے کے لئے زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکا۔ ہندوستانی مہم سر کرنے کے بعد جب وہ وطن واپس لوٹ رہا تھا تو اس کے بیٹے اور شریک کار ہیلی آکلیز نے جیسا کہ جسٹن نے بیان کیا ہے، اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ 155 ق م میں پیش آیا۔ ناخلف بیٹا اپنے وحشیانہ جرم پر ذرا نادم نہ ہوا اور اس نے لاش کا دفن کفن بھی نہ ہونے دیا۔ بہر حال ٹارن پدر کشی کی اس روایت سے متفق نہیں ہے اور نہ روایت کے اس جز سے کہ ہیلی آکلیز نے باپ کی لاش کی اس طرح بے حرمتی کی وہ باختر کا آخری یونانی تاجدار تھا۔ ہیلی آکلیز کے بعد وسط ایشیا کے میدانوں سے مشکوں کا جو طوفان باختر کی زد میں آگیا۔ اس خانوادہ کے دوسرے افراد کے حالات قلم بند کرنے کی طرف جن کی حکومت افغانستان کی وادی اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں تک محدود تھی، کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ تاریخ میں ان کے نام ضرور ملتے ہیں۔

2.2.3 اینٹی اکیدس (Antiacids)

بیس نگر کے ستونی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک یعنی اینٹی اکیدس نے کاشی پتر، بھاگ بھدر کو پانچویں شنگ فرمانروا، اودرک یا آخری سے پہلے بھاگ دت کے مماثل بتایا گیا ہے۔ یہ قابل غور ہے کہ اینٹی اکیدس کو ٹکشلا کا راجہ بتایا گیا ہے اور اس کا سفیر اپنے تئیں بھاگوت یعنی وشنو کا پجاری ظاہر کرتا ہے ہندوستان میں دیگر یونانی حکمرانوں کی طرح اینٹی اکیدس کے بیشتر سکے ذولسانی ہیں۔ لیکن کچھ سکے ایسے بھی ملے ہیں جس پر صرف یونانی درج ہے۔

2.2.4 ہر میس (Hermaeus)

وادی کابل اور سرحدی علاقوں کا آخری یونانی راجہ ہر میس تھا۔ اس کی حکومت پہلی صدی عیسوی کے ربع اول میں رہی۔ وہ دشمنوں میں گھر گیا اور آخر کار کجل کدفیسس کے ماتحت بڑھتی ہوئی کشان طاقت کے مقابلہ میں اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ اندرونی جھگڑوں کے باعث یونانی حکومت ویسے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ اس لیے ان وحشی قبیلوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی۔

2.2.5 یونانی روابط کے نتائج (Effects of the Greek Connection)

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یونانیوں نے شمالی مغربی ہندوستان پر جو قبضہ کر لیا تھا اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، کیا ان غیر ملکی حکمرانوں نے ہندوستانی معاشرہ پر بعد میں کوئی اثر چھوڑ دیا وہ فوجوں کے محض اس قسم کے کمانڈر تھے کہ لوگ ان سے خوف زدہ تو ہو سکتے تھے لیکن ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کے مختلف لوگوں نے مختلف نوعیت کے جوابات دیے ہیں۔ بعض کے نزدیک ہندوستان یونانی تہذیب کا مرہون منت ہے۔ بعض اس کے قطعا منکر ہیں۔ لیکن حقیقت جیسا کہ اس قسم کے معاملوں میں اکثر ہوتا ہے، ان دونوں حدوں کے درمیان میں کہیں ہے۔ یونانیوں کا پہلی بار ہندوستان سے سابقہ اس وقت پڑا جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، اس کے ارادے کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ انیس مہینہ کے مسلسل جنگ وجدال کے درمیان نہ وہ یونانی تہذیب کے علم بردار کی حیثیت سے

کوئی کام کر سکا اور نہ ہندو سماج کی روش میں کوئی خاص دلچسپی پیدا کر سکا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی بغاوت نے جو سکندر کی ناوقت موت کے فوراً بعد رونما ہوئی، یونانی فتح کے رہے سہے نشانات بھی مٹا دیئے۔ اس کے بعد تقریباً 306ق۔م میں سلیوکس نائیکیٹر کے وارد ہوا۔ لیکن اسے بھی یونانی کلچر کی تخم ریزی کا موقع نہ مل سکا۔ اس کی فوجوں کو چندر گپت موریہ نے سرحد پر ہی روک دیا اور وہ چار صوبے جن میں موجود بلوچستان اور جنوبی افغانستان شامل تھے، چندر گپت موریہ کے دربار میں یونانی اثرات کا شائبہ نہیں تھا۔ اس کی بابت نہ میگھستھنیز نے کوئی بات لکھی نہ کوٹلیہ نے۔ اس کے بعد ہندوستان سو سال تک یونانی حملوں کے خطرہ سے محفوظ رہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ پنجاب اور ملحقہ علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہوگئی جو ڈیڑھ سو سال باقی رہی۔ بہر حال یہ بات تعجب خیز ہے کہ یونانی تہذیب کے اثرات یہاں بھی بالکل برائے نام دکھائی دیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں نے سکوں کے معاملے میں یونانیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کی آمد سے پہلے بھدے قسم کے ٹھپہ والے سکے ہندوستان میں چلتے تھے۔ یونانیوں نے عمدہ شکل وصورت کے مہر دار سکوں کا باقاعدہ استعمال یہاں جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے یونانی لفظ ڈرکم کو بھی اختیار کر لیا اور اس کا نام درم رکھ لیا۔ مزید برآں، سکوں پر جو یونانی الفاظ کندہ ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندی یونانی مقبوضات میں یونانی زبان سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اس خیال کی تائید دستیاب شواہد واسناد سے نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف سکوں پر ہندوستانی روایات اور کھروشٹھی کے استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر ہندوستانی عوام یونانی زبان میں کوئی کتبہ اب تک ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوا۔

اس کے بعد ادب کو لے لیجئے۔ سینٹ کرسٹم کہتا ہے کہ ہندوستانی ہومر کی نظمیں گاتے ہیں اور انھوں نے اپنی زبان اور اپنے مخصوص اسلوب میں ان کا ترجمہ کر لیا ہے۔ اس کی تائید مزید پلوٹارک کے بیانات سے ہوتی ہے، لیکن سوائے اس کے کئی یونانی اور ہندوستانی روایات میں خفیف سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان دعوؤں کی کوئی خاص بنیاد نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، رمائن کا اصل موضوع الیڈ کی کہانی سے حیرت انگیز مماثلت رکھتا ہے۔ اسی طرح، اگرچہ ممکن ہے کہ یونانی ناٹک سا کل اور دوسرے یونانی مرکزوں میں کھیلے جاتے ہیں، لیکن اس دعوے کے ثبوت میں دراصل ہمارے پاس کوئی محکم شہادت نہیں ہے کہ ہندوستانی ڈراما یونانی ڈرامے سے متاثر ہے۔ یونیکا کی اصطلاح یونانی بناوٹ کے پردے کو ظاہر کرتی ہے، نیز دوسری باتوں میں جو یکسانی پائی جاتی ہے وہ بھی بلاشبہ اکثر وبیشتر محض اتفاقی اور ہنگامی ہے۔

ہیئت کے میدان میں اہل ہند یقیناً یونانیوں کے مرہون منت ہیں۔ گارگی سنہتا میں لکھا ہے کہ یون گرچہ وحشی اور جاہل لوگ ہیں، پھر بھی علم ہیئت کے وہ بانی ہیں اور اس جہت سے دیوتاؤں کی مثل ان کی عزت کرنی چاہئے۔ ہندوستانی ہیئت میں آج تک بہت سی یونانی اصطلاحیں مستعمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رومک اور پولس ستعانت یونانی اثرات کی بہت واضح طور پر نشان دہی کرتی ہیں جہاں تک جیوتش کا تعلق ہے، ہندوستانی بے شک اس کا علم رکھتے تھے، لیکن کہتے ہیں کہ ستاروں کے ذریعہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنے کا فن انھوں نے اہل بابل سے سیکھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ ان ہندی یونانیوں نے ہندوستان کے فن اور طرز تعمیر کی ترقی پر کس حد تک اثر ڈالا۔ ڈمٹریس اور مناندر کے

زمانے کا ایک بھی قابل ذکر مجسمہ دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن بعد کے زمانے کا گندھارا مکتبہ فن جس نے پتھر پر بدھا کی زندگی کے مناظر کندہ کئے ہیں، بے شک یونانی سنگ تراشی کے فیضان کا نتیجہ ہے۔اسی طرح بجز ٹکسیلا کے چند مکانوں کی غیر مزین دیواروں کے ہندوستان میں کوئی یونانی عمارت دیکھنے میں نہیں آئی۔ان کے ایونی ستون اور قدیم دیواری حاشیے پہلی صدی ق۔م کے ربع اول کی یادگار ہیں۔ان تمام فنون میں جن میں آرائش کو دخل تھا،یونانی طرز کو زیادہ وقیع سمجھا جاتا تھا۔بعد ازاں ہندوستان کی فنی خصوصیات شامل کر کے اس میں تبدیلیاں کر لی گئیں۔

دو تہذیبوں کے باہمی ربط نے تجارت کو فروغ دیا اور اس کے بعد خیالات کے بہاؤ کا ایک ایسا لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتائج مختلف شعبوں میں بڑے دوررس ثابت ہوئے۔اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ ہیلی اوڈرس نے ویشنومت قبول کر لیا تھا اور مناندر اور سوات کے ظرفی کتبہ والے تھیوڈورس نے بدھ مت۔ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی رفتہ رفتہ ہندوستانی عقائد کے سامنے سر تسلیم خم کر رہے تھے۔چنانچہ جب فوجوں کا زور شور مدھم ہوا تو ہندوستان ایک بار پھر غور و فکر میں ڈوب گیا۔اس انداز سے کہ اس نے آہستہ آہستہ اپنے فوجی آقاؤں کو اپنا اخلاقی اور روحانی غلام بنا لیا۔یونانیوں کو ہندوستانی بنانے میں کسی حد تک آپس کی شادیوں کو بھی دخل تھا۔

2.3 شک (The Shakas)

شک قوم مغربی ہندوستان آئی اور سندھ اور سوراشٹر پر قابض ہوئی۔بالآخر یہ لوگ کاٹھیاواڑ اور مالوہ میں بس گئے۔یہ اکثر ساتواہنوں سے نبرد آزما رہتے تھے۔ان کا مشہور راجہ رودرادمن ہوا جس نے ساتواہنوں کے اقتدار کو نرمدا کے شمال میں بڑھنے سے روک دیا۔وہ کوشش کے باوجود شمال کی جانب پیش قدمی نہیں کر سکے کیوں کہ ادھر کشان راجاؤں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔

2.3.1 شکوں کی ہجرت (Migration of the Shakas)

تقریباً 165۔160ق۔م تک وسط ایشیا میں خانہ بدوش قبیلوں کی آمد و رفت کا بڑا زور رہا۔شمالی مغربی چین سے یوہچیوں کو بے دخل کیا گیا اور وہ مغرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اپنی سیاحت کے دوران ان کی مڈبھیڑ شک قبیلوں سے ہوئی جو سیر دریا کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔آخر الذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ 140 اور 120ق۔م کے درمیانی دور میں باختر سے ہوئی جو سیر دریا کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔آخر الذکر قبیلوں کو جب جنوب کی طرف دھکیل دیا گیا تو وہ 140 اور 120ق۔م کے درمیانی دور میں باختر اور پارتھی ریاست پر ٹوٹ پڑے۔باختر کا حکمراں بیرونی لڑائیوں اور اندرونی ہنگاموں کے باعث کمزور تو ہو چکا تھا ان قبائل کے حملوں کی تاب نہ لا سکا۔پھر شک قبیلے نے جنوب و مغرب پر دباؤ ڈالا اور ان کا مقابلہ 128ق م میں جب پارتھیا سے ہوا تو اس میں فراٹیز دوم کام آگیا اور کچھ سال بعد 123ق م میں ارٹابنیس اول بھی مارا گیا۔متھرڈیٹیز دوم نے، بہر حال پارتھی حکومت کو بہت کچھ سنبھالنے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شکوں کا رخ خود بخود مشرق کی طرف مڑ گیا۔وادئی کابل میں پہنچ کر جہاں باقی ماندہ یونانی حکومت کا مثلث نما ٹکڑا واقع تھا،جب ان کے توسیع کے ارادوں میں روکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ اس علاقے میں پھیل گئے۔جس کا نام بعد میں سیستان رکھا گیا۔اس کے کچھ عرصے بعد وہ

قندھار اور بلوچستان کے ذریعہ سندھ کے جنوبی علاقہ میں پہنچ گئے جسے بعد میں ہندو مصنفین نے شک دویپ کہا اور یونانی جغرافیہ دانوں نے انڈوسیتھیا۔ اسی بنیادی مرکز سے شکوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں بستیاں بسائیں۔

2.4 پارتھیائی/پہلو (The Partians/ Pahlavas)

2.4.1 وونونیز اول (Vonones–I)

ہندی پارتھیوں یا پہلووں کی تاریخ ابھی تک تاریکی میں ہے، البتہ سکوں اور کتبوں سے جستہ جستہ واقعات کہیں کہیں معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ جس کے متعلق ہم جانتے ہیں وونونیز تھا، جس نے اراکوشیا اور سیستان میں حکومت قائم کی تھی اور شہنشاہ اعظم کا لقب اختیار کر لیا تھا اس کے سکوں میں جن کی ہیئت یوکریٹائڈیز کے سکوں جیسی تھی وونونیز کے ساتھ اس کے بھائی اسپیلاہوریز اور بھتیجا اسپیلیگاڈ میز شریک نظر آتے ہیں۔ غالباً مفتوحہ علاقوں میں یہ سب اس کے نائب سلطنت تھے۔

2.4.2 اسپیلرائسوز (Spalirisos)

وونونیز کے بعد اسپیلرائسوز تخت نشین ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایزئس دوم اس کے ماتحت تھا۔ کیونکہ بعض سکوں پر سیدھی طرف یونانی زبان میں اسپیلرائسوز کا نام ہے اور الٹے رخ پر کھروسٹھی رسم خط میں ایزئیس کا۔ ان میں سے ایک پاکوایز نامی مغربی پنجاب اور جنوبی افغانستان پر قابض تھا لیکن کشتوں کے حملہ نے اس خاندان کی رہی سہی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔

2.5 کشان (The Kushanas)

کشان لوگ دراصل چینی ترکستان کے باشندے تھے۔ وہ پہلی صدی عیسوی میں افغانستان آئے اور ہند یونانیوں، شکوں اور پارتھین لوگوں کو نکالنے کے بعد بالآخر انھوں نے پشاور اور ٹکشیلا میں اپنا دارالسلطنت قائم کیا۔ بعد میں انھوں نے پنجاب کے پورے میدان کو فتح کیا اور رفتہ رفتہ ان کا اقتدار مغربی گنگا کے میدان تک پھیل گیا۔ ان کی سلطنت کے جنوبی حصہ میں متھرا ایک اہم مرکز تھا۔ یہ سلطنت ولایتوں یا صوبوں میں تقسیم تھی اور ہر صوبہ کا انتظام ایک صوبہ دار یا گورنر سنبھالتا تھا۔ کنشک نام کے ایک کشان راجہ نے اپنی سلطنت کو مضبوط بنانے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔

وہ ایک فاتح اور بدھ مت کا سرپرست تھا۔ اس میں چندر گپت موریہ کی فوجی صلاحیت اور اشوک کے مذھبی جوش کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ کنشک کے بارے میں ھماری معلومات بہر حال بہت ناقص ہے اور اس کے عہد کی ترتیب وار تاریخ بدقسمتی سے اب تک ہمارے لئے ایک معمہ بنی ہوئی ہے یہ ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ ویم کدفیسیز سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ کنشک نے ایک سمبت کی شروعات کی جو 78ء سے شروع ہوتا ہے اس کے جانشینوں نے بھی اسی سمبت کو جاری رکھا۔

2.5.1 فتوحات (Conquests)

کنشک ایک بڑا رعب و دبدبہ والا جنگ آزمودہ سپاہی تھا اور میدان جنگ میں اسے بہت سی کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں۔ اس نے کشمیر کشان سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ دلفریب وادی اسے بیحد پسند تھی۔ چینی اور تبتی کتابوں میں جو روایات آج تک محفوظ ہیں اگر ان کا ذرا بھی اعتبار کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کی کنشک کی فوجیں ساکیت اور مگدھ تک پہنچ گئیں تھیں جہاں سے وہ اپنے ساتھ مشہور و معروف بدھ بھکشو کو لایا جس کا نام آشوگھوش تھا۔ کنشک نے پارتھی بادشاہ کے حملہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ دفع کیا۔ لیکن چینیوں سے اس کی زبردست ٹکریں ہوئیں ۔جن کے نتیجہ میں کاشغر، یارقند اور ختن اس کے ہاتھ آئے، لیکن نصف صدی بعد چینیوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور پاؤ چاؤ نامی سپہ سالار کی ماتحتی میں استقلال کے ساتھ مغرب کی جانب بڑھنا شروع کیا، کشان بادشاہ کے لئے یہ تشویشناک بات تھی۔ چنانچہ چینی بادشاہ سے برابری جتانے کے لئے اس نے ایک چینی شہزادی کو شادی کا پیغام بھیجا اور دیو پتر کا لقب اختیار کر لیا۔ پان چاؤ نے شادی کے اس پیغام کو اپنے بادشاہ کے لئے باعث ہتک سمجھا اور کشان سفیر کو قید کر لیا۔ اس کے بعد کنشک نے اس کا مقابلہ کرنے کی غرض سے پامیر کو پار کیا۔ اس مقابلہ میں اسے شکست ہوگئی، اس لئے اس نے چینی بادشاہ کو خراج دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ لیکن چند سال بعد ہی کنشک نے پامیر کے اس پار ایک اور مہم کی قیادت کی۔ اس بار پان ینگ کے مقابلہ میں جو پان چاؤ کا بیٹا تھا اسے فتح نصیب ہوئی۔ کشان حکمران نے اس طرح اپنی سابقہ شکست کی تلافی کر لی اور چین کی ایک باجگذار ریاست کو یرغمال ہونے پر مجبور کر دیا۔

کنشک کا مجسمہ، متھرا اسکول، متھرا میوزیم

2.5.2 کنشک کی سلطنت کی حدود (Extent of Kanishka's Empire)

کنشک نے ایک وسیع و عریض سلطنت پر حکمرانی کی۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت میں افغانستان، باختر، کاشغر، ختن اور یارقند شامل تھے۔ ہندوستان سے باہر اس کی سلطنت کے حدود کا قطعیت کے ساتھ تعین کرنا ذرا مشکل ہے۔ کنشک کے عہد حکومت کے کتبے

پشاور، راولپنڈی، سوئی وہار، متھرا سراوستی کو سمبی، اور سارناتھ میں دستیاب ہوئے ہیں اور اس کے سکے بہار اور بنگال کو شامل کر کے تمام شمالی ہندوستان میں پائے گئے ہین چنانچہ ان تمام مقامات کی دریافت سے نیز فتوحات کی روایات سے، ظاہر ہوتا ہے کہ کنشک کے ہندوستانی مقبوضات میں پنجاب، کشمیر، سندھ، اترپردیش اور شاید اس سے بھی آگے مشرق اور جنوب کے علاقے شامل تھے۔

2.5.3 دارالسلطنت (Capital)

ان تمام دور دراز مقبوضات کا دارالسلطنت پشاور تھا۔ یہاں سے اس شاہراہ پر اس کا قبضہ تھا جو افغانستان سے سندھ کے میدانوں تک جاتی تھی اور اس وجہ سے اس کی اہمیت فوجی نقطہ نظر سے بھی بہت زیادہ تھی۔

2.5.4 کنشک کا مجسمہ (The Statue of Kanishka)

متھرا میں کنشک کا ایک مجسمہ ملا ہے جس سے وہ گٹھیلے بدن کا انسان معلوم ہوتا ہے وہ مذھبا بودھ تھا۔ اس نے بودھ وہار بنانے کے لئے رقمیں دیں۔ وہ اس زمانہ میں عام مذہبی مناظروں سے دلچسپی رکھتا۔ اس کے زمانہ میں چوتھی بودھ مہاسنگت کا اجلاس ہوا۔ پیشتر کی سنگتوں کی طرح اس سنگت میں بھی بودھ تعلیمات کے سلسلہ میں بہت سے فیصلے کئے گئے۔

2.5.5 افکار کا تبادلہ (Exchange of Ideas)

ان سب کے نتیجہ میں ہندوستانی زندگی کے بہت سے شعبوں میں مذہب، علم اور فن سے متعلق بہت سے نئے خیالات داخل ہوئے اور بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ہندوستان کا ایران اور مغربی ایشیا سے قریب تر تعلق قائم ہوا۔ تجارت کے ذریعہ شمالی ہند کے تعلقات وسطی ایشیا کے کونے کونے سے قائم ہوئے۔ ہندوستان کا مال بحر روم کے شہروں اور بندرگاہوں تک پہنچتا تھا۔ اگرچہ اسکندریہ (مصر میں دریائے نیل کے دہانہ پر واقع سمندری بندرگاہ) ہندوستان سے بہت دور تھا لیکن اس کے باوجود اسکندریہ کی بندرگاہ سے ہندوستان کی تجارت بڑھ گئی۔ اسی تجارت کی وجہ سے تکشیلا، متھرا اور اجینی جیسے شہروں کی اہمیت بڑھی تھی۔

2.5.6 آرٹ (Art)

مغربی ایشیا سے تعلق کے نتیجہ میں یونانی مجسمے شمالی ہند کے شہروں تک پہنچے۔ یہ مجسمے یونانی دیوتاؤں اور بحر روم کے گرد بسنے والے لوگوں کے دیوتاؤں اور بحر روم کے گرد بسنے والے لوگوں کے دیوتاؤں کے ہوتے تھے۔ گندھار میں کام کرنے والے ہندوستانی فن کاروں نے مجسمہ سازی کی اسی نئی طرز میں دلچسپی لی اور اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ بدھ کے مجسمے اور بدھ کی زندگی کے دوسرے مناظر یونانی طرز سے ملتے جلتے ہیں۔ اور اس طرز کے فن کو گندھار آرٹ یا گندھارا اسکول کہتے ہیں۔ اس نمونہ کا آرٹ نہ صرف موجودہ پنجاب اور کشمیر بلکہ افغانستان میں بھی مقبول تھا، کیوں کہ گندھار آرٹ کے زیادہ تر باقیات وہیں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ متھرا کے ہندوستانی مجسمہ سازوں نے ایک نئے طرز کی تخلیق کی جو یونانیوں کی نقل نہ ہوتے ہوئے اپنے مواد میں بودھ تھا۔ اسے متھرا آرٹ یا فن کا متھرا اسکول کہتے ہیں۔

2.5.7 مذہب (Religion)

یہ مجسمے تنہا بدھ کے نہیں بلکہ دوسری مقدس ہستیوں کے بھی ہوتے تھے۔ جو بودھی ستوا کہلاتے تھے اور جن کا بودھ بہت احترام کرتے تھے۔ بودھی ستوا وہ بزرگ ہیں جنھوں نے بدھ سے پہلے اس دنیا میں جنم لیا۔ ان بودھی ستوؤں کے بارے میں بہت سے قصے جاتک کہانیوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس وقت تک بدھ مت بہت کچھ بدل چکا تھا اب وہ کوئی سیدھا سادا مذہب نہیں رہا تھا جس کی بدھ نے تبلیغ کی۔ بلکہ وہ دو بڑے فرقوں یعنی مہایان اور ہین یان میں تقسیم ہو گیا۔ مہایان فرقہ میں بہت ساری رسوم اور تقریبات پائی جاتی تھیں اور بدھ سنتوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے بھکشو بڑے طاقت ور ہو گئے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اب بھی ایسے موجود تھے جو اس طرز کے بدھ مت کو نہیں مانتے تھے۔ یہ لوگ ہین یان بودھ کہلائے۔ مہایان بودھوں نے اپنے مبلغ چین بھیجے جو چین جانے والے ہندوستانی سوداگروں کے ساتھ وہاں جاتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں بدھ مت جلد ہی سارے وسط ایشیا اور چین میں پھیل گیا۔

گوتم بدھ حالت قیام میں، گندھارا اسکول، کشان عہد، ٹوکیو نیشنل میوزیم (وکیپیڈیا)

مغربی ایشیا سے ہندوستان کے تعلقات کا ایک اور اہم نتیجہ نکلا۔ ہندوستانی جیوتشوں نے اپنی معلومات کا مقابلہ یونانی معلومات سے کیا جس سے ہندوستان میں ستاروں کے مطالعہ کی بڑی ترقی ہوئی۔ سائنسی تحقیق کے لئے یہ علم بہت مفید تھا اگرچہ بعد میں اس کو قسمت کی پیشین

گوئی کے لئے بے جا طور پر استعمال کیا گیا۔ جیسا کہ شترت اور چرک کے کاموں سے ظاہر ہے۔ علم طب نے بھی کافی ترقی کی۔ جراحی کے میدان میں بھی کام ہوئے۔ فلکیات، طب اور ریاضی وہ میدان تھے جن میں ہندوستانی محققوں نے قابل قدر اضافے کئے۔

2.5.8 کشان سلطنت کا زوال (Decline of the Kushana Empire)

کشان خاندان کا زوال واسودیو ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا۔ جس سلطنت کو کنشک نے اپنی قابلیت سے پرورش کیا تھا اس کا شیرازہ بہت جلد بکھر گیا۔ اس کے حصے بخرے ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے ماتحت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان میں سے بعض راجاؤں کا نام واسودیو تھا۔ یہ نام ہمیں سکوں سے معلوم ہوئے ہیں جن پر عمودی شکل میں ان کے ابتدائی حروف یا طغرے کندہ ہیں۔ ڈاکٹر ونسٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں شمالی ہند کے کشان سکوں کا فارسی روپ ظاہر کرتا ہے کہ فارسی حملوں کے باعث کشان سلطنت کے زوال کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ ان میں سے ایک حملہ کا ذکر جو ساسانی بادشاہ نے کیا تھا فرشتہ نے بھی کیا ہے۔ کشان سرداروں کی تباہی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ ناگ اور دوسرے دیسی خاندان ابھرنے لگے جنھیں زیر کر کے گپت راجاؤں نے شمالی ہندوستان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی۔ لیکن کشان خاندان کی کیدار نامی شاخ نے جو ریاست وادی کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ میں قائم کر لی تھی اس کے نشانات ہونوں کے پانچویں صدی عیسوی میں شدید حملوں کے باوجود نویں صدی عیسوی تک باقی رہے۔

2.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

---

250 ق۔م کے قریب ہندوکش کے شمال میں سکندر اعظم کے بسائے ہوئے یونانی علاقے خود مختار ہو گئے اور اسی طرح باختر کی مملکت وجود میں آئی، اس کا دارالسلطنت بلخ تھا۔ باختر کے بادشاہوں نے دوسری صدی ق م کے شروع میں شمال مغربی ہندوستان پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد مالوہ اور مگدھ کی طرف پیش قدمی کرنی چاہی، مگر مملکت کے اندرونی فساد نے ان کو اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اسی فساد کی وجہ سے ان کی مملکت کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک کا مرکز بلخ رہا اور دوسری کا سیالکوٹ ہو گیا۔ اس مشرقی مملکت کا سب سے مشہور بادشاہ مینانڈر تھا۔ اسی دوران میں ایران کی پارتھی سلطنت ترقی کر رہی تھی۔ پارتھی بادشاہ مشرق میں یونانیوں سے اور شمال میں خانہ بدوش شک قبیلوں سے برابر لڑتے رہے اور مغربی ہندوستان پر لشکر کشی کر کے انھوں نے سندھ کو فتح کیا۔ 135ق م میں شک قبیلوں نے باختر کی یونانی مملکت کا خاتمہ کر دیا اور پھر افغانستان بلوچستان اور سندھ پر قبضہ کر لیا۔ پہلے شک سردار پارتھی بادشاہون کے صوبہ داروں کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے، بعد میں خود مختار ہو گئے۔ شمال مغربی ہند کے یونانی ان کا مقابلہ نہ کر سکے اور 58 ق م میں شک سردار آزیس اول شمال مغربی پنجاب کا بادشاہ ہو گیا۔ متھرا اور اجین ایک عرصے تک حکمرانوں کے مرکز رہے۔ شک کوشش کے باوجود شمال کی جانب پیش قدمی نہ کر سکے کیونکہ ادھر کشان راجاؤں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔

کشان لوگ در اصل چینی ترکستان کے باشندے تھے۔ وہ پہلی صدی عیسوی میں افغانستان آئے اور ہندو یونانیون، شکوں اور پارتھین لوگوں کو نکالنے کے بعد بالآخر انھوں نے پشاور اور ٹکشیلا میں اپنی راجدھانی بنائی۔ کشان خاندان کے سب سے مشہور راجہ نے

وسطی ایشیا کے دور دراز علاقوں تک لشکر کشی کی تھی۔اسی لئے اسے بڑا طاقت ور راجہ مانا جاتا تھا۔کشان کی فوج نے وسط ایشیا میں ہون سلطنت کی چینی فوج سے بھی ٹکر لی تھی۔ کنشک بودھ تھا اس نے بودھ مذہب کی ترویج کے لئے بڑی کوشش کی تھی۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ چوتھی بودھ مہاسنگت اسی کے عہد میں منعقد ہوئی تھی۔اسی کے زمانے میں ہمہ جہت ترقی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ کنشک کے سکوں پر جو القابات ملتے ہیں ان سے اس کی سلطنت کی وسعت اور تہذیبی نوعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اپنی ایرانی رعایا کے لئے وہ شان آن شاؤ (شاہ شاہان) تھا،یونانی محکوموں کے لئے باسی لے ئس (بادشاہ)ہندوستانیوں کے لئے (دیوپتر)جواشوک کے لقب دیوتاؤں کے پیارے اور چینی شہنشاہوں کے لقب آسمان کے بیٹے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ رومیوں کو معلوم ہو جائے کہ مشرقی دنیا میں اس کا سا کوئی نہیں اس نے کائی سر (قیصر)کا لقب بھی اختیار کیا۔

2.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

شان آن شاؤ	:	شاہ شاہان یا شہنشاہ۔
ہین یان	:	بدھ مت کا وہ فرقہ جو قدیم طرز کی پرستش کا قائل تھا۔
اسکندریہ	:	مصر میں دریائے نیل کے دہانہ پر واقع سمندری بندرگاہ
ڈرا کم یا دراچم	:	یونانی سکہ جسے ہندوستان میں درم کا نام دیا گیا۔

2.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مینا ندر کون تھا؟
2. ہند یونانی کہاں کے رہنے والے تھے؟
3. ردردمن کون تھا؟
4. ردردمن کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟
5. شک قوم کہاں آباد تھی؟
6. پہلو (پارتھی) کون تھے؟
7. کشان کا دارالسلطنت کیا تھا؟
8. کشان کا آخری بادشاہ کون تھا؟
9. شک سمبت کس نے جاری کیا؟
10. کنشک کا مجسمہ کہاں ملا تھا؟

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

2.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ہندیونانیوں پر ایک نوٹ لکھئے۔
2. شک کے بارے میں روشنی ڈالئے۔
3. پہلو (پارتھی) کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
4. کشان کے بارے میں کچھ روشنی ڈالئے۔
5. کنشک کی فتوحات پر ایک نوٹ لکھئے۔

2.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہندیونانیوں پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔
2. شک اور پہلو (پارتھی) پر ایک تنقیدی تبصرہ کیجیے۔
3. کنشک کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Chakravarti, Ranabir, *Exploring Early India*, MacMillan, Delhi, 2013.
2. Chattopadhyay, Bhaskar, *The Age of the Kushanas*: *A Numismatic Study*, Punthi Pustak, Calcutta, 1967.
3. Keay, John, *India*: *A History from the Earliest Civilisations to the Boom of the Twenty-First Century*, Harper Press, London, 2010.
4. Nilakanta Sastri, K.A., *A Comprehensive History of India: Vol. II*, People's Pub. House, New Delhi, 1987.
5. Puri, B.N., *India Under the Kushanas*, Bharatiya Vidya Bhavan, Bombay, 1965.
6. Raychaudhuri, Hemchandra, *Political History of Ancient India*, 1973.
7. Sarasi Kumar, S., *A Survey of Indian Sculpture*, Munshiram Manoharlal Publishers, New Delhi, 1975.
8. Sharma, R.S., *India's Ancient Past*, Oxford University Press, New Delhi, 2019.
9. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century AD*, Pearson, Noida, 2009.
10. Smith, Vincent A., *The Early History of India*, Elite Agencies, 2017.
11. Thapar, Romila, *The Penguin History of Early India: From the Origins to 1300 AD*, Penguin Books, New Delhi, 2015.
12. اے۔ایل۔ باشم/مترجم ایس غلام سمنانی، ہندوستان کا شاندار ماضی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
13. ڈی۔ڈی۔ کوشامبی/مترجم بال مکند ملسیانی، قدیم ہندوستان کی تہذیب وثقافت تاریخی پس منظر میں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
14. محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 3۔ شمالی ہندوستان پر سماجی اور معاشی اثرات

(Socio-Economic and Cultural Impact on North India)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 سیاسی اثرات
3.3 معاشی اثرات
3.3.1 زراعت
3.3.2 تجارت اور کاروبار
3.4 سماجی اور مذہبی اثرات
3.4.1 ہندوستانی سماج میں نئے گروہ
3.4.2 مذہبی ارتقا
3.4.3 مہایان بدھ مت
3.5 ثقافتی اثرات
3.5.1 فن تعمیر اور ظروف سازی
3.5.2 گندھارا اور متھرا مکاتب فن
3.5.3 ادبی سرپرستی
3.5.4 سائنسی اور تکنیکی ارتقاء
3.6 اکتسابی نتائج
3.7 کلیدی الفاظ
3.8 نمونہ امتحانی سوالات
3.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید (Introduction)

اس کتاب کی پچھلی اکائیوں میں آپ نے موریہ سلطنت کے زوال کے بعد قائم ہونے والی متعدد ریاستوں کے بارے میں پڑھا، جہاں آپ کو مقامی شنگوں اور کنووں اور غیر ملکی ہند یونانیوں، شکوں، پارتھیائیوں اور کشانوں کے نظام ریاست اور سیاست اور سماج کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔اس اکائی میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان حکومتوں کے قیام سے شمالی ہند پر کیا سماجی-معاشی اور ثقافتی اثرات مرتب ہوئے۔ تقریباً200ق۔م سے شروع ہونے والے زمانے میں جو سلطنتیں قائم ہوئیں وہ موریہ سلطنت کی طرح بڑی اور عظیم الشان نہیں تھیں، لیکن ان کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ وسط ایشیاء اور ہندوستان کے درمیان تعلق اور رابطے کی بنیاد اسی دور میں پڑی۔ مشرقی اور وسطی ہند اور دکن میں موریاؤں کی جگہ پر کئی مقامی حکومتیں قائم ہو گئیں مثلاً شنگ، کنو اور ستواہن حکومتیں۔اسی طرح شمال مغربی ہندوستان میں موریاؤں کی جگہ کئی ایسے شاہی خاندانوں نے اپنی حکومت قائم کی جو وسط ایشیا، یونان وغیرہ سے آئے تھے اور غیر ملکی تھے۔

موریہ سلطنت کے زوال کا ایک فوری اثر جو دیکھنے کو ملا وہ یہ تھا کہ پورے شمالی ہند پر کسی ایک حکمراں کا اختیار نہیں تھا۔ موریہ دور کی افسر شاہی بھی اب گزرے ہوئے زمانے کی چیز تھی۔ متعدد ریاستیں جو موریہ سلطنت کے بعد قائم ہوئیں وہ اپنے وجود کے لیے اپنے ہمسایوں سے جد وجہد میں مصروف رہتی تھیں۔ اشوک کی دھم پالیسی کو قطعی طور پر درکنار کر کے ہر طرف فتوحات اور جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ شنگ خاندان کے بانی پشیہ متر شنگ نے تو باقاعدہ اشومیدھ یگیہ کروایا جس میں سینکڑوں اور ہزاروں جانوروں کی قربانی دی گئی۔ ویدی مذہب جو بدھ مت اور جین مت کے مقبول ہونے کی وجہ سے ایک گوشے میں جا پڑا تھا، اب وہاں سے نکل کر نئی شکل یعنی برہمنی مذہب کے طور پر سامنے آیا۔ برہمن مذہب نے بدھ اور جین مذہب کی بہت سی خصوصیات اپنے اندر جذب کر لیں اور ادھر بدھ مذہب اپنی ابتدائی صورت کو برقرار نہیں رکھ سکا۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- مابعد موریہ دور میں ہندوستانی سیاسی نظام میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لے سکیں گے۔
- اس دور میں معیشت پر پڑنے والے اثرات اور زراعت اور کاروبار میں اضافے کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- سماجی اور مذہبی میدانوں میں نئی تبدیلیوں کا مشاہدہ کر سکیں گے۔
- ہندوستانی سماج میں نئے گروہوں کی شمولیت اور ان کے ذریعے مذہبی سرپرستی کا جائزہ لے سکیں گے۔
- برہمنی مذہب اور مہایان بدھ مت کے عروج وارتقا پر روشنی ڈال سکیں گے۔
- فنون لطیفہ، فن تعمیر، ظروف سازی، ادب اور سائنس کے ارتقا کا تجزیہ کر سکیں گے۔

3.2 سیاسی اثرات (Political Impacts)

3.2.1 نئے سیاسی رجحانات (New Political Trends)

موریہ سلطنت کے زوال کے بعد مگدھ اور پاٹلی پتر میں جو حکومت قائم ہوئی وہ شنگ خاندان کی تھی۔اس کی ریاستی حدود بہت محدود تھیں اور یہ صرف بہار اور اترپردیش تک سمٹ چکی تھی۔ایسا کہا جاتا ہے کہ اس کا بانی پشیہ متر شنگ آخری موریہ حکمراں برہدرتھ کا سپہ سالار تھا اور اسی کو قتل کرکے اس نے اپنی حکومت قائم کی تھی۔شنگ خاندان کے دور میں موریہ سلطنت جیسی مرکزیت قائم نہیں رہی اور مقامی افسران کافی حد تک خود مختار ہو چلے تھے۔شمال مغرب سے بڑھتے حملوں سے بھی شنگ حکومت کو دھکا لگا، یہاں تک کہ غیر ملکی فاتحین متھرا تک کے علاقے پر چھاپے مارنے لگے اور بالآخر کشان دور میں متھرا کشان سلطنت کا حصہ بن گیا۔پشیہ متر شنگ نے برہمنی روایت کو زندہ کیا اور اشومیدھ یگیہ کروایا۔اس کے دور میں بدھ مذہب کی شاہی حیثیت میں تبدیلی آئی اور اس کی سرپرستی کم ہونے لگی۔نئے برہمنی نظام میں پچھلے دور سے کہیں زیادہ شدت آچکی تھی کیونکہ اس دور میں ورن سنکر (ورنوں کا ایک دوسرے میں شادی بیاہ کے ذریعے مل جانا) میں اضافہ ہوا تھا۔

ہندوستان میں اسی دور میں سامنت واد کے بیج بوئے گئے۔اور اس کی شروعات غیر ملکی فاتحین کے ذریعے ہوئی جسے آئندہ دور میں بیحد فروغ ملا۔شہر کاری، تجارت اور کاروبار میں اضافے کے باوجود زمینوں کی قیمت میں اضافہ ہوا اور زمینی عطیات کا رواج شروع ہوا۔حالانکہ اس دور میں یہ صرف برہمن طبقے کو ہی دیے جاتے تھے۔گپت عہد سے پہلے کسی افسر یا ماتحت حکمراں کو زمینی عطیے کا کوئی ٹھوس ثبوت ہمارے علم میں نہیں ہے۔

وسط ایشیا سے آنے والے متعدد گروہوں نے ہندوستان کے شمال مغرب میں اپنی ریاستیں قائم کیں اور بہت سے معمولی حیثیت کے مقامی راجاؤں کو اپنا ماتحت بنالیا اور اس طرح ایک نیم جاگیر دارانہ نظام (semi-feudal) وجود میں آیا۔ان میں ہند یونانی، پارتھیائی، شک اور کشان حکمراں شامل تھے۔ان میں سب سے عظیم حکومت کنشک کے وقت کشان حکمرانوں کی تھی۔کشان حکمرانوں نے اپنے لیے 'شاہ شاہان' یا راجادھیراج جیسا شاندار القاب اختیار کیے تھے جس سے بہت سے چھوٹے چھوٹے راجاؤں پر ان کی برتری اور اختیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ شکوں اور کشانوں نے بادشاہت کے الوہی تصور (divine kingship) کو فروغ دیا یعنی ایسا تصور جس کا تعلق روحانی قوت سے ہو۔ کشان راجاؤں کو خدا کا بیٹا کہا جاتا تھا کشانوں نے یہ لقب چینیوں سے اختیار کیا تھا جو اپنے راجاؤں کو آسمان کا بیٹا کہتے تھے۔ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس لقب کا استعمال شاہی اختیارات اور طاقت کی اہمیت کے اظہار کے لیے کیا گیا۔ہندو مذہب کے اصول بنانے والے عظیم دانشور منو نے لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر ان کا بادشاہ کوئی بچہ ہو تب بھی اس کا احترام کرنا ان پر فرض ہے کیونکہ انسان کی شکل میں وہ کوئی دیوتا ہے جو ان پر حکومت کرنے کے لیے آیا ہے۔

کشانوں نے چھترپ نظام (Kshatrapa System) کی بھی شروعات کی۔ان کی سلطنت کئی صوبوں میں منقسم تھی اور ہر صوبہ ایک صوبیدار یا گورنر کی ماتحتی میں ہوتا تھا۔کشانوں کے زمانے میں بعض عجیب و غریب طریقوں کی بھی ابتدا ہوئی مثلاً ایک ہی سلطنت

میں بیک وقت دو راجاؤں کی حکومت۔ اس طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کبھی ایک ہی وقت میں بادشاہ اور اس کا بیٹا دونوں مل جل کر حکومت کرتے تھے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ کشان دور حکومت میں مرکزیت (Centralisation) کی کمی تھی۔ ہند یونانیوں نے بھی فوجی صوبیداری کا نظام رائج کیا تھا۔ انہوں نے مختلف صوبوں میں گورنر مقرر کیے تھے جنہیں وہ اسٹرائیگوس (strigose) کہتے تھے۔ فوجی گورنروں کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ ماتحت رعایا کے اوپر نئے حکمراں کا اختیار قائم رکھیں۔

3.2.2 فوجی اصلاحات (Military Reforms)

شکوں اور کشانوں نے ہندوستانی تہذیب میں نئی خصوصیات کا اضافہ کیا اور اس کو بہت مالا مال کیا۔ وہ ترقی کرنے کی غرض سے ہندوستان میں آباد ہوئے تھے اور خود کو یہاں کی تہذیب کا حصہ بنالیا۔ چونکہ ان کے پاس کوئی رسم الخط والی زبان یا منظم مذہب نہیں تھا۔ انہوں نے یہ تہذیبی عناصر یا خصوصیات ہندوستان سے لے لیے۔ رفتہ رفتہ وہ ہندوستان کی تہذیب میں رچ بس گئے اور اس تہذیب کو آگے بڑھانے میں بھر پور ہاتھ بٹایا۔ انہوں نے بڑے پیمانے پر گھڑ سوار فوج کے استعمال کو رواج دیا۔ جیسا کہ دوسری اور تیسری صدی کے بدھ مصوری کے نمونوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ لگام اور زین کی شروعات شکوں اور کشانوں نے کی تھی۔ شک اور کشان بہت اچھے گھڑ سوار تھے بلکہ اس کے ماہر تھے۔ افغانستان میں بیگرام (Bagram) کے مقام پر کھدائی میں ملنے والے ٹیراکوٹا کے سامان پر بنی ہوئی تصویروں سے ان کے گھڑ سواری کے شوق کا ثبوت مل جاتا ہے۔ ان میں بعض گھڑ سوار ایسے بھی تھے جو ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ وہ نیزوں اور بھالوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ شاید وہ لوگ رسیوں کی بنی ہوئی کوئی رکاب بھی استعمال کرتے تھے جس سے گھوڑے پر بیٹھ کر ادھر ادھر حرکت کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ شکوں اور کشانوں نے پگڑی، ڈیل کرتے، پتلون اور بھاری لمبے کوٹ کا بھی رواج ڈالا۔

آج بھی افغان اور پنجابی لوگ پگڑی باندھتے ہیں اور شیروانی لمبے کوٹ کی ہی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ وسط ایشیا سے آنے والے لوگ اپنے ساتھ خود یعنی ٹوپی (helmet) اور بھاری جوتے (boot) بھی لائے جو سپاہیوں کے استعمال میں آتے تھے۔ ان سہولتوں اور ساز وسامان کی مدد سے وہ، ایران، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان میں اپنے مخالفوں کو پچھاڑنے میں کامیاب ہوئے۔ بعد کے زمانے میں جب ملک میں اس طرح کی فوجی تکنیک کا رواج ہو گیا تو مختلف ماتحت شہزادوں اور راجاؤں نے ان سے فائدہ اٹھا کر خود اپنے حکمرانوں کے خلاف ہی ان کا استعمال کیا جن سے وہ پہلے ہار چکے تھے۔

3.3 معاشی اثرات (Economic Impact)

3.3.1 زراعت (Agriculture)

ہندوستان میں زرعی ترقی کی رفتار مابعد موریہ دور میں دھیمی نہیں پڑی۔ مختلف نئے علاقوں میں زراعت کی توسیع ہوئی اور جنگلات کو صاف کیا گیا۔ مگدھ کی مادی تہذیب کے عناصر جیسے لوہے کے پھال والے ہل کا ستعمال، گول چھلے دار کنویں، پکی اینٹوں کے استعمال میں ترقی دیکھنے میں ملی۔ یہ بتا پانا ذرا مشکل ہے کہ موریہ دور میں کوٹلیہ کے بیان کے مطابق جو ٹیکسوں کی لمبی فہرست تھی، اس پر عمل درآمد ہوتا تھا یا نہیں

،البتہ ماتحت سامنتوں اور چھتریوں کی وجہ سے متعدد طرح کے ٹیکسوں کا اضافہ ہوا تھا۔ رودرامن کے گرنار کتبے میں جس میں جہاں ریاست کے ذریعے ایک باندھ بنائے جانے کا ذکر ہے، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ اسے بنانے کے لیے لوگوں پر کوئی نیا ٹیکس عائد نہیں کیا گیا۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ ریاست آبپاشی منصوبوں سے کس قدر منسلک تھی وہیں یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ نیا باندھ یا تالاب بنانے کے لیے کسانوں پر عموماً ٹیکس عائد کیا جاتا تھا۔

3.3.2 تجارت اور کاروبار (Trade and Commerce)

غیر ملکیوں کی آمد نے وسط ایشیا اور ہندوستان کے درمیان گہرے تعلقات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان کو وسط ایشیائی الطائی پہاڑ (Altai Mountain) سے بہت سا سونا حاصل ہوا اور ممکن ہے کہ ہندوستان کو رومی سلطنت کے ساتھ تجارت میں بھی سونا ملا ہو۔ شاہراہ ریشم (Silk Road) پر کشانوں کا پوری طرح قبضہ تھا۔ یہ عظیم شاہراہ یعنی سڑک چین سے شروع ہو کر وسط ایشیا، افغانستان، ایران میں پھیلی ہوئی کشان سلطنت سے گذرتی ہوئی مغربی ایشیا سے جا کر ملتی تھی جو مشرقی بحر روم (East Mediterranean Sea) کا ایک حصہ تھا۔ یہ شاہراہ کشانوں کے لیے آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ تاجروں پر لگائے گئے محصول کی صورت میں لی گئی رقم سے انہوں نے یہ ایک وسیع اور خوشحال سلطنت قائم کی تھی۔ یہ بات خصوصاً قابل ذکر ہے کہ کشان حکمرانوں نے پہلی بار بڑے پیمانے پر طلائی سکے یعنی سونے کے سکے ہندوستان میں رائج کیے۔

3.4 سماجی اور ثقافتی اثرات (Social and Cultural Impact)

3.4.1 ہندوستانی سماج میں نئے گروہ (New Groups in Indian Society)

یونانی، شک اور پارتھیائی، ہندوستانیوں سے گھل مل کر آخر کار اپنی شناخت کھو بیٹھے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پوری طرح ہندوستانی رنگ میں رنگ گئے۔ کیونکہ ان میں سے زیادہ تر یہاں فاتح کی حیثیت سے آئے تھے اس لیے ہندوستانی سماج کے جنگجو طبقے کا حصہ بن گئے جسے چھتری کہا جاتا تھا۔ برہمنی سماج میں ان کی شرکت اور مقبولیت کی وضاحت کچھ عجیب انداز سے کی گئی۔ مذہبی قانون ساز منو کا کہنا ہے کہ شک اور پارتھیائی ایسے چھتری ہیں جنہوں نے اپنے فرض کی راہ سے ہٹ کر اپنا درجہ کم کر لیا ہے (پتِت چھتری)۔ دوسرے الفاظ میں انہیں دوسرے درجے کا چھتری سمجھا جانے لگا۔ موریوں کے دور حکومت کے بعد ہندوستانی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر ہندوستانی سماج میں غیر ملکیوں کو داخل کیا گیا ہو۔

3.4.2 مذہبی ارتقا (Religious Development)

بعض غیر ملکیوں نے ویشنوی مذہب اختیار کر لیا جس کا مطلب ہے وشنو یعنی حفاظت اور نگہبانی کے دیوتا کی عبادت کرنا۔ ہیلوڈورس نام کے یونانی سفیر نے دوسری صدی ق۔ م کے وسط میں مدھیہ پردیش کے ودیشا (Vidisha) ضلع میں بیس نگر (Besnagar) کے مقام پر واسودیو (وشنو کا ایک روپ) کی یاد میں ایک ستون بنوایا۔ چند دوسرے حکمرانوں نے بدھ مذہب قبول کر لیا تھا۔ مشہور یونانی حکمراں

ہیلوڈورس کا بیس نگر ستونی کتبہ

قدیم ودیشا شہر میں واقع بیس نگر کتبے پر شنگ عہد کا ایک اہم کتبہ کندہ ہے۔ یہ کتبہ پراکرت زبان میں ہے (سنسکرت کے صرف ایک یا دو لفظوں کا استعمال ہوا ہے۔) اور اس کا رسم الخط براہمی ہے۔ چھ لائنوں کے اس کتبے کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جا سکتا ہے:

"دیوتاؤں کے دیوتا سودیو کے گروڑ ستون کی تعمیر تکھشلا (ٹکسلا) کے دیا (ڈیون) کے بیٹے یونانی سفیر بھاگوت ہیلوڈورا (ہیلیوڈورس) نے کروائی، جو عظیم بادشاہ امتلکت (اینٹی الکڈس) کے پاس سے بادشاہ (کاسی کے محافظ) کاسی پتر (کاشی پتر) ویر بھدر کے چودھویں سن جلوس میں آئے تھے۔"

ستون کے دوسری طرف ایک مختصر کتبہ ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے:

"(یہ؟) امرتا (حیات جاودانی) کے تین قدم ہیں جن پر اگر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو سورگ (جنت) کا دروازہ کھلتا ہے: قبضہ نفس، رحم دلی اور یک جہتی۔"

بیس نگر ستونی کتبے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ شنگوں کے دور میں بھی یونانی سفیروں کو مدعو کرنے کی روایت بدستور جاری تھی۔ کاشی پتر ویر بھدر یا تو پانچویں شنگ حکمراں بھدرک یا پھر نویں حکمراں بھاگوت رہے ہونگے۔ امتلکت، انٹی الکڈس نامی ایک ہندیونانی حکمراں تھا جسے ہم اس کے ذریعے جاری کیے گئے سکوں سے بھی جانتے ہیں۔ لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی سفیر ہیلیوڈورس خود کو بھاگوت یعنی واسودیو کرشن کا پرستار کہتا ہے اور اس دیوتا کی شان میں مذکورہ ستون قائم کرتا ہے۔ پرندوں کے سردار گروڑ وشنو کی سواری ہیں۔ ستون کے نزدیک پائے گئے تعمیری باقیات سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً یہ ایک قدیم مندر رہا ہوگا جس کے سامنے یونانی سفیر نے اپنی عقیدت مندی کے اظہار کے لیے یہ کتبہ کندہ کرایا تھا۔

(Source: Salomen, 1998: 265-67, from Upinder Singh, *A History of Ancient and Early Medieval India*: *From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, 2019 (Hindi Edition), p. 398)

منادر (Menander) نے بدھ مذہب اختیار کیا تھا۔ عظیم بودھ بھکشو ناگ سین عرف ناگار جن سے جو سوال و جواب اس نے کیے تھے وہ مابعد موریہ دور کی دانشورانہ تاریخ کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ انہیں ملند پنہو (ملند یعنی منادر کے سوالات) کے نام سے مرتب کیا گیا۔ کشان حکمراں شیو اور گوتم بدھ دونوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان دونوں دیوتاؤں کی تصویر کشان دور کے سکوں پر پائی جاتی ہے۔ بہت سے کشان حکمراں وشنو کے بھگت تھے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر وشنو دیو کا نام لیا جا سکتا ہے جس کا نام ہی دوسرے الفاظ میں 'کرشن' تھا اور کرشن کی پوجا وشنو کے اوتار کی حیثیت سے کی جاتی تھی۔

3.4.3 مہایان بدھ مت (Mahayana Buddhism)

کچھ تو تجارت اور دستکاری کی غیر معمولی ترقی اور کچھ وسط ایشیا سے بہت سے لوگوں کے ہندوستان آنے کی وجہ سے مابعد موریہ دور میں ہندوستان کے متعدد مذاہب میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ بدھ مت بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ بھکشو اور راہبائیں شہروں میں کثرت سے آنے والے تاجروں اور دستکاروں سے ملنے والی دان دکشنا (عطیات) کی رقم سے خود کو محروم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ آندھرا پردیش

کے ناگار جن کونڈ کے مٹھوں میں بڑی تعداد میں سکے پائے گئے ہیں۔اس کے علاوہ بدھ مت کے پیروکار اب گوشت خور غیر ملکیوں کا خیر مقدم اور استقبال کرنے لگے تھے۔اس سے بھکشوؤں اور راہباؤں کی روزمرہ کی زندگی کی خرابیوں کا اشارہ ملتا ہے۔اب وہ سونے چاندی کے تحائف قبول کرنے لگے اور بھڑکیلے اور شاندار لباس بھی پہننے لگے۔مذہبی نظم وضبط(discipline)اتنا کمزور پڑ گیا کہ بعض بھکشو،مذہبی تنظیم یعنی 'سنگھ'(*Sangha*)کی خلاف ورزی کرکے دنیاوی زندگی گزارنے لگے۔بدھ مت کا یہ نیا نظام مہایان یعنی عظیم سواری یا بڑا پہیہ کہا جانے لگا۔بدھ مت کی پرانی شکل یہ تھی کہ بدھ سے منسوب بعض چیزوں کی بدھ کی یادگار کے طور پر عبادت کی جاتی تھی۔عیسوی سال کی ابتداء کے ساتھ بدھ سے منسوب مقدس چیزوں کی جگہ خود ان کی تصویر اور مجسمے نے لے لی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برہمنی مذہب میں مورتی پوجا کا چلن، بدھ مت کے مہایان فرقے کے ذریعے ہی بڑے پیمانے پر داخل ہوا۔مہایان کی بڑھتی ہوئی شہرت کے ساتھ بدھ مت کے قدیم فلسفے کی قدر کم ہو گئی اور اس کو ہین یان یعنی چھوٹا چکر کہا جانے لگا۔مہایان وبدھ فرقہ نے وسیع المشرب اور آزاد خیال بدھ مکتب فکر کی حیثیت سے چوتھی صدی ق م میں اپنے بنیادی خدوخال مرتب کیے۔اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد نے مہاتما بدھ کے وضع کردہ اصول وضوابط کو لچکدار اور آسان بنا کر لوگوں کو متاثر کیا۔

اس کے علاوہ مہایان فرقے کو برتری ملنے کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ اسے کنشک کی شکل میں ایک بڑا قدر دان مل گیا۔کشان حکمراں کنشک نے کشمیر میں ایک کونسل یا اجلاس منعقد کیا اور اس میں شریک ہونے والے لوگوں نے ایسے تین لاکھ الفاظ بنائے جن کی مدد سے تری پٹک(*tripitaka*)یا بدھ مذہبی ادب کی تین مقدس ترین کتابوں کی وضاحت کی جاسکتی تھی۔کنشک نے بدھ مت کی ان تعلیمات کو سرخ تانبے کی چادروں پر کھدوا کر ایک برتن میں بند کر کے دفن کروا دیا اور اس کے اوپر ایک استوپ بنوا دیا۔اگر یہ روایت صحیح ہے تو تانبے کے کتبے والے استوپ سے بدھ ادب اور تعلیمات پر نئی روشنی پڑ سکتی ہے۔بدھ کی یاد میں کنشک نے مزید کئی استوپ بنوائے تھے۔

3.5 ثقافتی اثرات (Cultural Impact)

3.5.1 فن تعمیر اور ظروف سازی (Architecture and Pottery-making)

شکوں اور کشانوں کی حکومت کے دوران فن تعمیر کے میدان میں بہت ترقی ہوئی۔کھدائی سے معلوم ہوا ہے کہ شمالی ہندوستان میں کئی جگہوں پر تقریباً چھ یا سات تہوں والی تعمیرات رہ چکی ہیں۔وہاں کی عمارتوں میں بعض جگہ سرخی کے لیے پکی اینٹیں اور کہیں کہیں پر فرش اور چھت دونوں کے لیے ٹائلیں استعمال کی جاتی تھیں۔لیکن اندازہ یہ ہے کہ فرش اور ٹائلوں کا استعمال باہر سے نہیں آیا ہوگا۔اس زمانے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ دیواریں اینٹ کی بنائی جاتی تھیں اور سادی اور نفیس نقاشی والی پالش دار برتن سازی بھی خاصی مشہور اور قابل ذکر ہے۔برتنوں میں چھڑکنے والے اور ٹونٹی دار لوٹے ہیں۔انہیں دیکھ کر اس زمانے میں وسط ایشیا کے کشان دور حکومت کی باریک نقاشی والی سرخ برتن سازی یاد آتی ہے۔سرخ برتن سازی کے ہنر سے وسط ایشیا کے زیادہ تر لوگ واقف تھے اور یہ فن فرغانہ جیسے علاقوں میں بھی پایا جاتا تھا جو کشانوں کی تہذیبی حدود کے حاشیے پر تھے۔

3.5.2 گندھارا اور متھرا مکاتب فن (Gandhara and Mathura Schools of Arts)

غیر ملکی حکمرانوں نے ہندوستانی فنون اور ادب کی بڑے شوق سے سرپرستی کی اور جیسا کہ نیا مذہب قبول کرنے والوں کے ساتھ دیکھنے میں آتا ہے۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش کا ثبوت دیا۔ کشان سلطنت میں ایسے معمار اور کاریگر پروان چڑھے جن کی تعلیم اور تربیت مختلف ملکوں اور طرزوں میں ہوئی تھی انہوں نے کئی فنی طرزوں مثلاً وسط ایشیائی گندھارا اور متھرا طرز کو ترقی دی۔ وسط ایشیائی فنی نمونوں میں بدھ مت کے زیر اثر مقامی اور ہندوستانی خصوصیات کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

گندھارا (قندھار) جو کہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کا حصہ تھا، وہاں ہندوستانی کاریگروں کا وسط ایشیائی، یونانی اور رومی باشندوں سے میل جول ہوا۔ ان کے درمیان اس رابطے سے ایک نئے طرز کے فن کو ترقی ملی جس میں یونانی اور رومی طرز کے ملے جلے انداز میں مہاتما بدھ کے مجسمے بنائے گئے۔ مہاتما بدھ کے بالوں کے جوڑے کو یونانی۔ رومی طرز میں ظاہر کیا گیا۔ گندھارا آرٹ کا اثر متھرا تک بھی پھیل گیا تھا، حالانکہ یہ دیسی فن کا مرکز تھا۔ متھرا میں بھی مہاتما بدھ کی خوبصورت مورتیاں بنائی گئیں لیکن اس کو کنشک کے بنا سر والے مجسمے کی وجہ سے زیادہ شہرت ملی۔ کنشک کا نام مجسمے کے نچلے حصے پر کھدا ہوا ہے۔ متھرا طرز میں وردھمان مہاویر کی کئی پتھر کی مورتیاں تراشی گئیں۔

متھرا میں گپت دور حکومت سے پہلے کی نقاشی (painting)، مجسمہ سازی (sculpture) اور کتبات (inscriptions) میں کرشن کا کہیں ذکر نہیں، حالانکہ وہ ان کی جائے پیدائش یعنی جنم استھان اور ان کی ابتدائی زندگی کا مرکز ہے۔ متھرا طرز کو عیسوی سال کے ابتدائی حصے میں زیادہ شہرت ملی اور سرخ پتھر کی بنی ہوئی یہاں کی مورتیاں اور دیگر چیزیں متھرا سے باہر بھی پائی جاتی ہیں۔ موجودہ زمانے میں متھرا کے عجائب گھر (museum) میں سب سے زیادہ نقاشی اور سنگ تراشی کے نمونے کشانوں کے زمانے کے ہیں۔ اسی زمانے میں وندھیا چل کے جنوب میں کئی جگہوں پر فن کے خوبصورت نمونوں کی موجودگی کا پتہ چلا ہے۔ مہاراشٹر میں چٹانیں کاٹ کر بدھ بھکشوؤں کے لیے غار اور گفائیں بنائی گئیں تھیں۔ آندھرا پردیش میں ناگار جن کنڈ (Nagarjunakonda) اور امراوتی (Amravati) بدھ فنون کے مشہور مرکز بن گئے تھے اور مہاتما بدھ سے متعلق قصے کہانیوں کو تصویری چوکھٹے (image panels) کی شکل میں پیش کیا گیا۔ بدھ مت سے تعلق رکھنے والے سب سے زیادہ پرانے تصویری چوکھٹے، گیا (Gaya)، سانچی (Sanchi) اور بھرہت (Bharhut) میں ملے۔ یہ چوکھٹے دوسری صدی قبل مسیح میں بنائے گئے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عیسوی سال کی ابتداء میں نقاشی کے فن میں اور بھی ترقی ہوئی۔

3.5.3 ادبی سرپرستی (Literary Patronage)

غیر ملکی راجاؤں نے سنسکرت ادب کی سرپرستی کی اور عوام میں اس کا ذوق و شوق پیدا کیا۔ شعری طرز یعنی شاعری (poetry) کا قدیم ترین نمونہ تقریباً 150 عیسوی میں کاٹھیاواڑ کے رودردمن (Rudradaman) کے کتبے میں ملتا ہے۔ اس کے بعد سے کتبے خالص سنسکرت میں لکھے جانے لگے، اگرچہ پراکرت میں کتبات لکھنے کا رواج اس کے بعد بھی چوتھی صدی عیسوی تک جاری رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض بڑے ادیبوں مثلاً اشوگھوش (Ashvaghosha) کو کشانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اشوگھوش نے بدھ چرت (*Budhha*

(*Charita*کے نام سے مہاتمابدھ کی حالات زندگی لکھے تھے۔اس نے دوسری کتاب سوندرانند(*Saundrananda*) بھی لکھی جو سنسکرت شاعری کاایک عمدہ نمونہ ہے۔

بدھ مت کے مہایان مسلک کی ترقی کی وجہ سے بے شمار 'اودان'(*ava'dan*)لکھے گئے۔ان میں زیادہ ترکی زبان بدھ دور کی ملی جلی سنسکرت تھی۔اودانوں کا مقصد مہایان مسلک کی تعلیمات کو عوام کے درمیان شہرت دینا تھا۔اورانہیں کی طرز پر لکھی گئی بعض کتابیں 'مہاوستو'(*Mahavastu*)اور 'دویادان'(*Divyavadan*)ہیں۔یونانیوں نے پردوں کااستعمال رائج کرکے ہندوستانی ڈرامہ نگاری (theatre) کی ترقی میں ہاتھ بٹایا۔کیونکہ پردے کا تصور یونان سے آیا تھااس لیے اس کا نام 'یونک' پڑا۔یہ لفظ یون سے لیا گیا تھا جو یونانی اصطلاح 'Ionian' کی سنسکرت شکل تھی جس سے قدیم ہندوستانی واقف تھے۔بعد کے کسی زمانے میں یون کا لفظ تمام غیر ملکی لوگوں اور چیزوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔

غیر مذہبی یعنی سیکولرادب کی سب سے اچھی مثال واتسائن(Vatsayana)کے کام سوتر(*Kamasutra*)میں ملتی ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں جنسی اور عائلی مسائل پر لکھی گئی اس کتاب میں جنسی ملاپ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔یہ کتاب شہروں میں پلے بڑھے لوگوں کی زندگی کی تصویر پیش کرتی ہے۔

3.5.4 سائنسی اور تکنیکی ارتقاء (Scientific and Technological Development)

موریاؤں کے بعد کے زمانے میں ہندوستانی علم فلکیات (Astronomy)اور علم نجوم(Astrology) کو یونانیوں سے تعلقات کے ذریعے بہت فائدہ ہوا۔ سنسکرت کی کتابوں میں سیاروں(Planets)کی حرکت اور گردش سے متعلق بہت سی یونانی اصطلاحات پائی جاتی ہیں۔ہندوستانی علم فلکیات پر یونانی تصورات کا اثر پڑااور یونانی اصطلاح 'Horoscope' سے ہی سنسکرت میں علم نجوم کے لیے 'ہوراشاسترا' کا لفظ بنایا گیا۔اچھی طرح سے ڈھالے ہوئے اور ٹھپے دار یونانی سکے، سوراخ دار سکوں کی ترقی یافتہ شکل تھے۔یونانیوں نے ہی سب سے پہلے سکوں پر تاریخیں لکھنے کو رواج دیا۔یونانی اصطلاح دراچم(Drachma)بعد میں بدل کر درم(Dramma)ہو گئی اور اس کے عوض یونانی حکمرانوں نے براہمی رسم الخط اختیار کرکے اپنے سکوں پر ہندوستانی شبیہیں کندہ کرائیں۔ہندوستان سے کتے، مویشی، مسالے اور ہاتھی دانت یونان لے جائے جاتے تھے۔لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یونانیوں نے ہندوستان سے کوئی ہنر بھی سیکھا تھا۔

بہر حال، طب(Medicine)، نباتات(Botany)اور کیمیا(Chemistry)کے میدان میں ہندوستانیوں کو یونان کی کوئی دین نہیں ہے۔ان تینوں میدانوں میں چرک(Charaka)اور سشرت(Sushruta)پہلے ہی بہت کچھ لکھ چکے تھے۔چرک سمہتا (*Charak Samhita*)میں بے شمار پودوں اور جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے جس سے بیماروں کے لیے دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔ان جڑی بوٹیوں کو کوٹنے اور چھاننے کے جو طریقے بتائے گئے ہیں اس سے قدیم ہندوستانیوں کی علم کیمیا سے گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔بیماریوں کے علاج کے لیے قدیم ہندوستانی لوگ پودوں اور بوٹیوں پر بھروسہ کرتے تھے جنہیں سنسکرت میں 'اوشدھی'(*aushadhi*)کہا جاتا ہے اور

یہی وجہ ہے کہ لوگ دوا کو بھی اوشدھی ہی کے نام سے جاننے لگے۔ تکنیک کے میدان میں بھی ہندوستانیوں نے وسط ایشیائی قوموں کے ساتھ اپنے تعلقات سے فائدہ اٹھایا۔ ایک جگہ کنشک کو پتلون اور لمبے جوتے پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ شاید ہندوستان میں چمڑے کے جوتے اسی زمانے میں بننے شروع ہوئے۔ ہندوستان میں کشانوں کے دور حکومت میں تانبے کے سکے رومی سکوں کی ہی نقل تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں کشان حکمرانوں کے ذریعے سونے کے سکے رومی طلائی سکوں کے طرز پر ہی ڈھالے گئے تھے۔ اس کا بھی پتہ چلا ہے کہ ہندوستانی اور رومی بادشاہوں کے درمیان سفارتی تعلقات بھی تھے۔ ہندوستان سے رومی حکمران آگسٹس کے دربار میں 27-28 عیسوی میں سفیر بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح 110-120 عیسوی میں رومی حکمراں ٹراجن کے دربار میں بھی ہندوستانی سفیر بھیجے گئے۔ ہندوستان سے رومی حکمرانوں کے تعلق اور رابطے نے دونوں ملکوں کے درمیان تکنیک کی نئی راہیں کھولیں۔ اس زمانہ میں شیشے کے کام پر خاص طور پر غیر ملکی تصورات اور طریقوں کا اثر پڑا۔ شیشے کی صنعت پر جتنا غیر ملکی اثر اس زمانے میں پڑا اتنا کسی اور زمانے میں نہیں دیکھا گیا۔

3.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے مابعد موریہ دور میں ہندوستانی سیاسی نظام میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا۔ اس کے ساتھ آپ نے جانا کہ اس دور میں معیشت، زراعت اور کاروبار پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور ان میں کس قدر بدلاؤ آئے۔ غیر ملکی حکمرانوں کے ذریعے ہندوستانی سماج، معیشت اور مذہب کے میدان میں قابل قدر ترقیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً مہایان بدھ مسلک کی سرپرستی، نئے جنگی طریقے، علوم وفنون سے دلچسپی اور ہندوستانی ثقافت میں گھل مل جانا وغیرہ۔ آپ نے سماجی اور مذہبی میدانوں میں بھی نئی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا جیسے کہ اس دور کے ہندوستانی سماج میں نئے گروہوں کی شمولیت ہوئی۔ ان نوواردوں نے ہندوستانی تہذیب اور رسم ورواج کو اپنایا ساتھ ہی ہندوستانی سماج کو بھی اپنی روایتوں اور ایجادات سے بہت حد تک متاثر کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں بہت سی نئی چیزیں جیسے فوجی جوتے، لمبا کوٹ، پگڑی، زین اور رکاب کے استعمال کو رائج کیا۔ ہند یونانی اور کشان حکمرانوں نے ویشنو مسلک اور مہایان بدھ مذہب کی سرپرستی کی۔ کنشک نے توچوتھی بدھ مجلس کا انعقاد بھی کیا۔ اسی دور میں برہمنی مذہب اور مہایان بدھ مت اپنے عروج پر پہنچے۔ مذہبی ارتقا کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ، فن تعمیر، ظروف سازی، ادب اور سائنس کا بھی ارتقا ہوا اور ملکی و غیر ملکی حکمرانوں نے متعدد دانشوروں جیسے چرک، سشرت، اشوگھوش اور ناگار جن وغیرہ کی سرپرستی کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس زمانے کا سماج، معیشت اور ثقافت جیسی متعدد ایسی تبدیلیوں سے گزرا جس نے گپت سلطنت کے سماج اور ثقافت کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا۔

3.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

اشومیدھ یگیہ : ایک ایسا یگیہ جس میں قربانی کے گھوڑے کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ متعدد ریاستوں سے گزرتا ہے۔ جن ریاستوں سے بے روک ٹوک گزر جاتا ہے وہ علاقہ گھوڑے کے مالک حکمراں کا ماتحت علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی راجا گھوڑے کو روکنے کی کوشش کرتا تو اسے گھوڑے کے مالک راجا سے جنگ لڑنا پڑتی

تھی۔ گھوڑے کی وسیع علاقے سے بے روک ٹوک واپسی کے بعد مالک راجا یگیہ کے مکمل ہونے اور اپنے چکرورتی سمراٹ ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے کی قربانی دی جاتی تھی۔

ٹیراکوٹا : آگ میں پکائی ہوئی پکی مٹی کی کوئی چیز۔

رکاب : (stirrup) گھوڑے کے دونوں طرف پیر رکھنے کے لیے لگائی گئی چیز۔

خود : (helmet) جنگ میں سر کی حفاظت کے لیے پہنے جانے والی ٹوپی۔

بوٹ : جنگی جوتے

طلائی سکے : سونے کے سکے

چھترپ نظام : ایک طرح کا ماتحت صوبیداری نظام

دان دکشنا : عطیہ دینا

تصویری چوکھٹے : (image panels) کسی دیوار پر آرائشی مقصد سے لگائی پٹی جس میں تصویریں بنی ہوتی ہیں۔

اودان : سنسکرت لفظ اودان (Avadāna) کا مطلب ہے 'غیر معمولی کارنامہ' یا 'شاندار عمل'۔ اسے پالی میں اپادان کہتے ہیں۔ اودان بدھ ادب کی ایک قسم ہے جو ماضی کی زندگی کے نیک اعمال کو بعد کی زندگی کے واقعات سے جوڑتی ہے۔

رسم الخط : طرز تحریر یا لکھنے کا انداز

اوشدھی : قدیم ادویات یا دوا

3.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

3.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. کن راجاؤں کو خدا کا بیٹا کہا جاتا تھا؟
2. یونانی سفیر ہیلوڈورس نے کس کی یاد میں بیس نگر میں ایک ستون بنوایا؟
3. بیس نگر کہاں واقع ہے؟
4. بھکشو کون ہوتے ہیں؟
5. یونانی حکمراں میناندر (Menander) نے کون سا مذہب اختیار کیا تھا؟
6. میناندر نے کس سے سوال و جواب کیے تھے؟
7. ملند پنہو سے کیا مراد ہے؟
8. 'سنگھ' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

9. گندھار کہاں واقع تھا؟

10. یونک کسے کہتے ہیں؟

3.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1. فوجی اصلاحات پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. تجارت اور کاروبار کی ترقی پر نوٹ لکھیے۔
3. ہندوستانی سماج میں نئے گروہوں کی شمولیت پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. مہایان بدھ مت کے ارتقا پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. گندھار اور متھرا مکاتب فن پر ایک نوٹ لکھیے۔

3.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. نئی حکومتوں کے قیام کے سیاسی اثرات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. سماجی اور مذہبی اثرات پر تفصیلی تبصرہ کیجیے۔
3. ثقافتی اثرات کا تفصیلی تجزیہ کیجیے۔

3.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Avari, Burjor, *India*: *The Ancient Past*, Routledge, London, 2007.
2. Beckwith, Christopher I., *Empires of the Silk Road*: *A History of Central Eurasia from the Bronze Age to the Present*, Princeton University Press, 2009.
3. Robb, Peter, *A History of India*, Macmillan International Higher Education, 2011.
4. Salomon, Richard, *Indian Epigraphy*: *A Guide to the Study of Inscriptions in Sanskrit*, *Prakrit*, *and the Other Indo-Aryan Languages*, Oxford University Press, 1998.
5. Sharma, Ram Sharan, *India's Ancient Past*, Oxford University Press, New Delhi, 2007.
6. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India*: *From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson Education India, 2019 (Hindi Edition).
7. Stein, Burton, *A History of India*, John Wiley & Sons, 2010.
8. Thapar, Romila, *Early India*: *From the Origins to AD 1300*, University of California Press, 2004.

9. شرما، رام سرن، قدیم ہندوستان، نیشنل کونسل فار ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ، نئی دہلی۔

10. باشم، اے۔ ایل۔، ہندوستان کا شاندار ماضی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

11. کوشامبی، ڈی۔ ڈی۔، ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کا ایک تعارف، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 4۔ ستواہن خاندان اور مغربی چھترپ : ریاست اور سماج

(Satvahanas and Western Kshatrapas: State and Society)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 ستواہنوں کے عروج پر بحث
4.3 سیاسی تاریخ
4.4 سماج
4.5 مذہب
4.6 اقتصادی حالات
4.7 ادب
4.8 نظم ونسق
4.9 مابعد ستواہن دور
4.10 اکتسابی نتائج
4.11 کلیدی الفاظ
4.12 نمونہ امتحانی سوالات
4.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
4.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
4.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
4.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید (Introduction)

موریاؤں کے زمانہ کو ان کی سلطنت کی عظمت کی بنا پر یاد کیا جاتا ہے ۲۰۰ ق۔م سے ۳۰۰ عیسوی تک یعنی موریاؤں کے بعد کے زمانہ میں برصغیر کے طول و عرض میں بہت سی ریاستیں وجود میں آگئیں ان میں سے کچھ ریاستیں وجود میں آگئیں ان میں سے کچھ ریاستیں چھوٹی تھیں اور کچھ بڑی مثلاً کشانوں کی سلطنت جو وسطی ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن ریاستوں سے بڑھ کر اس زمانہ میں برصغیر کو مربوط رکھنے کا کام تجارت اور سوداگری نے کیا جسے اس زمانہ میں بہت فروغ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکثر علاقوں میں مادی خوشحالی کے آثار نمایاں تھے۔

ستواہن خاندان آندھرا کے نام سے بھی معروف ہے۔ ان کا ایک عظیم حکمراں سات کرنی نام کا گزرا ہے جو ایک فاتح تھا اور جسے آقائے مغرب بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے کلنگ کے راجا سے جنگ کی تھی۔ وہ غالباً پہلی صدی ق۔م میں حکومت کرتا تھا۔ سات کرنی کے دور حکومت کے کچھ عرصہ بعد شکوں نے، جو سوراشٹر پر حکومت کرتے تھے، ستواہنوں پر حملہ کر دیا اور انھیں ناسک سے نکال کر آندھرا کی سمت ڈھکیل دیا۔ لیکن ستواہنوں نے اپنی فوجیں پھر سے منظم کر کے شکوں پر حملہ کر دیا اور بالاخر مغربی دکن پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ کارنامہ راجہ گوتمی پتر سا کرنی نے انجام دیا تھا۔ ستواہنوں کے بارے میں ہماری معلومات محدود ذرائع پر مبنی ہے۔ ادبی ماخذ، کتبے اور سکے ستواہنوں کے بارے میں واقفیت کے اہم وسائل ہیں۔ اس کے باوجود اس خاندان کے بارے میں ہماری معلومات کے ذرائع بہت محدود ہیں۔ ادبی شہادتوں کا ریکارڈ بھی کم ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ستواہنوں کے آغاز وارتقا سے واقف ہو سکیں گے۔
- ستواہن حکمراں ستکرنی اول کی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- ستواہنوں کے انتظامی نظام کی وضاحت کر سکیں گے۔
- ستواہن عہد کی سماجی اور ثقافتی زندگی کی خصوصیات کو بیان کر سکیں گے۔
- ستواہن عہد کے تجارت و معیشت اور مذہبی حالات پر گفتگو کر سکیں گے۔

4.2 ستواہنوں کے عروج پر بحث (Debate on the Emergence of the Satavahanas)

ستواہن خاندان کے عروج کی تاریخ دانشوروں کے درمیان اکثر بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ بعض دانشوروں نے متسیہ پران کی اس شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ آندھروں نے ساڑھے چار سو سال حکومت کی، ستواہنوں کے عروج کی شروعات کے لئے تیسری صدی ق۔م کا ربع آخر تجویز کیا ہے۔ یہ تاریخ، بہر حال، زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ وایو پران کی ایک دوسری روایت ہمیں بتاتی ہے کہ ان کی حکومت صرف تین سو سال باقی رہی۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر بھنڈارکر اس کے قائل ہیں کہ ستواہن خاندان بہتر قبل مسیح میں وجود میں آیا۔ ان

کے نزدیک پرانوں کا یہ بیان کہ پہلا ستواہن سمک سشر من کن واین کی جڑیں اکھاڑنے اور شنگ طاقت کو نیست و نابود کرنے کے بعد تمام روئے زمین پر قبضہ کرلے گا۔ثابت کرتا ہے کہ شنگ بھر تیہ ، کنواوران کیا آقا، پیشواؤں کی طرح،ایک ہی وقت میں حکومت کرتے تھے۔ لیکن اگر ہم اس نظریے کو تسلیم کرلیں تو پھر پرانوں کی دوسری روایت جس میں کہا گیا ہے کہ واسودیو کنو نے آخری شنگ راجہ دیو بھوتی کو قتل کر دیا،اس نظرئے کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہو سکے گی۔ مندرجہ بالا عبارت، جیسا کہ ڈاکٹر رائے چودھری نے لکھا ہے، محض یہ ظاہر کرتی ہے کہ سمک نے شنگ نسل کے ان سرداروں کو بھی ختم کر دیا جو کنو خاندان کے لائے ہوئے انقلاب کی زد سے بچ گئے تھے اس لئے کنو خاندان کا زوال ستواہنوں کے ہاتھوں ۲۹ق۔م میں ہوا۔اس استنباط سے واقعتاً یہ امکان باطل نہیں ہو جاتا کہ سمک جسے کہتے ہیں ۲۳ سال حکومت کی،اس تاریخ سے بہت پہلے، یعنی دوسری صدی ق۔م کے تقریباً وسط میں تخت نشین ہوا۔

4.3 سیاسی تاریخ (Political History)

موریہ دور کے بعد دکن میں برسراقتدار آنے والی طاقتور ترین حکومت ستواہن حکومت تھی۔پرانوں کے مطابق،ستواہنوں نے آندھرا کے علاقے پر مسلسل ۴۶۰ برسوں تک حکومت کی۔انہیں آندھرا جاتیہ ،اور آندھرا بھرتیہ بھی کہا جاتا تھا۔ایتریہ براہمن میں آندھراؤں کا ذکر وشومتر کے جلاوطن بیٹوں کے طور پر کیا گیا ہے۔کہانی کے مطابق،راجا ستیہ ورت کے شاہی پروہت وشومتر کے کئی بیٹے تھے۔اس کے بیٹوں میں سے ایک منہ بولے بیٹے دیوورت کو اس کے دیگر تمام بیٹوں کا سربراہ بنایا گیا تھا۔اس کے دوسرے بیٹوں نے دیوورت کی قیادت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے وشومتر نے انہیں بددعا دی کہ وہ آندھراؤں،پندراؤں اور سیارسیوں کی طرح ہی کتے کھانے والے اور ملیچھ بن جائیں۔مہابھارت میں آندھراؤں کو پلندا، گویا،سبارس اور مدرکاس کے ساتھ دکن میں مقام دیا گیا ہے۔آندھرا یا ستواہن کا ذکر متسیہ پران اور وایو پران میں آندھروں کا ذکر دکن میں رہنے والے ودربھیوں،دنڈکیوں کے ساتھ ملتا ہے۔درسی حوالوں کے علاوہ ہمیں آندھراؤں کا ذکر اشوک کے تیرہویں چٹانی فرمان میں یاون، کمبوج، پلندا وغیرہ کے ساتھ اپنے علاقے سے باہر رہنے والوں کے طور پر ملتا ہے۔کے،اے۔نیل کنٹھ شاستری کے مطابق آندھرا بھرتیہ نام ہمیں یہ تاثر دیتا ہے کہ ستواہن کے پیشرو بزرگ موریہ کے خدمت گذار رہے ہوں گے جو موریا دور کے زوال کے بعد دکن آگئے ہوں گے جہاں انہوں نے اپنی خود مختار آزاد حکومت قائم کی۔درج بالا ثبوتوںؒ سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ستواہن یا آندھرا راجاؤں نے دکن کے علاقوں پر حکومت کی تھی۔

ناسک کے پانڈولینا غار میں پائے گئے کتبوں میں ہمیں ستواہن راجاؤں سے متعلق باقاعدہ تاریخی ریکارڈس ملتے ہیں۔پرانوں کے مطابق، سیمک ستواہن نے دکن میں ستواہن حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔اس کے بعد اس کا بھائی کرشنا تخت پر بیٹھا۔پرانوں میں تیس ستواہن راجاؤں کے نام ملتے ہیں۔ستواہن راجا ستکرنی کی بیوہ رانی نیانیکا کے ناناگھاٹ کتبے میں بھی آندھرا خاندان کے راجاؤں کی فہرست ملتی ہے۔اس کتبے میں سیمک کا ذکر راجا سینک ستواہن کے طور پر ملتا ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ستواہن اس کے نام کا دوسرا جزو تھا۔۲۳ برسوں تک مسلسل حکومت کرنے کے بعد سیمک کے بعد اس کا بھائی کرشنا تخت پر بیٹھا جس کا ذکر ہمیں ناسک میں پائے گئے سنگی کتبے میں بھی ملتا ہے۔ناسک کی پہاڑیوں میں دریافت ہونے والے کتبات کے ذریعے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ راجا کرشنا کے دور حکومت میں اس مقام پر کھدائی کی

گئی تھی۔ کرشنا کے بعد اس کا بیٹا ستکرنی تخت پر بیٹھا۔ ستکرنی کے دور حکومت کی تفصیل نانے گھاٹ کے کتبوں کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہے۔ کھارویل کے ہاتھی گار کے سنگی کتبوں میں بھی ستواہن خاندان کے تیسرے راجا کی رانی اور پھر دکشن پتھ کے راجا کے طور پر ستکرنی کا ذکر ملتا ہے جس کے خلاف تخت نشینی کے دوسرے سال میں کھارویل نے پیش قدمی کی تھی۔ پرانوں کی روایت کے مطابق، سیمک کی تخت نشینی کے ۳۳ سال بعد ستکرنی تخت پر بیٹھا۔ نانے گھاٹ کتبوں کے مطابق، ستکرنی نے مالوہ، وادئی نرمدا اور ودربھ کے علاقوں کو فتح کر لیا تھا۔ آگے چل کر یہ کتبے ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ستکرنی نے اپنی فتوحات کا جشن منانے کے لئے اشومیدھ یگیہ اور راج سویا یگیہ بھی کروایا تھا اور اپنے لئے سمراٹ کا خطاب اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنے لئے دکشن پتھی اور اپراتھی ہتھاچکر کے القابات بھی اختیار کئے تھے۔

اس کے بعد اگلا اہم راجا ستکرنی دوم تھا۔ ستکرنی دوم، مگدھ کی راجدھانی پاٹلی پتر کو پہلی مرتبہ ستواہن حکومت کے تابع لانے کے لئے جانا جاتا ہے۔ اس کے دور حکومت میں شاکا راجاؤں نے مغربی دکن کو فتح کر لیا تھا۔ اس کے وارثوں کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہے۔ گوتمی پتر ستکرنی، ستواہن خاندان کا سب سے عظیم راجا تھا۔ گوتمی پتر ستکرنی کے بارے میں ہماری معلومات ان چار کتبوں جن میں سے تین ناسک میں واقع ہیں جب کہ ایک کارلا میں واقع ہے اور جوگا تھیم بی کے ذخیرے میں پائے جانے والے نھاپانا کے سکوں پر مبنی ہیں۔ ناسک کے تین کتبوں میں سے دو سنگی کتبے خود گوتمی پتر ستکرنی نے جاری کئے تھے جب کہ تیسرا کتبہ اس کی ماں بالاسری نے جاری کئے تھے جب کہ تیسرا کتبہ اس کی ماں بالاسری نے جاری کیا تھا۔ ناسک کے کتبوں میں کرشنا، پولومائی اور گوتمی پتر اول نے خود کا ذکر ستواہن خاندان کے ارکان کے طور پر کیا ہے۔ اس کو اسکائی تھین، انڈو یونانی اور پارتھین حکومتوں کو نیست و نابود کرنے والا مانا جاتا ہے۔ گوتمی پتر ستکرنی رشیکا، اسماک، ملاکا اور ودربھ کے علاقوں پر قابض تھا۔ اس کا ذکر وندھیاؤں رکشاوت، پری یاترا، ساہیا اور ملایا کے علاوہ جنوبی ہند کے پہاڑی سلسلوں کے حاکم کے طور پر بھی ملتا ہے۔ مغربی دکن گجرات کے شتر پاؤں کو شکست دینے کے بعد گوتمی پتر ستکرنی نے شتر پانہاپانا کے سکوں کو دوبارہ ڈھالا تھا۔ ناسک کے پانڈولینا غاروں میں پائے جانے والے کتبہ نمبر ۲ میں اس کی حکومت کی سرحدوں کا ذکر ملتا ہے جو اسیکا، سساکا، مداکا، سوراشٹر، کوکورا، اپرانتا، انوپا، ودربھ، وندھیا، رکشاوت، پری یاترا، کرشنا گری وغیرہ پر مشتمل تھی۔ یہ کتبہ مزید یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ گوتمی پتر نے شاکاؤں، یاونوں اور پہلوؤں کو نیست و نابود کر دیا تھا۔

گوتمی پتر ستکرنی کے بعد اس کا بیٹا وششٹھ پتر پلومئی تخت پر بیٹھا۔ وہ پہلا ستواہن حکمراں ہے جس کے سکے اور کتبے آندھرا کے علاقے میں دستیاب ہوئے۔ پلومئی کے بارے میں ہمیں ان سات کتبوں کے ذریعے معلومات حاصل ہوتی ہیں جن میں چار ناسک میں واقع ہیں جب کہ دو کارلا میں اور ایک امراوتی میں واقع ہے۔ ناسک میں واقع دوسرے کتبہ کی گیارہویں سطر میں وششٹھ پتر کو دکشن پتھ کا حاکم بتایا گیا ہے۔ اس کے دور حکومت میں ستواہن خاندان کی حکومت مشرقی دکن کے علاقے میں مزید مستحکم ہوئی۔ اس نے دکشن پتھ سوامی اور مہاراجا کا لقب اختیار کیا تھا۔ بعد کے ستواہنوں میں یگیہ شری ستکرنی ستواہن خاندان کا ایک اہم اور سب سے زیادہ مشہور راجا گزرا ہے۔ اس نے ستواہن حکومت کا احیائے نو کیا تھا۔ اس نے ایک وسیع علاقہ اپنے زیر نگیں کیا اور ساکاؤں کے ذریعہ چھینے ہوئے علاقے دوبارہ واپس لینے میں کامیاب ہوا۔ ساک سکوں کی طرز کے اس کے سکے بھی جنوبی ہندوستان میں ملے ہیں جو ساکاؤں پر اس کی فتح کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یگیہ شری ستکرنی

کے کچھ سکوں پر مستول کے ساتھ جہاز کی تصویر بنی ہوئی ہے جو سمندر پر اس کے اقتدار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اس کی موت کے بعد یہ حکومت اس کے وارثین میں تقسیم ہوگئی۔پران روایات کے مطابق، پولوماوی کے بعد وششٹھ پتر تخت پر بیٹھا جس کا ذکر کرشنا اور گوداوری ضلعوں میں دریافت ہونے والے سکوں پر درج ملتا ہے۔یگیہ شری ستکرنی کو راجا دردمن نے ایک جنگ میں شکست دے دی حالانکہ یگیہ شری اس وقت ۱۵۷عیسوی تک مشرقی دکن پر محدود ایک چھوٹے علاقے پر حکومت کر رہا تھا۔اس کی تخت نشینی کے ۲۷ویں سال کے ذکر پر مبنی کرشنا ضلع کے چناگاؤں کے نزدیک کرشنا ندی کے کنارے واقع ایک کتبے میں مہاتارک بتایا ہے اور اس کا ذکر ایسے شخص کے طور پر کیا گیا ہے جس نے بدھست عمارتوں کو عطیات پیش کئے تھے۔اس کے بعد اس کے وارثین میں جو راجا ہوئے وہ نہایت کمزور اور نااہل تھے۔وہ ستواہن حکومت کو اگلے ۱۷سالوں سے زیادہ قائم نہیں رکھ پائے۔

4.4 سماج (Society)

سماج اس وقت کم از کم چار طبقوں میں منقسم تھا۔سماج کا سب سے اونچا طبقہ مہا بھوجوں، مہار تھیوں اور مہا سیناپتیوں پر مشتمل تھا، جو راشٹروں یا ضلعوں کی نگرانی کرتے تھے۔دوسرے طبقہ میں اماتیہ، مہاماتر اور بھانڈاگارک وغیرہ سرکاری افسر نیز نیگم (تاجر)، سارتھ واہ(تاجروں کے مکھیا)،اور شریش ہن (تجارتی انجمن کا صدر)وغیرہ سرکاری افسر شامل تھے۔تیسرے طبقہ میں ویدیہ(طبیب)، لیکھک(کاتب)، سورن کار(سنار)، گان دھک(عطر فریش)،وغیرہ اور چوتھے طبقہ میں مال دار کار(مالی) بڑھئی، عطر فروش ،کسان وغیرہ شامل تھے، بزرگ خاندان کٹم بن یا گریہہ پتی کہلاتا تھا۔وہ گھر بھر میں سب سے زیادہ بااختیار آدمی ہوتا تھا۔

4.5 مذہب (Religion)

ستواہنوں کے روادارانہ دور حکومت میں برہمن مت اور بدھ مت دونوں کا بول بالا ہوا۔ مخیر لوگوں نے بھکشوؤں کی رہائش کے لئے زمین کھود کر چیتیہ گریہہ اور غار تعمیر کرائے۔اسی کے ساتھ ان کے اخراجات کے لئے انھوں نے معقول رقمیں بھی تجارتی انجمنوں کے پاس جمع کر دیں۔ برہمن مت کا کافی زور تھا، راجہ آشومیدھ، راج سویہ اور دوسری قربانیاں انجام دیتے تھے اور برہمنوں کو معقول رقمیں فیس کے طور پر ادا کرتے تھے۔شیو اور کرشن کی پرستش مقبول تھی۔مختلف مذہبوں کے ماننے والے اتحاد واتفاق کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔بعض اوقات وہ دوسرے مذہب والوں کو بھی عطیات دیتے تھے، غیر ملکی لوگ دونوں میں سے کوئی مذہب بھی اختیار کر سکتے تھے۔برہمن مت یا بدھ مت۔اور اس کے بعد وہ ہندو سماج میں ضم ہو جاتے تھے۔واقعتاً انھوں نے اپنے ناموں کو مکمل طور پر ہندوانی بنالیا تھا۔شک آشودرت کو کٹر برہمن کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

4.6 اقتصادی حالات (Economic Conditions)

تجارتی انجمنوں (شرینیوں) کا وجود اس عہد میں ایک عام بات تھی۔اس قسم کی کافی تنظیموں کا حال ملتا ہے، جیسے غلہ کا کاروبار کرنے والے، کمہار، جولاہے، تیلی، بانس کی چیزیں بنانے والے وغیرہ۔ہم پیشہ لوگوں کو متحد کرنے کے علاوہ یہ انجمنیں بینک کے فرائض بھی انجام

دیتی تھیں اور لوگ ان کے پاس اپنا پیسہ جمع کرتے تھے۔رائج الوقت سکہ کارشاپن تھا جو چاندی کا بھی ہوتا تھا اور تانبے کا بھی۔اس کے علاوہ سونے کا سورن تھا جو چاندی کے ۳۵ کارشاپنوں کے برابر ہوتا تھا۔ تجارت پورے عروج پر تھی۔ مغربی ممالک سے جہاز تجارتی مال لاد کر لانے اور بڑوچ، سوپارا،اور کلیان وغیرہ بندرگاہوں پر اتارتے تھے۔دو اہم تجارتی منڈیاں، نگر اور پیٹھن ملک کے اندر تھیں۔آمد و رفت کے وسائل عام طور پر اچھے تھے اور بیوپاری لوگ دکن کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک آزادی کے ساتھ آجا سکتے تھے۔

4.7 ادب (Literature)

ستواہن راجہ پراکرت کے بڑے سرپرست تھے۔ان کے تمام کتبوں میں یہی زبان استعمال کی گئی ہے۔ان میں سے ہال نامی راجہ پراکرت کی ایک بیاض موسومہ سپت ششک کا مصنف تھا۔کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں گنادھیہ نے اپنی طبع زاد برھت کتھا پراکرت میں لکھی۔مزید برآں، مسٹر ایلن کہتے ہیں کہ ایک اندھر اراجہ سنسکرت سے ناواقفت کی وجہ سے شرم سار تھا اور پانینی کا مطالعہ اس کے لئے مشکل تھا،اس لئے سرودامن نے اس کی آسانی کے لئے اپنی کاتنتر تصنیف کی۔لیکن ان روایات کو زیادہ اہمیت دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔بہرحال،یہ بات بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ستواہن راجاؤں نے جو برہمن تھے پراکرت ادب کے مقابلہ میں سنسکرت کو نظرانداز کیا۔

4.8 نظم و نسق (Administration)

ستواہن حکمرانوں نے اپنی ریاست کو ایک مضبوط انتظامی نظام فراہم کیا۔یہی وجہ ہے کہ وہ جنوب میں کسی بیرونی دخل اندازی کو نہایت چابک دستی سے روکنے میں کامیاب رہے۔یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ انہوں نے شاشتروں کی بنیاد پر ایک راج شاہی طرز کی حکومت قائم کی تھی۔ستواہن عہد میں راجا حکومت کا سربراہ اعلیٰ ہوتا تھا۔وہی تمام جنگوں کا سپہ سالار اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔اسے غیبی اور الوہی طاقت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔اس کا اولین فرض منصبی اپنے علاقوں کی توسیع اور ان کا تحفظ تھا۔راجا کو ایک مضبوط سماجی نظام قائم کرنے والے سرپرست کی حیثیت حاصل تھی۔اس کی مدد کے لئے اماتیہ، سچیو، مہاماتر اور پرتی ہار جیسے افسران مقرر کئے جاتے تھے۔کتبوں کے مطالعے سے ہم ستواہن دور حکومت کے انتظامی ڈھانچے کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔یہ کتبے بتاتے ہیں کہ ستواہن حکومت کا انتظام و انصرام شاہی عہدے داروں اور افسران کے ذریعے جاگیروں کے سربراہ انجام دیتے تھے۔ستواہن حکمرانوں میں بادشاہت موروثی نوعیت کی تھی جس کی ایک اہم خاصیت یہ تھی کہ ان میں سے چند راجاؤں نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنی ماؤں کے نام کی نسبت اختیار کی تھی۔

انتظامی باقاعدگی اور سہولت کے لحاظ سے ستواہن حکومت جن پدوں (صوبوں) اور آہاروں (ضلعوں) میں بٹی ہوئی تھی۔ہر آہار کا ایک مرکزی شہر ہوتا تھا جو مختلف دیہاتوں سے گھرا ہوتا تھا۔یہ دیہات یا گاؤں گرام کہلاتے تھے۔آہاروں کا نظم و نسق اماتیہ سنبھالتے تھے جن کا تقرر گورنر کے طور پر کیا جاتا تھا کچھ مہاماتروں کی نگرانی میں بھی ہوتے تھے۔شہری انتظامیہ کی دیکھ بھال میونسپل بورڈ جیسے نگم کہا جاتا تھا اس کے ماتحت تھی۔دیہی علاقوں کی دیکھ ریکھ گاؤں کی اسمبلیاں مقامی افسران کی مدد سے کرتی تھیں جو گرامک کہلاتے تھے۔گاؤں میں امن وامان بحال رکھنے

اور نظم وضبط قائم کرنے کے لئے گولمک جیسے دیگر افسران کا تقرر کیا جاتا تھا۔ راج اماتیہ پر مشتمل ایک مشاورتی مجلس بھی ہوا کرتی تھی۔ ہمیں مزید حوالوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مختلف کاموں کیلئے مختلف افسران کا تقرر کیا جاتا تھا مثلاً بھنڈار نائیک، جو اناج کے ذخائر کا نگراں وذمہ دار ہوتا تھا جب کہ ہیرانیکا، خازن ہوتا تھا۔ ستواہن دور حکومت میں سرکاری فوج کا سپہ سالار مہاسیناپتی کہلاتا تھا جب کہ سکریٹری کو لیکھیک کہا جاتا تھا جو شاہی دستاویزات تحریر کرتا تھا۔ سب سے پہلے وششٹھ پتر سری پلومئی کے ناسک کتبے میں مہاسیناپتی کا ذکر ملتا ہے۔

آہاروں کو گام (گراموں) میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہالا نے اپنی کتاب سپت ششتم میں ذکر کیا ہے کہ ہر گرام ایک گامک کے ماتحت ہوتا تھا۔ گامک کا دائرہ اختیار کم از کم پانچ گاؤں پر محیط ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اسے ۱۰ گاوؤں پر بھی اختیار حاصل ہوتا تھا۔ اس کتاب میں سبھا نامی عوامی مجلس کا بھی ذکر ملتا ہے جو چند تجارتی مراکز میں کام کرتی تھی۔ رعایا کی فلاح وبہبود ایک اہم پہلو تھا جس کی مثال ہمیں ستواہن دور حکومت میں ملتی ہے۔ مثلاً ستکرنی دوم نے کئی یگیہ منعقد کئے تھے، اور برہمنوں کو ٹکسوں سے مستثنیٰ زمین کا عطیہ دیا تھا۔ دوسری طرف گوتمی پتر ستکرنی نے اپنی حکومت میں موجود بدھسٹ بھکشوؤں کے لئے ہر قسم کے انتظامات کئے اور انہیں بھی بلا ٹیکس کی زمینیں عطا کی تھیں۔ ستواہن راجاؤں کے دور میں امراوتی کے استوپ کی توسیع کی گئی اور الورو، گھنٹا شالا، گڑی واڑا اور گولی، کے استوپ تعمیر کروائے۔

4.9 مابعد ستواہن دور (Post-Satvahana Period)

ہمیں سکوں کے تجزئے کے بعد کرن، کمبھ اور ردرا ستکرنی جیسے ستواہن راجاؤں کے ناموں کا علم ہوتا ہے۔ لیکن ان ناموں کا ذکر پرانوں کی کسی فہرست میں نہیں ملتا۔ پھر ستواہن حکومت بتدریج اپنے انجام کو پہنچتی گئی۔ ستواہن حکومت اپنے زوال کے بعد مختلف حصوں میں بٹ گئی جن میں شمال مغرب میں ابھیرا جنوب میں چول اور آندھرا دیش میں اکشواکو شامل ہیں۔ پرانوں کے مطابق ستواہن راجاؤں کے بعد دس ابھیرا حکمرانوں نے کل ملا کر تقریباً ۶۵ سال تک حکومت کی۔ یہ معلومات ہمیں ناسک کے کتبے سے حاصل ہوتی ہے جس میں راجا مدھاری پت اسور سین ابھیرا اور شیودت کا ذکر ملتا ہے۔ ابھیرا راجاؤں کے علاوہ مہاراشٹر اور کنٹالا میں چوتو راجاؤں نے بھی ستواہن راجاؤ ں کی جگہ سنبھالی جس کے بارے میں ہمیں میسور کے ذریعے ہوتا ہے۔ اننت پور اور کٹپہ کے مقامات پر دریافت ہونے والے سیسے کے سکوں سے ہمیں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ ان سکوں پر ہری ہر کا نام کندہ ہے جو چوتو راجاؤں کے نام کا حصہ ہوتا تھا۔ ابھیرا اور چوتو راجاؤں کے بارے میں ہمیں مزید معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔

ستواہن کے وارثین کا ایک اور گروہ اشواکو نے کرشنا گنٹور کے علاقے پر حکومت کی تھی۔ ان کا تعلق ستواہن راجاؤں کے جاگیرداروں سے تھا جن کا ذکر پرانوں میں سری پروت اور آندھرا بھرتیہ کے طور پر ملتا ہے۔ کتبوں کے ذریعے ہمیں یہ بھی علم ہوتا ہے کہ وششٹھ پت سری چنٹا مولا اس خاندان کا بانی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اگنی استوم، اگنی ہوتر، اشومیدھ اور واجپنا یگیہ منعقد کروائے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا، مادھاری پت سریری ورا پوری ساڈت، گدی نشیں ہوا جس کا دور حکومت بدھ مت کی تاریخ میں ایک درخشاں دور کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ناگار جن کونڈا کے مقام پر دریافت ہونے والے ایک ستونی کتبہ کے ذریعہ ہمیں اس کے دور حکومت کے بارے میں معلومات

حاصل ہوتی ہیں۔اشواکو راجاؤں نے بھی ستواہن راجاؤں نے بھی ستواہن راجاؤں کی طرح اجین کے شاکاؤں کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے قائم کئے تھے۔ ۱۸۸۲عیسوی میں برگیس نے کرشاندی کی شاخ پالیر کے جگایاپیٹا استوپ کے پاس کھدائی کی تھی جہاں اسے تین ستون دریافت ہوئے جن پر پراکرت زبان میں تحریر کندہ تھی۔ان میں پانچ اشواکو خاندان کے راجا،مادھاری پت سریری وراپوری سادت، کی تخت نشینی کے بارھویں سال میں ایک کاریگر کے ذریعہ مہاچیتیہ کے مشرقی دروازے پر پانچ ایاک کھمبوں کی تعمیر کاذکر ملتا ہے۔جگایاپیٹا کتبے ،مادھاری پت اکھاکونم سیری وراپوری سادت، کی تخت نشینی کے معروف راجا،ایووالا کیم ٹامول، تھاجومادھاری پت سیری وراپوری سادت، کا بیٹا تھا۔اس کے دور میں،دیوی وہار،مٹھ (خانقاہ) کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔

4.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ ستواہن سلطنت نے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے درمیان پل کا کام کیا۔جنگلات کاٹے گئے اور نئے گاؤں بسائے گئے۔شمالی دکن میں گوداوری اور کرشنا کی وادیوں میں رسل ورسائل کی سہولیات فراہم کرنے کے لئے سڑکیں بنوائی گئیں۔ اب ان علاقوں میں سفر کرنا غیر محفوظ نہیں رہا۔تجارت کی توسیع سے ناسک کے علاقہ ، گوداوری کے ڈیلٹااور بمبئی کے مضافات میں شہر اور قصبے آباد ہوئے۔مغربی ساحل کی بندرگاہ بھڑوچ پر ایران عراق، جزیرہ عرب اور مصر کے جہاز آکر لنگر انداز ہوتے تھے۔گنگا کے ڈیلٹا سے گوداوری کے ڈیلٹاتک سمندری راستہ پر گوداوری کے ڈیلٹا میں کئی بندرگاہیں قائم تھیں۔یہاں سے جہاز برمااور ملایاکے لئے روانہ ہوتے تھے۔

ستواہن سلطنت میں خوش حالی تھی اس کا نظم ونسق اچھا تھا۔ریاست صوبوں میں تقسیم تھی اور صوبوں کا نظم ونسق شہری اور فوجی گورنروں کے ہاتھ میں تھا۔ہر گاؤں کا مکھیالگان یا ٹیکس وصول کرنے کاذمہ دار تھا۔گوتمی پتر نے دکن میں ستواہن سلطنت کو بہت زیادہ طاقت وربنایا۔لیکن شکوں نے ستواہنوں پر حملہ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیااور یہ سلسلہ گوتمی پتر کے بیٹے وششٹ پتر کے عہد تک جاری رہا۔یہاں تک کہ بالآخر وششٹ پتر نے شک حکمراں کی بیٹی سے شادی کرلیا۔تب کچھ عرصہ کے لئے شکوں اور ستواہنوں کے درمیان امن قائم رہا۔لیکن دوسری صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہوتے شک پہلے سے زیادہ کمزور ہوگئے۔اوراس سے ستواہنوں کو پھر سے اپنی سلطنت کے پھیلانے کا موقع مل گیا۔انھوں نے شمال میں کاٹھیاواڑ اور جنوب میں ستواہنوں کا اقتدار زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکااور تیسری صدی عیسوی میں اس کازوال ہوگیا۔

4.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

اماتیہ	:	ضلع کا نظم ونسق کاذمہ دار
سچیو	:	سیکریٹری
مہاماتیہ	:	وزیراعلی
پرتی ہار	:	منتظم

گرامک	:	دیہی علاقوں کا انتظامی افسر
گامک	:	گاؤں میں امن وامان کا ذمہ دار

4.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

4.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ستواہن خاندان کا اول حکمراں کون تھا؟
2. کرشنا اور ست کرنی کس کے وارث تھے؟
3. پانڈو لیناغار کہاں پر واقع ہے؟
4. رانی نیانیکا کا کتبہ کہاں واقع ہے؟
5. مٹی کا برتن بنانے والوں کے لئے کون سی اصطلاح استعمال ہوتی تھی؟
6. سارتھ واہا کون تھے؟
7. آقائے مغرب کسے کہا گیا ہے؟
8. ستواہن کا دوسرا نام کیا ہے؟
9. گوتمی پتر کے بیٹے کا کیا نام ہے؟
10. مغربی دکن پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کون کامیاب ہوا؟

4.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ستواہن حکومت کے عروج کے بارے میں بتلائے۔
2. گوتمی پترست کرنی کے بارے میں اجمالی خاکہ پیش کیجیے۔
3. ستواہن حکومت کے ادب کے فروغ کے بارے میں روشنی ڈالیں۔
4. ستواہن حکومت کے مذہبی حالات پر کچھ بتلائے۔
5. ستواہنوں کی معیشت پر مختصر روشنی ڈالئے۔

4.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ستواہنوں کے قیام کے سلسلے میں ہونے والی جدوجہد میں حکمرانوں کا کیا رول تھا بالتفصیل لکھئے۔
2. ستواہنوں نے تجارت کے فروغ میں کیا کارنامہ انجام دیا بیان کیجیے۔
3. ستواہن دور کے سماج پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY Estd. 1998

4.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. جنوبی ہند کی تاریخ، کے۔اے۔ نیل کنٹھ شاستری۔ مترجم آر۔کے۔ بھٹنا گر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
2. تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
3. ہندوستان کا شاندار ماضی، اے۔ایل۔ باشم۔ مترجم ایس غلام سمنانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
4. قدیم ہندوستان کی تہذیب وثقافت تاریخی پس منظر میں ،ڈی۔ڈی۔ کوشامبی۔ مترجم بال مکند ملسیانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 5۔ سنگم ادب کے حوالے سے ابتدائی تاریخی دور کے جنوبی ہندوستان میں سماج

(Society in Early Historical South India with reference to Sangam Literature)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید
5.1 مقصد
5.2 ماخذ
5.3 معنی اور مفہوم
5.4 جنوبی ہند کی ریاستیں
5.4.1 سنگم ادب
5.4.2 سماجی حالات
5.4.3 معاشی حالات
5.4.4 مذہبی حالات
5.5 اکتسابی نتائج
5.6 کلیدی الفاظ
5.7 نمونہ امتحانی سوالات
5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید (Introduction)

جنوبی ہندوستانی روایات کے مطابق جنوب میں تین سنگموں یعنی ابتدائی سنگم، وسطی سنگم اور آخری سنگم کا انعقاد ہوا۔ عام طور پر مورخین سنگم عہد سے مراد آخری سنگم سے لیتے ہیں کیوں کہ قبل کی دونوں سنگموں کی حیثیت محض افسانوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کو آخری سنگم یا تیسرے سنگم کا عہد کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں تخلیق ہونے والے ادب کو سنگم ادب کہا جاتا ہے۔ سنگم عہد میں جنوبی ہندوستان میں علم و ادب کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ اس عہد کے شاعروں اور ادیبوں نے شعر و ادب کا بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس عہد کی سب سے قدیم علمی تصنیف 200 سے قبل مسیح کی ہے۔ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''سنگم'' ہند-ایرانی لفظ ''سنگھ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی اسمبلی کے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال بالعموم بدھ اور جین راہب کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لگ بھگ 47 قبل مسیح ایک چینی عالم وجرونُدی نے ایک اکیڈمی جس کو دراوڑ سنگھ کہا گیا، قائم کیا۔ اس اکیڈمی کے ارکان کو ادب اور تامل زبان میں بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ ابتدائی سنگم عہد کی نظموں میں جینی علم کائنات اور اساطیر ملتے ہیں۔ یہ نظمیں سنگم عہد کی تاریخ وضع کرنے میں اہم ماخذ ثابت ہوتی ہیں۔ سنگم ادب کے علمی سرمایوں میں 'ایٹوٹوکئی'، 'پٹوپٹو'، 'نیتھی نین کل کنکو'، 'تول کپیم' اور دو رزمیہ نظمیں 'منی میکلئی' اور 'سلپادی کرم' اہم ہیں۔

سنگم ادب سے اس وقت کی حکومتوں کے بارے میں جانکاریاں ملتی ہیں۔ اس عہد میں جنوب بعید میں تین شاہی گھرانوں یعنی چولوں، پانڈیاؤں اور چیراؤں کی حکومت تھی۔ یہ حکومتیں آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں۔ ان میں سے بعض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شمالی ہند کے علاقوں کے ماسوا سری لنکا پر بھی حملے کیے تھے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے اپنے علاقوں میں شاندار حکومتیں قائم کیں بلکہ بیرون ممالک کے ساتھ تجارتی اور سیاسی تعلقات بھی قائم کیے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کا بعد آپ

- سنگم عہد کی جانکاری کے لیے سنگم ادب اور دوسرے ذرائع کا مطالعہ کر سکیں گے۔
- سنگم عہد کی سیاسی تاریخ سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
- سنگم سیاست اور معاشرہ کے ارتقا کے بارے میں جان سکیں گے۔
- سنگم عہد کے مذہبی حالات سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

5.2 مآخذ (The Sources)

سنگم عہد کے مطالعہ کے لیے ہمیں مختلف قسم کے مآخذ ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں ادبی ذرائع اور آثار قدیمہ دونوں دست یاب ہیں۔ سنگم عہد کی جانکاری کے لیے ہمارے پاس سنگم ادب کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جو اس عہد کے معاشی، سماجی، تہذیبی اور مذہبی پہلوؤں پر روشنی

ڈالتا ہے۔ سنگم ادب سے ملی جانکاریوں کی توثیق اس عہد کے غیر ملکی ادبی ذرائع بطور خاص یونانی اور رومی ماخذ سے بھی ہوتی ہے۔ پانڈیہ ریاست کی شہرت سے متعلق میگا ستھنیز بھی واقف تھا جو اس وقت پاٹلی پتر میں قیام پذیر تھا۔ اس نے ان ریاستوں کے بارے میں اپنی کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے۔ سنگم عہد کی تاریخ مقرر کرنے کے سلسلے میں اور یونانیوں اور رومیوں کے ساتھ تمل ریاستوں کے تجارتی اور دوسرے تعلقات سے متعلق اس زمانہ کے کلاسیکی مصنفین بالخصوص اسٹر یبو، پیر پیلس آف دی ایری تھیرین سی کے گم نام مصنف اور ٹولمی کی تصنیفات اہم جانکاری پیش کرتی ہیں۔ چولوں، پانڈیاؤں اور چیراؤں کا ذکر اشوک کے کتبوں میں بھی آیا ہے۔ اشوک کے دوسرے اور تیرہویں چٹانی کتبے میں جنوبی ہند کے بادشاہوں اور سری لنکا کا ذکر ملتا ہے۔ ان ممالک سے اشوک کے دوستانہ مراسم تھے۔ اشوک کے کتبوں کے بعد کھارویل کا قدیم کتبہ ہمیں تمل دیش کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس کتبے میں کہا گیا ہے کہ کھارویل نے پانڈیہ دیش سے کلنگ کے لیے "سینکڑوں کی تعداد میں گھوڑے، ہاتھی، جواہرات اور موتی منگوائے تھے۔ آثار قدیمہ کے ذرائع میں مسکوکاتی ثبوت سے سنگم عہد کی تاریخ کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ پورے جنوبی ہندوستان میں پہلی دو صدیوں سے متعلق رومی بادشاہوں کے سکے ملے ہیں جو سنگم عہد کے دوسرے ذرائع کی توثیق کرتے ہیں۔

5.3 معنی اور مفہوم (Meaning and Definition)

سنگم کے لفظی معنی اعلیٰ اکادمی یا انجمن کے ہیں۔ تمل ادب میں لفظ سنگم کا استعمال پہلی مرتبہ ساتویں صدی عیسوی کے بھجنوں میں کیا گیا ہے۔ آٹھویں صدی کے ایک تبصرے میں سنگم دور کے بارے میں تفصیل سے تینوں سنگموں کے عہد کے آغاز، ارتقا اور زوال کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کی فراہم کردہ معلومات گو جامع ہیں مگر ناقابل یقین ہیں۔ اس لیے بعض دانشور اس کے وجود پر شبہات ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود سنگم کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پہلا سنگم جس کو مثالی سنگم کہتے ہیں کا آغاز پانڈین حکمراں کیرتی کے دور میں ہوا تھا۔ یہ مجلس جنوبی مدورائی میں منعقد ہوئی تھی جو کیمپ کیمرون کے جنوب میں واقع ہے۔ ایسا بتایا جاتا ہے کہ پہلے سنگم میں 4449 شعراء نے کلام پیش کیے تھے۔ اس سنگم میں شیو، مروگا اور کبیر نے شرکت کی تھی۔ دوسرے سنگم کو ایڈائی سنگم یا درمیانی سنگم کہا جاتا ہے جو کپٹاپورم میں منعقد ہوا تھا جو پانڈیوں کا دوسرا صدر مقام تھا۔ دوسرا سنگم دور 3700 برسوں تک جاری رہا اور اس میں بھی شعرا کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ تیسرا سنگم جدید مدورائی میں منعقد ہوا تھا۔ تیسرے سنگم کو کدائی سنگم کہا جاتا ہے۔ یہ سنگم 1850 سال تک جاری رہا اور 449 شعراء نے اس میں شرکت کی۔ عظیم کلاسک تیر وکورال اسی دور کی یادگار ہے۔

جہاں تک سنگم عہد کی وسعت کی بات ہے اس کے بارے میں وی آر رام چندر دکشتیار کا خیال ہے کہ سنگم عہد 1000 برسوں کی مدت تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ پانچویں صدی ق۔م سے پانچویں صدی عیسوی کے دوران قائم تھا۔ اس کے برخلاف نیل کنٹھ شاستری کے مطابق سنگم دور کا آغاز چوتھی صدی قبل مسیح سے قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان کے مطابق سنگم دور دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک قائم رہا۔

5.4 جنوبی ہند کی ریاستیں (South Indian Kingdoms)

مختلف ادبی ذرائع سے ہمیں جنوب کی ابتدائی ریاستوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ریاستیں کرشاندی کے جنوب میں میدانی علاقوں میں واقع تھیں۔ ان ریاستوں کا کل علاقہ چولا، پانڈیہ اور چیرا یا کیرالہ خاندانوں کے تین تاجدار شہنشاہوں اور کئی چھوٹے چھوٹے سرداروں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ سردار اپنے زمانے کی سیاست کے پیشِ نظر کسی نہ کسی بادشاہ کی اطاعت میں رہتے تھے یا کسی بادشاہ کی طرف سے لڑائی میں شامل ہو جاتے تھے یا خود مختار رہ کر زندگی بسر کرتے تھے۔ شعرا نے ان سرداروں میں سے سات سرداروں کو ادب اور فنون لطیفہ کا فراخ دلی کے ساتھ سرپرستی کرنے کی بنا پر خاص طور سے تسلیم کیا اور والال (سرپرست) کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ سنگم تصنیفات سے ہمیں چولوں کی سیاسی تاریخ کا علم ہوتا ہے۔ چولا سلطنت ابتدائی قرون وسطی کے دوران ابھری۔ یہ پنیار اور ویلار ندیوں کے درمیان پانڈیوں کے علاقے کے شمال میں مشرق میں واقع تھی۔ پانڈیوں کا ذکر سب سے پہلے میگا ستھنیز نے کیا۔ پانڈیہ کی سرحد میں ہندوستان میدانی علاقے کے جنوب بعید اور جنوب مشرقی حصوں پر پھیلی ہوئی تھیں جس میں اندازاً ترنے ولی، رام ند اور تمل ناڈو میں مدورائی ضلع شامل تھے۔ سنگم ادب میں بھی پانڈیہ حکمرانوں کا ذکر ملتا ہے۔ چولوں، پانڈیوں اور چیراؤں کا ذکر اشوک کے کتبوں میں بھی آیا ہے۔ چیرا ریاست پانڈیہ کی سرحد کے مغرب اور شمال میں واقع تھی۔ اس میں سمند اور پہاڑوں کے درمیان کا تنگ علاقہ شامل تھا جو کیرل اور تمل ناڈو دونوں پر پھیلا ہوا تھا۔ عیسوی عہد کی ابتدائی صدیوں میں چیرا ریاست چولا اور پانڈیہ حکومت جیسی ہی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کی اہمیت کی وجہ چیرا اور رومن حکومتوں کے درمیان تجارت تھی۔

چولوں اور پانڈیوں کے درمیان مسلسل چلنے والی جنگ چیرا حکمرانوں کی تاریخ کی خصوصیت ہے۔ اگرچہ چیراؤں نے چولا بادشاہ کاری کال کو مار ڈالا تھا تاہم چیرا راجا کو بھی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بعد کے زمانے میں دونوں حکومتوں کے درمیان دوستی ہو گئی۔ چیرا بادشاہوں نے چولوں کے مقابلے میں پانڈیوں سے گٹھ جوڑ کر لیا لیکن چولوں نے پانڈیوں کو ہرا دیا۔ چیرا بادشاہ نے شرم سے خودکشی کر لی۔ ان تینوں حکومتوں کی سیاسی تاریخ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے یہاں تک کہ سری لنکا سے بھی برابر جنگ کرتے رہتے تھے۔

چولا (The Cholas)

جنوبی ہند کی ابتدائی تین ریاستیں کرشاندی کے جنوب میں واقع میدانی علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ ریاستیں تھیں۔ چولا پانڈیہ اور چیرا یا کیرالا۔ چولا سلطنت پینار اور ویلار ندیوں کے درمیان واقع تھی۔ سنگم ادب سے ہمیں چولوں کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں جانکاری حاصل ہوتی ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ایلارا نام کے راجا کی حکومت تھی۔ اس کے راجدھانی کا نام اُرے یور تھا۔ اس نے سری لنکا پر فتح حاصل کی تھی اور لگ بھگ 50 سال تک حکومت کی۔ ابتدائی چولا حکمرانوں میں کاری کال سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کیوں کہ اس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ اس نے کاویری ندی کے کنارے پوہار اور کاویری پٹنم کو چولا سلطنت کا صدر مقام بنایا۔ وہ بہت بہادر حکمراں تھا۔ اس نے تنجور کے نزدیک وینی میں چیرا اور پانڈیہ حکمرانوں کو شکست فاش دی تھی۔ یہ فتح اس کی زندگی میں اہم موڑ ثابت ہوئی۔

ایک دوسری اہم لڑائی واگی پرانڈلئی میں لڑی گئی تھی، جس میں اس نے نو چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی متحدہ فوج کو شکست دی تھی۔اس نے ایک طاقت ور بحریہ کی بھی تشکیل کی تھی۔اس بحری فوج کی مدد سے اس نے شری لنکا پر فتح حاصل کی تھی اور وہاں سے بڑی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کرکے غلام بنالیا۔ان غلاموں کی مدد سے اس نے کاویری ندی پر ایک بہت بڑا پُل بنوایا۔وہ ویدی مذہب میں یقین رکھتا تھا۔اس نے کئی یگیہ بھی کروائے۔اس نے ایک بہترین نظام سلطنت بھی قائم کیا۔اس نے زراعت اور تجارت کو بہت فروغ دیا۔ایک عظیم فاتح ہونے کے ساتھ ساتھ وہ تمل ادب کا عظیم سرپرست بھی تھا۔اس نے اپنے دربار میں بہت سارے شعراء کی سرپرستی بھی کی۔

سنگم دور کا جنوبی ہندوستان

(Courtesy: Murugaṉ Cevvēḷ, https://www.quora.com/What-is-before-Chera-Chola-Pandya-where-Tamils-started)

کاری کال کے جانشیں بہت کم زور نکلے۔ جس کے نتیجے میں چولا سلطنت بہت تیزی سے روبہ زوال ہوئی۔ چیرااور پانڈیہ حکمرانوں نے اس سنہرے موقع کا فائدہ اٹھایااور اس کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیااور اس کی راجدھانی یوہار کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ جو علاقے باقی رہ گئے تھے،ان پر پلووں نے قبضہ جما کر چولوں کی طاقت کو لگ بھگ چوتھی صدی عیسوی میں ختم کر دیا۔ بعد میں چولوں نے نویں صدی میں ایک بار پھر اپنی طاقت کو مجتمع کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔

پانڈیہ (The Pandyas)

پانڈیہ ریاست جزیرہ نمائے ہند کے جنوبی کنارے اور جنوبی مشرقی حصّے کے درمیان میں واقع تھی۔اس میں موجودہ تمل ناڈو کے مدورا،تِن ویلی اور رام ند کے ضلعے شامل تھے۔ان کے دارالسلطنت کا نام مدورایامدورائی تھا۔ پانڈیہ ریاست جنوب کی ایک قدیم ترین ریاست تھی۔تاریخی ذرائع کی کمی کی وجہ سے اس ریاست کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں ہمیں کوئی خاص جانکاری نہیں ملتی۔اس ریاست کے بارے میں سب سے پہلے میگا ستھنیز نے اپنی کتاب انڈکا میں ذکر کیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ یہ ریاست موتیوں کے لیے مشہور تھی۔اس ریاست پر اس وقت ایک عورت کی حکمرانی تھی۔ سنگم ادب سے بھی ہمیں اس ریاست کے بارے میں جان کار حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ جانکاری تاریخ وار نہیں ہے۔ سنگم عہد میں جن پانڈیہ بادشاہوں نے حکومت کی ان میں پنڈوجیلیان نام کے حکمراں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ وہ 210ء میں تخت نشیں ہوا۔اس وقت وہ نابالغ تھا۔اس کی ریاست کو ہڑپنے کی غرض سے چولا، چیر اور پانچ دوسرے حکمرانوں نے متحدہ طور پر تنجور کے نزدیک تلیا نگنم میں حملہ کر دیا۔ مشکل کے ان لمحات میں نیڈوجیلیان نے بہت بہادری دکھائی اور اس نے دُشمن کی متحدہ فوج کو شکست دی۔ چیر حکمراں کو قید کرلیا گیا۔اس اہم فتح کے نتیجے میں نیڈوجیلیان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ وہ ایک بہت بڑا عالم بھی تھا۔اس لیے اس نے علوم وفنون کی بہت زیادہ سرپرستی کی۔ پانڈیہ ریاست بہت خوش حال تھی۔اس کے تجارتی تعلقات رومی سلطنت سے بھی تھے۔ تجارت کو فروغ دینے کے لیے پانڈیہ حکمرانوں نے رومی حکمراں آگسٹس سیزر کے دربار میں اپنے سفیر بھیجے تھے۔ یہ تجارت ریاست کے لیے بہت منافع بخش ثابت ہوئی۔

چیرا (The Cheras)

چیراشاہی گھرانے کی حکومت موجودہ کیرل کے اہم حصوں پر تھی۔اس وقت چیروں کی راجدھانی ونچی تھی۔اس گھرانے کا شاہی نشان ''کمان'' تھا۔ تونڈئی اور مسیری اس ریاست کے اہم بندرگاہ تھے۔ پہلا چیر حکمراں جس کے بارے میں جانکاری ملتی ہے وہ ادیانجیرل تھا۔اس کا مطلب ہے عظیم دعوت کھلانے والا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کروکشتر کی دونوں فوجوں کو بہت لذیذ کھانا کھلایا تھا۔ بہر حال اس میں شاعرانہ غلو بھی ہو سکتا ہے۔اس کے بیٹے نیڈن جرل ادن نے اپنے باپ سے زیادہ شہرت پائی اور اس نے اپنی سلطنت میں توسیع کی۔اس نے کئی تاجدار بادشاہوں پر فتح حاصل کی تھی اور اس طرح ادھیراج کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ایک جنگ میں وہ چولا حکمرانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ کتوون اس کا جانشیں بنا۔اس نے بھی حکومت کی سرحدوں میں توسیع کی۔ نیدل جیرن ادن کا دوسرا بیٹا سینگوتوون تھا۔ سینگوتوون کا مطلب

ہے منصف مزاج۔ وہ اپنے چچا کے بعد تخت پر بیٹھا۔ ایک عظیم حکمراں کی حیثیت سے اس نے بہت زیادہ شہرت پائی۔ سینگوتوون کے فوجی کارناموں کو مشہور رزمیہ نظم شلپادی کرم میں درج کیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے گنگا کو عبور کر کے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور یہاں کے حکمرانوں کو شکست دی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بہادری کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ سینگوتوون کی زندگی اور اس کی کامیابی آگے چل کر روایتوں کی صورت اختیار کر گئی۔ اس نے پٹنی پنتھ یا کنگی کی مثالی بیوی کی شکل میں پرستش کرنے کی رسم کی شروعات کی۔ سنگم عہد میں آخری چیر حکمراں کا ذکر الان جیرل ارم پورئی اور ماندرن جیرل ارم پورئی کے طور پر آتا ہے جس نے چولا اور پانڈیہ حکمرانوں سے جنگ کی تھی۔

5.4.1 سنگم ادب (Sangam Literature)

دراوڑی خاندان کی زبانوں میں تمل سب سے پرانی زبان ہے اور اس کا ادب قدیم ترین ادب سمجھا جاتا ہے۔ تمل کی سب سے پہلی کتابیں تمل ''سنگموں'' سے متعلق ہیں۔ سنگم کو آج کل کی اصطلاح میں علمی مجلس کہہ سکتے ہیں۔ یہ پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سنگم کتنی بار ہوئے اور کتنے دنوں تک چلے۔ آٹھویں صدی عیسوی کے درمیانی دور سے تعلق رکھنے والی ایک کمنٹری میں بتایا گیا ہے کہ تین سنگم ایسے تھے جو 9990 تک قائم رہے۔ ان میں 8598 شعراء نے شرکت کی اور انہیں 187 پانڈیہ بادشاہوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ اس کے بیان میں غلو سے کام لیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے سنگم کا پورا ادب ضائع ہو گیا۔ دوسرے سنگم کی ایک تصنیف باقی رہ گئی۔ تیسرے سنگم کا بہت زیادہ ادب محفوظ رہا۔ سنگموں کے اراکین بڑے بڑے علماء و فضلا ہوتے تھے جن کی سرپرستی پانڈیہ راجا کرتے تھے۔ ہر سنگم چند ممتاز شاعروں اور مستند عالموں پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ شعراء اور علماء ان کتابوں پر جو ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں، اپنی مہر توثیق ثبت کرتے تھے۔

تاریخی دور کے شروع میں تمل زندگی کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی بنیاد سنگم ادب پر ہے۔ آج تک ملنے والا سنگم ادب جو اس طرح کی علمی مجلسوں کی پیداوار تھا تقریباً 300-500 قبل مسیح میں مرتب کیا گیا۔ لیکن اس ادب کے بعض حصوں کا تعلق دوسری صدی عیسوی سے معلوم ہوتا ہے۔ سنگم ادب کو عام طور پر دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. بیانیہ
2. ناصحانہ

بیانیہ متن، میل کنکّو (*Melkanakku*) یا اٹھارہ اشعار کہلاتے ہیں۔ ان میں آٹھ منتخب کلام اور دس دیہات کے دلکش مناظر پر ناصحانہ کہانیاں ہیں۔ اسی طرح، کل کنکّو (*Kilkanakku*) یا اٹھارہ چھوٹے کارنامے کہلاتے ہیں۔ یہ ناصحانہ مختصر گیتوں کا مجموعہ ہے۔ تیسرے سنگم سے حاصل ادب کو تین حصوں ''ایٹّوٹوکائی''، ''پٹوپٹّو'' اور ''پدی نین کل کنکّو'' میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

- **ایٹّوٹوکائی (*Ettuttokai*) آٹھ مجموعہ ہائے اشعار:** اس کی شاعری کہیں معروف نہیں ہے اور اس کی زبان نامانوس ہے۔ یہ شاعرانہ ادب کا بڑا ضخیم و طویل مجموعہ ہے۔ اس میں دو ہزار سے زائد نظمیں ہیں جو دو سو سے زائد شعراء سے منسوب ہیں۔

- **پتّوپتّو** (*Pattupattu*) **دس نغمے**: اس میں اسی اسلوب کی دس طویل تر نظمیں ہیں لیکن وہ کچھ بعد میں لکھی گئی ہیں۔اس میں مشہور شاعر نکیّر کی تخلیق بھی شامل تھی۔اس میں تمل دیوتا مرُگن اوراس کے مندروں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔
- **پدی نین کل کنکّو** (*Padinenkilkanakku*) اٹھارہ ناصحانہ مختصر گیتوں کا مجموعہ ہے۔
- **تولکّاپیم** (*Tolakkappium*): دوسرے سنگم سے متعلق صرف ایک کتاب تولکاپیم ملتی ہے۔یہ دراصل قواعد پر ایک رسالہ ہے لیکن اس میں دیگر مواد بھی کافی ہیں جس سے لوگوں کے رسوم ورواج پر روشنی پڑتی ہے۔

منتخب کلام کی بیاضیں (Select Literary Texts)

تمل کا باقی ماندہ کلاسیکی ادب تیسرے سنگم سے متعلق ہے۔اسے دوحصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔اول شعرا کے منتخب کلام کی بیاضیں،دوم رزمیہ نظمیں۔اول الذکر میں دس نظمیں ایسی ہیں جن کا موضوع کوئی دلکش منظر ہے۔اس میں نکیر کی ندونل وادی سب سے اہم اور معروف ہے۔اس میں ایک پانڈیہ راجا کے،جو اپنے لشکر کے خیمے میں ہے اور اس کی اداس رانی کے جو محل میں شوہر کی جدائی کے غم میں گھل رہی ہے،جذبات واحساسات کا فرق بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ایک دوسری نظم رودّرن کنّانر کی پٹّی نپائی ہے جس میں ہیرو کی ذہنی کشمکش کی عکاسی بڑی خوب صورتی سے کی گئی ہے۔ہیرو کا دل دو متضاد جذبات کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔دِل ایک طرف کہتا ہے میدانِ جنگ میں جانا چاہیے وہیں دوسری طرف یہ خیال بھی آتا ہے کہ گھر پہنچ کر محبوبہ سے ملاقات کرنی چاہیے۔اس کے علاوہ نظموں کے آٹھ مجموعے ہیں جن میں پُرنا رورو بہت مشہور ہے۔اس میں تمل کے ممتاز شعرا کپّی لر،آدئی اور کودِر کار اور دوسرے ڈیڑھ سو شعراء کا کلام ہے۔یہ نظمیں شاعرانہ اور ادبی محاسن کے علاوہ ایسے مواد کی حامل ہیں جسے تمل باشندوں کی سماجی تاریخ کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔تیسری قسم میں چھوٹی چھوٹی ناصحانہ نظمیں ہیں جن میں تروولوور کی 'ترکرّل' (*Tirukkural*) یا 'کُرل' (Kural) بہت مشہور ہے۔اس کی تعلیمات کو تمل باشندے روحانی فیضان کا ابدی ذریعہ اور زندگی کے لیے مشعل ہدایت سمجھتے ہیں۔اس میں فلسفہ اور حکیمانہ اقوال کو یکجا کیا گیا ہے۔اس میں ایک دوسری نظم نالہ دیار ہے جو واعظانہ اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے۔یہ اپنے اسلوب کے اعتبار سے زیادہ رسمی اور ادبی ہے۔

رزمیہ نظمیں (War Epics)

آخر الذکر حصّہ دس رزمیہ نظموں پر مشتمل ہے جس میں صرف سات باقی رہ گئی ہیں۔تین ضائع ہو گئی ہیں۔ان سات میں سے دو سلپادِ کرم اور منی میکلئی تمل ادب میں بہت بلند مقام رکھتی ہیں۔ان کا مقابلہ رامائن اور مہابھارت سے کیا جاتا ہے۔ان میں ایسے مواد ہیں جن کی بنیاد پر تمل باشندوں کی ابتدائی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔سلپادی کرم اور منی میکلئی دونوں کی تصنیف چھٹی صدی عیسوی میں عمل میں آئی۔ان میں سے پہلا تمل ادب کا سب سے زیادہ روشن ہیرا سمجھا جاتا ہے۔اس نظم کا خالق النگو ودگل ہے جو عظیم چیرا راجا سنگو تو ون کا چھوٹا بھائی تھا اور کاری کال کا پوتا تھا۔لیکن اس روایت کی صداقت پر یقین کرنا مشکل ہے۔

سلپادکرم (*Silappadigaram*): تمل میں سلپاد کرم کے معنی ہیں وہ کہانی جس کا مرکز پازیب ہے۔کہانی کا ہیرو کوولن ایک طوائف

مادھوی کے عشق میں مبتلا ہو کر دیوانہ وار اپنی ساری دولت پھونک دیتا ہے۔ لیکن کچھ دنوں بعد اسے ہوش آتا ہے تو وہ اپنی وفادار و باعصمت بیوی کنگیؔ کے پاس واپس لوٹتا ہے۔ پھر دونوں باہم مدورا کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر کوولن پازیبوں کی جوڑی بیچ کر جو اس کی بیوی کا آخری زیور ہے، کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک پازیب لے کر کوولن مدورا کے شاہی سنار کے پاس جاتا ہے۔ سنار نے راجا کا اس جیسا ایک پازیب کبھی پہلے چرا رکھا ہے۔ کوولن کا یہ پازیب دیکھ کر سنار چوری کا الزام کوولن پر لگاتا ہے۔ راجا بغیر کسی تحقیقات کے کوولن کو سزائے موت دیتا ہے۔ اس کی پریشان حال بیوی اپنے شوہر کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے دوسرا پازیب راجا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ پانڈیہ راجا اپنے کیے پر غم وندامت کے جذبات سے مغلوب ہو کر جان دے دیتا ہے۔ اس کے بعد کنگی مدورا شہر کے حق میں بددعا کرتی ہے جس کے اثر سے تمام شہر پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے اور پورا شہر جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ کنگی آسمان پر جا کر اپنے شوہر سے مل جاتی ہے اور اسے عصمت وعفت کی دیوی تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

منی میکلئی (*Manimekalai*): دوسری نظم منی میکلئی دراصل سلپادکرم کا ہی تتمہ ہے اور اسی زمانے کی تخلیق ہے۔ اس کا مصنف سیتولائی ستانر مدورائی کا ایک غلہ بیوپاری تھا۔ یہ بدھ مت کا ادب ہے۔ اس میں مہایان بدھ مت کے تعلق سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ہیروئن منی میکلئی کوولن کی وہ بیٹی ہے جو مادھوی طوائف کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ کنگی سے سبق لیتی ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر میں بدھ بھکشو بن جاتی ہے۔

جیوکا چنتامنی (*Jeeviga Chintamani*): اس رزمیہ کی تخلیق ترِت تکدیورنے کی تھی۔ وہ ایک چولا شہزادہ تھا جو بعد میں جین بھکشو بن گیا۔ یہ رزمیہ ایک ایسے شخص کی کہانی پر قائم ہے۔ جو جنگ اور امن دونوں ہی ہنر میں ماہر ہے۔ اس نے اپنی جوانی میں بہادری کے کئی کارنامے انجام دیے تھے اور اپنے لیے ایک عظیم سلطنت قائم کی تھی۔ آخر میں وہ اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاتا ہے اور جنگل چلا جاتا ہے۔ وہیں وہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اس رزمیہ میں عظیم شاعری کی بھی خوبیاں موجود ہیں۔

5.4.2 سماجی حالت (Social Conditions)

سنگم ادب، سنگم عہد کے معاشرے اور ثقافت پر روشنی ڈالتا ہے۔ سنگم عہد میں تمل سماج مختلف طبقوں میں منقسم تھا۔ سنگم ادب میں چھتری اور ویش کو باقاعدہ طبقوں کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے۔ سپاہیوں کا طبقہ سماجی اور سیاسی دونوں نظام کا حصہ تھا فوج کے سپہ سالار کو ایک مخصوص تقریب یا جلسے میں ''اناڈی'' کا خطاب دیا جاتا تھا۔ چول اور پانڈیہ راجاؤں کے زمانے میں امیر کسانوں (ولالوں) کو شہری اور فوجی عہدے دیئے جاتے تھے۔ سنگم ادب سے جنوبی ہند میں چیٹیؔ (تجارتی طبقہ) کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ تولکاپیار نے اسے ''ویزگار'' کہا ہے۔ اس عہد میں حکمراں طبقے کو ''ارسر'' کہا جاتا تھا۔ سماج میں اس طبقے کو اعلا مقام حاصل تھا۔ ان کی خدمت میں بڑی تعداد میں نوکر چاکر موجود رہتے تھے۔ دربار میں شاعروں، مغنّیوں اور رقاصاؤں کی بھرمار ہوتی تھی۔ حکمراں طبقے کے بعد سماج میں برہمنوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ وہ انتظامی امور میں راجا کو مشورے دیتے تھے۔ اس عہد میں چوں کہ یگیوں کا رواج شروع ہو گیا تھا اس لیے برہمنوں کی عزت و توقیر میں اور

اضافہ ہوا۔ بہت سارے برہمن شاعری کرتے تھے اور راجا کی مدح میں نظمیں لکھا کرتے تھے۔ برہمنوں کو حکومت کی جانب سے مختلف قسم کی سہولیات عطا کی گئیں تھیں۔ ان کے قتل کو جرم عظیم تصور کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد بڑے کسانوں کو رتبہ حاصل تھا۔ اس وقت دولت مند کسانوں کو ''ولال'' کہا جاتا تھا۔ ان کی بڑھی ہوئی اہمیت کی وجہ سے ہی ان کے اور ارسروں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے قائم تھے۔ اس عہد میں سماج کئی اور طبقوں میں منقسم تھا۔ شعرا نے انتہائی ہمدردی کے ساتھ ان سبھی لوگوں کا ذکر کیا ہے مثلاً جاہل اور ڈاکہ زنی میں مصروف افراد، ان کے علاوہ شکاریوں (ایبز) جو اپنی جھونپڑیوں میں تیر اور ڈھال رکھتے تھے یا وہ چرواہے جو جانور پالتے تھے اور دہی اور گھی فروخت کرتے تھے۔ سنگ عہد میں ہمیں غلامی کے رواج کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ اس معاشرے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں پجاریوں کا غلبہ نہیں تھا۔

اس عہد میں امیر آدمی اینٹ اور چونے سے بنے ہوئے پختہ مکانات میں رہا کرتے تھے۔ مکانوں کی دیواروں پر اکثر دیوی دیوتاؤں اور جانوروں کی زندگی سے متعلق تصویریں بنی رہتی تھیں۔ شاہی محلات کے گرد نواح میں باقاعدہ عام افراد شہروں اور دیہاتوں میں معمولی مکانات میں رہتے تھے۔ ذات سے خارج افراد اور جنگلی قبائل جھونپڑیوں میں رہا کرتے تھے۔ سنگم نظموں میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پولٹی یان رسی کی چارپائیاں بناتے تھے۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ لوگ چٹائی کے طور پر جانوروں کی کھالیں استعمال کرتے تھے۔ پتینا پالٹی میں لوہار کے ماہی گیروں (ہردوار) کی زندگی کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سنگم عہد میں عورتوں کی حالت بہت زیادہ بہتر نہیں تھی۔ عورتیں تعلیم حاصل کر سکتی تھیں۔ انہیں درباری رقص، عوامی رقص، مصوری اور دوسرے فنون سے متعلق تعلیم دی جاتی تھی۔ سنگم ادب میں کچھ ایسی عورتوں کا ذکر ملتا ہے جو اعلا درجے کی شاعرات تھیں۔ ان میں نچے لیر اور آویر کے نام قابل ذکر ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کا خاندان میں بہت احترام کیا جاتا تھا۔ وہ اکثر خانگی امور کی نگہ داشت کرتی تھیں۔ اس وقت عورتوں کو دولت کے حق سے محروم رکھا گیا تھا۔ اس طرح وہ مردوں کے زیر دست رہتی تھیں۔ وہ انتظامی امور میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں۔ نچلے طبقے کی عورتیں کھیتوں میں مردوں کے ساتھ کام کرتی تھیں۔ کچھ عورتیں کتائی بنائی کے کاموں میں مشغول رہتی تھیں۔ بعض عورتیں شاہی دربار میں راجا کے محافظ کے طور پر خدمات انجام دیتی تھیں اور کچھ وہاں رقص و سرود کے کام میں مشغول ہوتی تھیں۔ سماج میں قحبہ گری کا بہت زیادہ رواج تھا۔ معاشرے میں بیوہ عورتوں کی حالت اچھی نہیں تھی۔ انہیں سجنے سنورنے کا اختیار نہیں تھا۔ خاندان میں خوشی کے مواقع پر عام طور پر شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ ان وجوہات کو بنا پر بہت سی عورتیں ستی ہو جانے کو ترجیح دیتی تھیں۔ سماج میں رائج کثیر زوجگی کی وجہ سے عورتوں کی حالت اور بھی خراب ہو گئی تھی۔

سنگم عہد کے لوگ اپنی خوراک میں سبزی اور گوشت دونوں چیزوں کا استعمال کرتے تھے۔ ان کی خاص خوراک چاول اور مچھلی تھی۔ اعلا طبقے کے لوگ کئی طرح کے مزہ دار کھانا کھاتے تھے۔ ان میں کئی طرح کے گوشت بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ وہ کئی طرح کی سبزیاں اور پھلوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ وہ غیر ملکی شراب پیتے تھے اور دوسری طرح کے نشہ کے بھی شوقین تھے۔ تمل برہمن بھی گوشت خور تھے اور شراب نوشی کرتے تھے۔ عوام الناس بھی بھیڑ، بکری، سور اور مچھلی کا گوشت استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دودھ اور دودھ سے بنی اشیا سبزیوں اور پھلوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ وہ ناریل کا پانی، تاڑی اور گنے کا رس پینے کے شوقین تھے۔ اس وقت لوگ

پان اور سپاری کھانے کے بہت شوقین تھے۔

سنگم عہد کے لوگ کئی طرح کے لباس استعمال کرتے تھے۔ عوام سوتی کپڑے پہنتے تھے جب کہ دولت مند افراد ریشمی کپڑے زیب تن کرتے تھے۔ اس وقت عورتوں اور مردوں دونوں کے درمیان زیورات پہننے کا رواج تھا۔ یہ زیورات سونے اور چاندی کے ہوتے تھے۔ عورتیں پھولوں سے کئی طرح کا سنگھار کرتی تھیں۔

سنگم عہد کے لوگ کئی طرح سے تفریح طبع کا سامان کرتے تھے۔ اس وقت لوگوں کو نظمیں لکھنے اور سننے کا بہت شوق تھا۔ اس وقت لوگوں کے درمیان موسیقی اور رقص کا بھی بہت رواج تھا۔ مغنیوں، رقاصوں اور رقاصاؤں کے گروہ گھوم گھوم کر لوگوں کی تفریح کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف کھیلوں اور تقاریب کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ کشتی، مکہ بازی، پانسہ کھیلنا، کتوں اور خرگوشوں کا شکار کرنا بھی لوگوں کی تفریحات میں شامل تھے۔ بوڑھے افراد جوا کھیلتے تھے۔ لڑکیاں اور عورتیں مکان کے چھجوں پر گولیاں کھیلتی تھیں۔ سنگم نظموں میں مرد اور عورتوں کا ساتھ غسل، پکنک کے لیے پارٹیوں میں جانا اور منرم میں بچوں کا چھوٹے تیر اور کمان کے ساتھ کھیلنے کا ذکر ملتا ہے۔

اس عہد میں رقص اور موسیقی کے فنون بہت ترقی یافتہ اور مبقول عام تھے۔ موسیقی کے میدان میں مختلف قسم کے باجوں کا ذکر ملتا ہے جس میں کئی طرح کے یال (وین کی طرح کا اک تارہ) اور ڈھول شامل تھے۔ کاریکال کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ موسیقی کے سات سروں کا ماہر تھا۔ بانسری کے متعلق کہا گیا ہے کہ ''یہ دہکتی ہوئی آگ سے بنائی گئی ہے سیاہ سوراخ والی بنسی ہے۔'' موسیقی کے نغمات کے لیے مناسب وقت اور جگہ مقرر تھی۔

سنگم معاشرہ ایک مہذب سماج تھا۔ اس وقت سماج میں تعلیم کا بہت زیادہ رواج تھا۔ عورتوں کو بھی تعلیم کے لیے حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ تعلیم زیادہ تر زبانی ہوتی تھی۔ اس وقت تعلیم کے لیے ادبی جلسوں کا رواج عام تھا۔ ان میں بڑے بڑے علماء شریک ہوا کرتے تھے۔ اس وقت تعلیم کے خاص موضوعات وید، رامائن، مہابھارت، ریاضی، فن حرب اور علم نجوم وغیرہ تھے۔ عورتوں کو امور خانہ داری، رقص اور موسیقی کے فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس عہد میں دعوت دینے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا تھا۔ ان مواقع پر شعرا کو مدعو کیا جاتا تھا۔ شعرا نے لذیذ کھانوں کے بیان کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ہے۔ ایک شاعر اپنے سرپرست سے یوں مخاطب ہے۔ ''میں اس خیال سے یہاں آیا تھا کہ ہم لوگ شوربہ دار گوشت کی بوٹیاں جنہیں ابال کر ٹھنڈا کر لیا گیا ہو اور جو جولاہن کی صاف کی ہوئی روئی کی طرح ملائم ہوں گی، کھا سکیں گے اور بڑے بڑے برتنوں میں بھری ہوئی تاڑی پی سکیں گے۔'' ایک دوسرا شاعر کاریکال کے دربار میں ہیرے اور جواہرات سے سجی ہوئی مسکراتی ہوئی عورتوں کا طلائی میناؤں میں شراب انڈیلنے کا منظر بیان کرتا ہے۔ ان دعوتوں میں مسلم جانور کا گوشت، دودھ سے تر حلوہ (آپم)، کچھوں کا گوشت اور مخصوص قسم کی مچھلیاں ہوتی تھیں۔

5.4.3 معاشی حالت (Economic Conditions)

سنگم ادب سے ہمیں ہم عصر معاشی حالات کے بارے میں اہم جانکاری ملتی ہے۔اس عہد میں تمل دیش کے باشندے معاشی طور پر بہت خوش حال تھے۔ان کی خوش حالی کی خاص بنیاد زراعت اور تجارت تھی۔ سنگم عہد میں لوگوں کا خاص پیشہ زراعت تھا۔ سنگم ادب سے ہمیں یہ جانکاری ملتی ہے کہ اس وقت جنوبی ہندوستان کی زمین بہت زیادہ زرخیز تھی۔ کاویری ندی کا ڈیلٹا والا علاقہ اپنی زرخیزی کے لیے اس قدر مشہور تھا کہ اس وقت یہ کہاوت مشہور تھی کہ جتنی زمین پر ایک ہاتھی بیٹھنے پر جگہ گھیرتا ہے اتنے میں سات افراد کے لیے غلہ اپجایا جا سکتا ہے۔اس وقت سینچائی کا عمدہ انتظام تھا۔ سنگم عہد کے حکمرانوں نے نہروں، کنوؤں اور تالابوں کی تعمیر کروائی تھی۔اس عہد میں زراعت میں استعمال کے لیے لوہے کے اوزار بنائے جائے گئے تھے جس سے انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔اس عہد میں فصلیں خوب پیدا کی جاتی تھیں۔ چاول، گنا اور راگی اس عہد کی خاص فصلیں تھیں۔ان کے علاوہ اس عہد میں گول مرچ، کٹہل، ناریل، ہلدی، مختلف قسم کی سبزیاں، پھلوں اور دوسرے اناجوں کی بھی پیداوار ہوتی تھی۔اس وقت ولال (Vellalas) یا دولت مند کسان بڑے بڑے کھیتوں کے مالک ہوتے تھے، وہ بذات خود کھیتی نہیں کرتے تھے۔ یہ کام وہ مزدوروں سے کرواتے تھے جنہیں کڈے سیار (Kadaisiyar) کہا جاتا تھا۔ان میں زیادہ تر عورتیں ہوتی تھیں۔ حکومت کسانوں سے محصول وصول کرتی تھی جو کل پیداوار کا چھٹا حصہ ہوتا تھا۔ یہ سرکار کی آمدنی کا خاص ذریعہ تھا۔ کسانوں کو یہ چھوٹ حاصل تھی کہ اپنا محصول نقد یا جنس، کسی بھی شکل میں دے سکتے تھے۔ کسی بھی قدرتی آفت کے وقت محصول یا تو معاف کر دی جاتی تھی یا اس میں تخفیف کر دی جاتی تھی۔

سنگم عہد میں زراعت کے ساتھ صنعتوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔اس عہد کی سب اہم ترین صنعت کپڑے کی صنعت تھی۔ یہاں سوت، ململ اور ریشم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے۔ یہاں تیار کی جانے والی ململ دنیا بھر میں مشہور تھی۔ یہاں سوت کاتنے کا کام عورتوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ سنگم ادب میں سوتی اور ریشمی کپڑوں کی پیچیدہ بنائی کا ذکر آیا ہے۔ پیری پلس کے مطابق اُرے یور سوتی کپڑوں کی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ سوتی کپڑوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سانپ کی کینچل یا بھاپ کے بادلوں سے بھی زیادہ باریک ہوتے تھے۔ کتائی اتنی نفیس ہوتی تھی کہ آنکھ سے دھاگا مشکل سے دکھائی دیتا تھا۔اس کے علاوہ اس وقت زیورات بنانے، ہاتھی دانت اور چینی کی صنعتیں بھی مشہور تھیں۔ لوگ قینچی اور سوئی کے بھی استعمال سے واقف تھے۔ قینچی بال کاٹنے اور سوئی سوتی کپڑے کی سلائی میں کام آتی تھی۔

سنگم عہد میں تجارت کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بیرونی اور اندرونی تجارت پورے طور پر منظم تھی۔اس امر کی تصدیق تمل زبان کی نظموں، کلاسیکی مصنفین اور جنوبی ہند کے آثار قدیمہ سے ہوتی ہے۔ بڑے بڑے بندرگاہوں والے شہر بیرونی مال کی منڈیاں تھے۔اس عہد میں ہندوستان کے تجارت تعلقات روم، مصر، عرب، یونان، ملایا اور چین جیسے ممالک سے تھے۔ نظموں میں پانڈیہ دیش کے شالی پور اور چیر دیش کے رکھے بانورا کا شمار مشہور بندرگاہوں میں ہوتا تھا۔ پانڈیہ سلطنت نیز دوسرے مقامات میں بحری راستوں کے ذریعہ گھوڑوں کی درآمد ہوتی تھی۔ پیری پلس کے مطابق نورا (کنانور) موزیرس (موشیری، گرنگانور) اور کوٹائم کے بہت نزدیک نیل سنڈا مغربی ساحل پر بہت اہم بندرگاہ تھے۔ بسار (پورکڈ) اسی ساحل پر دوسرا بندرگاہ تھا۔ تجارت کے بارے میں مصنف کہتا ہے کہ "ان بازاروں میں بڑی مقدار میں کالی

مرچ اور میل بتھرم ملتا تھا۔ جن اشیا کی ملک میں درآمد کی جاتی تھی ان میں بڑی مقدار میں سکے، پکھراج، باریک کپڑے، چھپے ہوئے کپڑے، سرمہ، مونگا، خام شیشہ، تانبا، ٹین اور شراب اور ہرتال نیز جہاز کے ملاحوں کی ضرورت کے مطابق گیہوں شامل تھا۔ جن چیزوں کی برآمد کی جاتی تھی ان میں سیاہ مرچ شامل تھی جو ان بازاروں کے نزدیک صرف ایک علاقہ میں جو کوٹانارا نامی ضلع میں بڑی مقدار میں پیدا کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑی مقدار میں نفیس موتی، ہاتھی دانت، ریشمی کپڑے، گنگا کے کنارے واقع علاقوں سے حاصل ایک خوشبودار بوٹی، اندرونی علاقہ سے حاصل شدہ میل بتھرم، ہر قسم کے شفاف پتھر، ہیرے، نیلم اور کچھوے کے خول شامل تھے۔ یہ خول جزیرۂ کرائزاور ڈمیریکا کے ساحل پر واقع جزیروں سے حاصل کیے جاتے تھے۔

اس عہد میں اندرونی ملک بھی خوب سر گرم تجارت چل رہی تھی۔ گاڑیوں اور بار برداری کے جانوروں پر تجارتی سامان لدے ہوئے تاجروں کا قافلہ ایک جگہ سے دوسرے جگہ اور ایک میلے سے دوسرے میلے چلتا رہتا تھا۔ جنوبی ہندوستان کے کئی تاجر شمالی ہندوستان کے بازاروں میں اپنے مال واسباب لے کر آتے تھے اور یہاں سے ضروری اشیا جنوبی ہندوستان لے جاتے تھے۔ اس وقت کے تاجر ایمان دار اور راست باز ہوتے تھے۔ وہ شاذونادر ہی اپنے گاہکوں کا استحصال کرتے تھے۔ اندرونی تجارت مبادلے کی اشیا (Barter System) کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اس زمانے میں نمک ایک اہم تجارتی شے تھی۔ اس کے تاجر بیل گاڑی پر اپنے خاندان والوں کو لادے ہوئے تجارت کرتے تھے۔ تجارتی اشیا کی ادلا بدلی شہد، جڑی بوٹیاں، مچھلی کا تیل اور تاڑی کے عوض کی جاسکتی تھی۔ گنا اور چاول کی پاپڑی (اول)، ہرن کے گوشت اور نشہ لانے والی پینے کی چیز کے بدلے حاصل کی جاسکتی تھی۔ مشیری میں دھان کے عوض مچھلی دی جاسکتی تھی۔

5.4.4 مذہبی حالت (Religious Conditions)

سنگم عہد کے ادب کے مطالعے سے اس وقت کے مذہبی حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مذہب کا تعلق رسومات اور کچھ مخصوص مابعد الطبعات خیالات سے تھا ان کے رسومات بشری خصوصیات والے دیوی دیوتاؤں کی پرستش سے جڑے تھے۔ سنگم کے تمل راجا ہندو مذہب میں عقیدت رکھتے تھے۔ راجا بڑے بڑے یگیوں میں شریک ہوتا تھا۔ معاشرے میں برہمن کو عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ مرُوگن یا سبرامنیم یہاں کے لوگوں کا خاص دیوتا تھا۔ تمل ادب میں اس دیوتا کی بہت تعریف و تحسین کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں سے خاص وشنو، شِو، اندر، برہما، کرشنا، درگا اور سرسوتی وغیرہ تھے۔ کانچی پور کے اونتا میں شیکھ پر سوئے ہوئے وشنو کا ذکر پرم پاناڑ وپّڑے میں ملتا ہے۔ اس کے سانڈ نندی، اور اس کے گن کا ایک ساتھ ذکر پرنانورو کے دعائیہ اشعار میں ملتا ہے۔ اندر کے مندر کا ذکر سلپادی کرم میں ملتا ہے۔ منی میکلے میں کہا گیا ہے کہ ویلالول اندر کا تہوار ہے۔ عورت، مرد اور بچے مندروں میں جاکر ان دیوی دیوتاؤں کو نذرانے پیش کرتے تھے اور اپنی مرادوں کی تکمیل کے مقصد سے بھجن گاتے اور دعائیں کرتے تھے۔ بہت سے لوگ مندروں میں رقص بھی کرتے تھے۔ دیوتاؤں کی پوجا کے طریقے شمالی ہندوستان سے مماثلت رکھتے تھے۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے جانوروں کی قربانیاں بھی دی جاتی تھیں۔ اس عہد میں مہابھارت اور دیومالائی قصوں کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ لوگ تلسی کو بہت پاکیزہ مانتے تھے اور اس سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔ جنوبی ہندوستان میں ویدک تہذیب کے پھیلانے کا سہرا اگستیہ رشی کے سر جاتا ہے۔ سنگم عہد

کے مذہب میں برہمنوں کو اہم مقام حاصل تھا۔ برہمن ویدی یگیوں کا اہتمام کراتے تھے اور اپنا وقت تعلیم و تعلم میں لگاتے تھے۔ ان کا دوسرے مذہب کے پیروکاروں سے مناظرہ و مکالمہ ہوتا رہتا تھا۔ بہت سے لوگ ''ستی'' عورت کی اور دوران جنگ کام آئے فوجیوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ لوگ تناسخ کے عقیدے اور اعمال کے اصولوں پر بھی یقین رکھتے تھے۔

سنگم عہد کی نظموں میں عوام کے اعتقادات اور رسوم و رواج کے بارے میں جابجا مفید اشارے ملتے ہیں۔ لوگ علم نجوم اور شگون میں بہت یقین رکھتے تھے۔ نجومیوں کا کاروبار خوب چلتا تھا۔ لوگ بھوت پریت اور جادو ٹونوں میں یقین رکھتے تھے۔ بکھرے ہوئے بال والی عورت کو برا شگون خیال کیا جاتا تھا۔ بچوں کو بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھنے کے لیے تعویذ پہنائے جاتے تھے۔ راکششوں سے محفوظ رہنے کے لیے، بارش نیز دوسری خواہشات کی تکمیل کے واسطے عبادت کی جاتی تھی۔ برگد کے درخت کے بارے میں یقین کیا جاتا تھا کہ اس پر دیوتا قیام کرتے ہیں۔ گرہنوں کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ یہ اس وقت واقع ہوتے ہیں جب سانپ سورج اور چاند کو نگل جاتے ہیں۔ کوے کے بولنے پر مہمان کی آمد کی توقع کی جاتی تھی اور یہ بھی یقین کرتے تھے کہ اس میں ایسی عورتیں جس کے شوہر پردیس گئے ہوں کے لیے شوہر کے آنے کی اطلاع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوؤں کو کھانے کا انتظام تقریباً تمام گھروں میں یہاں تک کہ شاہی محلوں کے سامنے بھی کیا جاتا تھا۔ غریب اور نادار لوگوں کو بڑی تعداد میں کھانا کھلایا جاتا تھا۔

اس وقت لاشوں کی تجہیز و تکفین کا بھی رواج شروع ہو چکا تھا مگر کوئی ایک طریقہ رائج نہیں تھا۔ اس طرح کا ذکر ملتا ہے جس میں مردے کو جلایا جاتا تھا یا گڈھا کھود کر دفن کر دیا جاتا تھا۔ وہ لاشوں کے ساتھ کچھ ضروری اشیا بھی دفن کر دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اشیا ان کو دوسری دنیا میں کام آئیں گی۔ ایک بیوہ عورت گھاس کے بستر سے اپنے متوفی شوہر کو چاول کا پنڈ دیتی تھی۔ ستی کا رواج تھا مگر عام نہ تھا۔ عام طور پر اس عورت کی بہادری اور شوہر پرستی کی تعریف کی جاتی تھی جو اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہو جاتی تھی۔ ستی کا رواج نافذ کرنے پر زور نہیں دیا جاتا تھا اور اس کی ہمت افزائی بھی نہیں کی جاتی تھی۔ اس بیوہ کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو اپنے خاوند کی چتا میں بے خوف و خطر داخل ہو جاتی تھی۔ اس وقت مدورائی، پوہار، ناگا پٹنم اور کانچی وغیرہ ہندوؤں کے خاص مذہبی مراکز تھے۔ تمل راجا بہت وسیع المشرب تھے۔ اس کے نتیجے میں اس وقت ہندو مذہب کے ساتھ ساتھ جین مت اور بدھ مذہب نے بھی ترقی پائی۔ اس وقت مدورائی جین مذہب کا اور ناگا پٹنم اور ٹوڈا منڈلم بدھ مذہب کے مشہور تبلیغی مراکز تھے۔

5.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں سنگم دور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ سنگم ادب، اشوک کے کتبول، کھارویل کے کتبہ، رومی اور یونانی مآخذ سے اس دور کے سیاسی سماجی، معاشی اور مذہبی حالات کا پتہ چلتا ہے۔ اس عہد میں جنوبی ہندوستان میں تین شاہی خاندانوں چولوں، پانڈیوں اور چیراؤں کی حکومتیں تھیں۔ ابتدائی چولا حکمرانوں میں کاری کال سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ پانڈیہ ریاست کے بارے میں سب سے پہلے میگا ستھنیز نے اپنی کتاب انڈیکا میں ذکر کیا ہے۔ پانڈیہ حکمرانوں میں پنڈوجیلیان نام کے حکمراں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ چیر

شاہی خاندان موجودہ کیرل کے علاقوں پر حکومت کر رہا تھا۔اس خاندان کا سب سے مشہور حکمراں سینو گٹون ہوا ہے۔یہ حکومتیں ریاست کے حدود میں وسعت کے لیے آپس میں بر سر پیکار رہتی تھیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تجارتی تعلقات بیرونی ممالک سے بھی تھے۔بیرونی ممالک میں ان کے تجارتی تعلقات بطور خاص روم، مصر، یونان، ملایا اور چین جیسے ممالک سے تھے۔سنگم عہد کا سماج مختلف طبقوں میں منقسم تھا۔حکمراں طبقے کو ارسر کہا جاتا تھا۔اس کے بعد سماج میں برہمن کو اونچا مقام حاصل تھا۔ان کے بعد بڑے کسانوں کو اہمیت حاصل تھی جنہیں ولال کہا جاتا تھا۔عورتوں کی حالت بہت اچھی نہیں تھی۔سنگم عہد کے لوگ سبزی اور گوشت دونوں کھاتے تھے۔اس عہد میں رقص اور موسیقی کے فنون کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔سنگم معاشرہ ایک مہذب سماج تھا۔سنگم عہد کے مطالعے سے اس وقت کے مذہبی حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔اس عہد کے تمل راجا ہندو مذہب کے پیرو کار تھے۔مروگن اور سبرامنیم اور ان کے خاص دیوتا تھے۔برہمن کو بہت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔عوام کا علم نجوم اور شگون میں بہت یقین تھا۔لوگ بھوت پریت اور جادو ٹونوں میں بہت یقین رکھتے تھے۔تجہیز و تکفین کوئی ایک طریقہ رائج نہیں تھا۔ستی کا رواج تھا مگر عام نہ تھا۔اس عہد کے حکمراں وسیع المشرب تھے۔اس وقت ہندو مذہب کے ساتھ جین مت اور بدھ مت بھی رائج تھا۔

5.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

مسکوکاتی	:	سکوں سے متعلق
کلابھر	:	خراب حکمراں
قحبہ گری	:	طوائف کا پیشہ
رقص و سرود	:	ناچ گانا
کثیر زوجگی	:	ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا
راست باز	:	سچا

5.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. سنگم ادب کی تخلیق کس زبان میں کی گئی؟
2. کل کتنے سنگم کا انعقاد کیا گیا تھا؟
3. دوسرے سنگم کا انعقاد کہاں کیا گیا تھا؟
4. اتیت تھوکئی کتنی نظموں کا مجموعہ ہے؟
5. تولکا پیم کا موضوع کیا ہے؟

6. سنگم عہد میں حکمراں طبقہ کیا کہلاتا تھا؟
7. سنگم عہد کی اہم صنعت کیا تھی؟
8. سنگم عہد کا مقبول ترین دیوتا کون تھا؟
9. سنگم عہد کی بندرگاہ کون سی تھی؟
10. سنگم عہد میں ولّال کون تھے؟

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سنگم ادب کا کیا مفہوم ہے؟
2. جنوب کی چولا حکومت کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔
3. پانڈیہ حکومت کا تعارف پیش کیجیے۔
4. چیرا حکومت سے متعلق اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔
5. تامل ادب کی رزمیہ نظموں پر روشنی ڈالیے۔
6. سنگم عہد کے مذہبی حالات بیان کیجیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سنگم عہد کے مفہوم اور مآخذ پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
2. سنگم عہد میں جنوبی ہند کی ریاستوں سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجیے۔
3. سنگم عہد کی سماجی حالت کیسی تھی؟ بیان کیجیے۔
4. سنگم ادب پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

5.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Kanakasabhai, V., *The Tamils Eighteen Hundred Years Ago*, Higginbotham, Madras, 1904.
2. Krishnaswami, A., *Topics in South Indian History*: *From Early Times upto 1565 A.D.*, Annamalainagar, 1978.
3. Mangalamurugesan, N.K., *Sangam Age*, Thendral Pathippakam, Madras, 1982.
4. Rao, G.V. S., and N.L. Rao, *The Cholas*, Government Press, Madras, 1952.
5. Subrahmanian, N., *History of Tamilnad to A.D. 1565*, Koodal Publishers, Madurai, 1978.
6. جنوبی ہند کی تاریخ، کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹنا گر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
7. چول راجگان، کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹنا گر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 6۔ زرعی پیداوار اور زمینی مالگزاری: زمینی عطیات کا آغاز

(Agricultural Production and Land Revenue: Beginning of Land Grants)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید
6.1 مقاصد
6.2 ماخذ
6.3 زراعت
6.4 جنوبی (دکن) میں زرعی نظام
6.5 آب پاشی
6.6 نظام مالگزاری
6.7 زمین کے عطیہ کے رواج کی ابتداء
6.8 اکتسابی نتائج
6.9 کلیدی الفاظ
6.10 نمونہ امتحانی سوالات
6.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
6.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
6.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
6.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید (Introduction)

تقریباً تین صدیوں تک عروج کے بعد موریہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہندوستان میں بہت سی غیر ملکی اور مقامی شاہی ریاستیں قائم ہوئیں۔ بیرونی ریاستوں میں ہند-یونانی(Indo-Greek)،شک(Shaka) پارتھی (Parthian) اور کشان (Kushana)جیسی طاقتیں موریہ سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں نئی طاقتوں کے طور پر ابھریں۔ کچھ نئی طاقتوں نے مگدھ، وسطی ہندوستان اور دکن کے علاقوں میں اپنی حکومتیں قائم کیں جو بالترتیب شونگا (Shunga) کنوا (Kanva) اور ساتواہن (Satavahana) سلطنتیں تھیں۔ یہ پورا دور مابعد موریہ دور (Post-Mauryan Period) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موریہ دور حکومت میں سلطنت کی معیشت پر حکومت کا بہت حد تک کنٹرول قائم رہا تھا۔ معیشت کے مختلف شعبوں پر موریوں کا کنٹرول ایک صدی سے زیادہ قائم نہیں رہ سکا۔ مابعد موریہ دور (200 قبل مسیح سے 200 عیسوی) میں زراعت پر ریاست کا کنٹرول کم ہوتا۔ اس عرصے کے دوران ہمیں ایسی سرکاری فرموں کے بارے میں معلومات نہیں ملتی جن پر غلاموں اور کرائے کے مزدور زرعی سپرنٹنڈنٹ کی نگرانی میں کھیتی باڑی کررہے ہوں۔ ہمیں کچھ ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ریاست کے ساتھ ساتھ کسان کی بھی ذاتی ملکیت میں تھی۔ کشان اور ساتواہن کے دور میں زراعت سے زیادہ تجارت کی ترقی پر زور دیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں تجارت کے میدان میں زیادہ ترقی ہوئی لیکن اس تجارت کی بنیاد زراعت پر منحصر تھی۔ ادبی اور بعض آثار قدیمہ کی بنیاد پر، جو اس وقت کے نظام آبپاشی پر خصوصی روشنی ڈالتے ہیں، زرعی نظام کے تناظر میں ہمارے علم میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ اس وقت کا آبپاشی نظام، بڑے پیمانے پر لوہے کے بنے زرعی آلات، نئی زرعی تکنیک کی ایجاد وغیرہ نے زراعت کے شعبے میں بے پناہ ترقی کرنے میں مدد کی۔ ٹیکس نظام کے بارے میں خصوصی معلومات اس عرصے کے دوران مرتب کیے گئے دھرم سوترادب سے حاصل کیئے جا سکتے ہیں۔ یہ وہی دور تھا جب ہمیں پہلی بار زمین کی گرانٹ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دور دراز قبائلی علاقوں میں زراعت میں تیزی آئی اور اسے فروغ ملا۔ لہٰذا اس دور میں زمین سے متعلق بہت سے نئے اصول بھی قائم کیئے گئے۔ اس اکائی میں ہم مختصراً انہیں موضوعات کا مطالعہ کریں گے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہم مابعد موریہ دور میں مختلف اقسام کی زرعی پیداوار، زرعی زمین اور ٹیکس کے بارے میں جان سکیں گے۔
- ساتھ ہی پہلی صدی قبل مسیح کے دور میں ایجاد نئی زرعی تکنیک اور اس کے زرعی پیداوار پر اثرات اور اس دور کی ترقی یافتہ زراعت کو سمجھ سکیں گے۔
- ہمیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ حکمران طبقہ عوام کی فلاح و بہبود اور زرعی ترقی کے لیے نظام آبپاشی کو بہتر بنانے اور سہولیات فراہم کرنے کے لیے کس طرح ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔

- زمین کی گرانٹ،اس کی اصل نوعیت سے واقف ہوسکیں گے۔

6.2 ماخذ (The Sources)

اس دور کی زراعت، مالگزای نظام اور زمین کی گرانٹ کے بارے میں معلومات، ادبی اور آثار قدیمہ دونوں ذرائع سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ادبی ذرائع میں منواسمرتی، پتنجلی کی مہابھاسیہ اور ناگاسین کی تصنیف ملند پنہو، گاتھا سپتستی، سنگم ادب بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سبھی ماخذ عصری ذرائع ہیں۔ ان میں زرعی بیج، زمین کی ملکیت، آبپاشی اور ٹیکس یعنی نظام مالگزاری کے بارے میں اہم معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ پتنجلی نے ان نہروں کا ذکر کیا ہے جو کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں جس کی تفصیلات آگے درج کی جائینگی۔ ان کے علاوہ، چرک سمہیتا، سشروت سمہیتا وغیرہ اس دور کے زراعت اور آبپاشی کے نظام پر یقینی طور پر کچھ معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ملکی ادبی ذرائع کے علاوہ کچھ غیر ملکی مآخذ بھی ہندستان کے خاص کر مالابار کے ساحلی علاقہ کے زرعی پیداوار پر تفصیلی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ان ذرائع میں بنیادی طور پر پیریپلس آف دی ایریتھیرین سی (*Periplus of the Erythraean Sea*) اوراسٹریبو کی جغرافیہ قابل ذکر ہیں۔

آثار قدیمہ کے شواہد اور سروے جو انتہائی مستند اور اہم معلومات فراہم کرتے ہیں، بے شمار تعداد میں دریافت کیے گئے ہیں۔ ان میں سے رودردامن کا جوناگڑھ کا نوشتہ، کھارویلا کا ہاتھی گمپھا کا نوشتہ جات، ساتواہن اور کشان حکمرانوں کے لاتعداد نوشتہ جات جن میں نہروں، تالابوں، جھیلوں اور آبی ذخائر کی کھدائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انکے علاوہ ان کتبات سے زمینی گرانٹ اور زمینی محصولات کی بھی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ گجرات کے سوراشٹرا کے علاقے جوناگڑھ سے حاصل کردہ شک حکمران رودردامن کے نوشتہ جات ایک اہم نوشتہ ہے۔ جس چٹان پر یہ کندہ ہے اسی چٹان پر اشوک کے چودہ فرامین اور گپت حکمراں سکند گپت کی دو تحریریں بھی کندہ ہیں۔ یہ جوناگڑھ سے تقریباً ایک میل مشرق میں کوہ گرنار کی طرف جانے والے درے کے قریب واقع ہے۔ اس میں جوناگڑھ کا نام گرنار دیا گیا ہے، اس لیے اسے گرنار نوشتہ بھی کہا جاتا ہے۔ جیمز پرنسپ (James Princep) نے پہلی بار 1832ء میں اسے دریافت کیا اور اسے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (JASB) کے ساتویں شمارے میں مضمون کی شکل میں شائع کیا۔ اس کے بعد بہت سے اسکالرز نے اس نوشتہ پر تحقیق کی لیکن کیل ہارن (Kielhorn) کی تحقیق آج تک کی تحقیقات میں سب سے مستند مانی جاتی ہے۔ جوناگڑھ مضمون میں کل بیس لائنیں ہیں۔ یہ خالص سنسکرت زبان اور براہمی رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ اس میں 72 شک سموت کی تاریخ درج کی گئی ہے جو کہ 150 عیسوی کے برابر نکلتی ہے۔ سودرشن جھیل کی تاریخ اس نوشتہ میں مذکور ہے۔ اس کے مطابق، جھیل کو اصل میں چندر گپت موریہ کے ویشیا گورنر پشیہ گپت (Pushyagupta,) نے تعمیر کروایا تھا اور اس کی دیکھ بھال اور ڈیم کی تعمیر اشوک کے گورنر یاون راجہ توشاشپ (Tushaspha) نے کی تھی۔ تقریباً چار سو سال بعد، رددرامن کے دورِ حکومت میں سیلاب اور سورنا ریکھا (Suvarnarekha) ، پالاشانی (Palashani) وغیرہ جیسی دریا کے تیز بہاؤ کی وجہ سے جھیل کا باندھ ٹوٹ گیا، جس کی مرمت رودردامن کے رپارتھیان گورن اماتیا سوویساکھ کی نگرانی میں کی گئی۔ نوشتہ میں یہ کندہ ہے کہ ڈیم جو 420 ہاتھ لمبا اور 75 ہاتھ گہرا تھا جو اب تین گنا بڑا اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ

تعمیر کیا گیا۔ ردردامن نے عوام پر ٹیکسوں، جبری مشقت (وشٹی) اور ایمر جنسی محصولات کا بوجھ ڈالے بغیر اپنے جمع شدہ خزانے سے بہت ساری رقم خرچ کر کے مفاد عامہ کے اس کام کو انجام دیا۔ جھیل کی مرمت سے آس پاس کی زمین کو سیر اب کر کے اور بارشوں اور سیلاب کے دوران جمع ہونے والے پانی کو محفوظ کر کے لوگوں کو ضروری راحت فراہم کی گئی۔ ردردامن کا جوناگڑھ کا نوشتہ ایک بہت ہی منفرد ریکارڈ ہے۔ فتوحات اور شجرہ نسب کے اعداد و شمار عام طور پر ابتدائی نوشتہ جات میں ملتے ہیں، لیکن یہ واحد نوشتہ ہے جس میں جھیل کی تاریخ دی گئی ہے جو جوناگڑھ کے علاقے میں آبپاشی کو دی جانے والی سہولت کی بے پناہ اہمیت کو ثابت کرتی ہے۔

6.3 زراعت (Agriculture)

مابعد موریہ دور کی معیشت میں تجارتی سرگرمیاں تیز ہوئیں لیکن ساتھ ہی زراعت بھی ترقی یافتہ حالت میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کے لیے کشان اور ساتواہن دور کے نوشتہ جات، مختلف ادبی ذرائع جیسے منوا سمرتی، یاگاوالکیا اسمرتی، ملند پنہو اور سنگم ادب وغیرہ زراعت اور آبپاشی کے نظام کی توسیع پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس دور میں دستکاری اور تجارت کی بڑے پیمانے توسیع زراعت کی ترقی کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکی۔ مابعد موریہ دور کی معیشت کی ایک اہم خصوصیت زمین کی نجی ملکیت کا ابھرنا تھا۔ ملند پنہو میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو جنگلات کو صاف کرتے ہیں اور زمین کو قابل کاشت بنانے کے لیے کچھ اور اقدامات بھی کرتے ہیں، چونکہ وہ پہلے فرد ہوتے جو زمین کا استعمال کرنا شروع کرتے ہیں، اس لیے وہی اس زمین کے مالک ہوتے ہے۔ منو بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ شاید زراعت کی حوصلہ افزائی کے لیے ایسے اصول کی وکالت کی گئی ہو۔ منوا سمرتی میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی برہمن قابل کاشت زمین کے بجائے عطیہ میں ایسی زمین قبول کرتا ہے جو قابل کاشت نہیں ہے، تو وہ کم مذمت کا مستحق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زرعی زمین عطیہ کرنے کا رواج مابعد موریہ دور میں شروع ہو چکا تھا۔ برہمنوں کو غیر کاشت کی زمین عطیہ کرنے کا مقصد زیادہ سے زیادہ زمین کو قابل کاشت بنانا تھا۔ ان کے علاوہ حکومت کی بھی اپنی ذاتی زمینیں ہوا کرتی تھیں۔

مابعد موریہ دور میں لوہے سے بنے زرعی آلات مثلاً کدال (pick axe)، درانتی (sickle)، کلہاڑی (axe) وغیرہ بڑے پیمانے پر استعمال ہونے شروع ہو گئے تھے، جس کے نتیجے میں اناج کی پیداوار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ موریہ کے بعد کی ایک اہم تصنیف چارک سمہیتا میں اچھے چاول کی پندرہ اقسام کا ذکر ملتا ہے اور چاول کی پانچ کمتر اقسام کا بھی ذکر ہے۔ سشروتا سمہیتا میں گیہوں کی دو اقسام مدھو لیکا اور نندا مکھی کا ذکر ہے۔ پھلوں میں بیر، سیب اور نارنجی کا ذکر چارک سمہتا میں آیا ہے۔ دالوں میں چنے (grams)، مٹر (pea)، مسور (red lentil) اور ارہر (pigeon pea) وغیرہ پیدا ہوتے تھے۔ تل کے علاوہ سرسوں، السی، ارنڈ وغیرہ سے بھی تیل نکالا جاتا تھا۔ مذکورہ اناج، دالوں اور پھلوں کے علاوہ کئی اقسام کی سبزیاں، گنےّ اور کپاس کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی۔

منوا سمرتی کے مطابق زرعی آلات چوری کرنے والوں کو حکومت کی طرف سے سزا دینے کے قانون متعین کیے گئے تھے۔ اسی طرح جھوٹے بیج فروخت کرنے، پہلے سے بوئے ہوئے بیج کو نکالنے اور سرحدی نشاندھی کو ختم کرنے والوں کے لیے سخت قانون کے حوالے

بھی ملتے ہیں۔ مندرجہ بالا باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حکومت زراعت کو فروغ دینے میں ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تھی۔ مابعد موریہ دور کی ایک اہم تبدیلی جس کا ثبوت صرف پہلی صدی قبل مسیح سے ملتا ہے وہ چاول کی کاشت میں ٹرانسپلانٹیشن کا تعارف تھا، جس کا ذکر اسٹر بو نے کیا ہے۔ اس نئی ایجاد نے چاول کی پیداوار میں کافی حد تک اضافہ کیا۔

6.4 جنوبی ہند کے علاقوں (دکن) میں زرعی نظام

(Agriculture System in the Deccan and South)

ہندوستان میں کھیتی باڑی کے ابتدائی شواہد جدید پتھر کے اواخر دور سے ملتے ہیں۔ جدید پتھر کے دور میں، لوگ موٹے اناج جیسے راگی، باجرا اور دالیں جیسے کالے چنے اور ایسے چنے کی کاشت کرتے تھے جو جانوروں کو کھلانے کے کام میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں، چاول کے شواہد پہلے ہزار سال قبل مسیح کے آس پاس پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب جنوب میں لوہے کا دور شروع ہوا تھا۔ دھان کی کاشت لوہے کے دور میں دکن اور جنوبی ہندوستان میں پھیل گئی۔ بعد میں، لوہے کی ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ، مختلف زرعی ہتھیار تیار کیے گئے، جس کے نتیجے میں زرعی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔

سنگم ادب جنوبی ہندوستان میں اس وقت کی معاشی حالت کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس دور کا تامل خطہ معاشی نقطہ نظر سے انتہائی خوشحال تھا۔ اس کی خوشحالی کی بنیادی وجہ ترقی یافتہ زراعت اور تجارت تھی۔ سنگم ادب سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوب کی زمین انتہائی زرخیز تھی جس سے اناج کی بہت اچھی پیداوار ہوتی تھی۔ دریائے کاویری کے ڈیلٹا کا علاقہ اپنی زرخیزی کے لیے اس قدر مشہور تھا کہ اس کے بارے میں ایک کہاوت مشہور ہوگئی تھی "ایک ہاتھی کے بیٹھنے کی جگہ جتنی زمین میں سات لوگوں کے لیے اچھی خوراک پیدا ہو سکتی ہے۔" سنگم ادب میں دھان، راگی اور گنے کی پیداوار کا تفصیلی ذکر ملتا ہے جو کہ اس علاقے میں وافر مقدار میں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے پھل جن میں کٹھل، گول مرچ، ہلدی بھی بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ سنگم ادب میں فصل کی کٹائی، اناج خشک کرنے، گنے سے چینی بنانے وغیرہ کی دلچسپ تفصیل درج ہے۔ کسانوں کو ویلار (Vellar) کہا جاتا تھا اور ان کے سرداروں کو ویلر (Velir) کہا جاتا تھا۔ کالی اور سرخ مٹی کے برتنوں کی ایجاد کا سہرا ویلر کے لوگوں کو جاتا ہے۔ سنگم ادب سے پتہ چلتا ہے کہ سماج کے نچلے طبقے کی عورتیں بنیادی طور پر کھیتی باڑی میں مصروف تھیں جنہیں کڈاسیر (Kadaisiyar) کہا گیا ہے۔ شاید ان کی حیثیت غلاموں کے مانند رہی ہوگی۔

مابعد موریہ دور باغبانی کے میدان میں نمایاں ترقی کرتا ہوا نظر آتا ہے مثلاً مشرقی ایشیا سے ناریل کے درخت کی آمد۔ پہلی صدی قبل مسیح کے اواخر دور میں ناریل کے ریشے (coir) کے قدیم ترین آثار قدیمہ کے ثبوت اریکامیڈو (تمل ناڈو) کی بندرگاہ سے دریافت ہوئے ہیں۔ اس دور کے دوناسک سے دریافت نوشتہ جات (c100 C. AD) میں، کشترپا نہپان (Nahapana) کو ناریل کے درختوں کے 32,000 تنوں (naligara) کے اعظم عطیہ دہندہ کے طور پر سراہا گیا ہے، جبکہ اس کے داماد اوشاوادات (Ushavadata) نے مختلف مذہبی فرقوں کے ارکان کو 8000 ناریل کے درخت کے تنے عطیہ کیے تھے۔ ڈی ڈی کوسامبی کے مطابق مغربی ساحل پر ناریل ایک

نئی چیز تھی جبکہ پیری پلس آف دی اریتھیرین سی(*The Periplus of the Erythraean Sea*) (106 سے پہلے)جو کہ بحیرہ عرب کی بندر گاہوں کی سمت شناسی اور تجارت کی تفصیلی میموئر(memoir)ہے،اس درخت اور اسکے ریشے کے مشاہدے میں ناکام رہی ہے جو چند صدیوں بعد شپنگ میں بہت زیادہ استعمال ہونے لگا تھا۔

6.5 آبپاشی نظام (Irrigation System)

قدیم ہندوستان میں، اگرچہ کسان بنیادی طور پر بارش پر منحصر تھا، لیکن وہ آبپاشی کے مصنوعی ذرائع سے لاعلم نہیں تھا۔ ہندوستانی کسان ہڑپہ دور سے ہی مصنوعی آبپاشی کے ذرائع سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن موریہ دور میں پہلی بار ریاست نے زراعت کے لیے آبپاشی کے مصنوعی ذرائع کی اہمیت کو سمجھااور ریاست نے کسانوں کے فائدے کے لیے آبپاشی کی سہولیات کا بندوبست کیااور اس سے متعلق قوانین بھی بنائے۔ مابعد موریہ دور میں بھی ان مصنوعی وسائل کا بہت زیادہ استعمال ہوا ہوگا، جیسا کہ اس دور کے آثار قدیمہ اور ادبی شواہد سے ثابت ہوتا ہے۔

ہمیں مابعد موریہ دور میں آبپاشی کے نظام کے بارے میں اتنے شواہد نہیں ملتے جتنے موریہ دور میں موجود تھے لیکن عصری ذرائع کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی حکمرانوں نے آبپاشی پر زیادہ توجہ دی۔ کھارویلا کا ہاتھی گمپھا نوشتہ جات، شک حکمراں رودردامن کا جوناگڑھ کا نوشتہ اور کشان اور ساتواہن دور کے مختلف نوشتہ جات مابعد موریہ دور کے آبپاشی کے نظام پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ منواسمرتی کے مطابق، دو گاؤں کے درمیان حد بندی تالاب، پوکھرے، نہروں اور دیگر آبی ذخائر کے ساتھ کی جانی چاہیے۔بظاہر، یہ آبی ذخائر نہ صرف قدرتی حدود کے طور پر کام کرتے تھے بلکہ ملحقہ علاقوں سے آبپاشی کے لیے پانی بھی جمع کرتے تھے۔ منو کا یہ بھی خیال ہے کہ دو گاؤں کے درمیان حد کا تعین پانی کے ہمیشہ بہنے والے نہروں سے ہونا چاہیے۔اس کا مطلب غالباًیہ ہے کہ گرمیوں میں دریا خشک ہونے کی وجہ سے ہمیشہ مصنوعی نہروں میں پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ عصری مذہبی صحیفوں میں آبی ذخائر کو نقصان پہنچانے والوں کے لیے سزا کا بھی بندوبست ملتا ہے۔ منواسمرتی میں ایک نظم ہے کہ تالاب کے پشتے کو تباہ کرنے والے کو پانی میں ڈبو دیا جائے گا یا سر قلم کرکے مار دیا جائے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان میں مابعد موریہ دور میں آبپاشی کی عمومی شکل وہی رہی جو پہلے کے دور میں قائم تھی، یعنی کنوؤں، تالابوں، نہروں اور ندیوں کے ذریعے آبپاشی کی جاتی رہی ہوگی۔ ان کے علاوہ موریہ دور کے چھلے نما کنووں (ring wells) کے بہت سے آثار ہمیں آثار قدیمہ کے شواہد سے بھی ملتے ہیں۔

مابعد موریہ دور میں، آبپاشی کے مصنوعی ذرائع میں سے ایک نئے آلے ار گھٹہ یا گھٹہ یا رہٹہ(wheel carrying pots)کا بھی ذکر ملتا ہے۔اس کا تذکرہ ساتواہن راجہ ہال کی مشہور تصنیف گاتھا سپتستی میں ملتا ہے۔ عرفان حبیب کے مطابق اس آلے کا ذکر سب سے پہلے پنچتنتر میں ملتا ہے جسے تکنیکی زبان میں نوریا(noria)کہتے ہیں۔اس ار گھٹہ کے ذریعے کسی ٹینک یا کنویں سے پانی نکال کر آبپاشی کی جاتی تھی۔اسے شمالی ہند کے علاقوں میں رہٹ (ارہٹ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس آلے کی ترقی یافتہ شکل ساقیہ (Persian Wheel)

ہے، جسے ترکوں نے ہندوستانیوں سے متعارف کرایا۔ یہ واضح ہے کہ اس طرح کی ٹیکنالوجی کے استعمال سے زراعت کی ترقی اور توسیع پر بہت زیادہ اثر پڑا ہوگا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، مہابھاشیہ بارش کے پانی کو محفوظ کرنے اور اسے دھان کے کھیتوں تک پہنچانے کے لیے چھوٹی نہروں کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے۔ مہابھاشیہ میں استعمال ہونے والے لفظ "کُسول" (Kusul) کا مطلب ہے کہ دھان کا ہر ایک کھیت مینڈھوں (dybe) سے گھرا ہوتا تھا۔ اگرچہ کُسول یا کُشول کا عام استعمال اناج گودام کے معنی میں آتا ہے، لیکن پتنجلی کے تناظر میں یہ لفظ، دھان کا ہر کھیت میڈھ یا کیاری سے گھرا ہوا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جب بارش اور ہوا نہیں ہوتی ہے تو ہمیں نئے میڑھ کو توڑنے کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ ستت مودگامم (satatmudgamam) وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے منو نے آبپاشی کے لیے استعمال ہونے والی کچھ نہروں اور ندیوں کی نشاندہی کی ہے۔ منو حکم دیتا ہے کہ وہ برہمن جو پانی کی ندیوں کو موڑ دیتے ہیں یا انہیں روکنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ0 سزا کے حقدار ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے نہروں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ہاتھی گمپھا کے نوشتہ میں تناسولی نہر کا ذکر ہے جسے مگدھ کے نندا حکمراں نے تعمیر کروایا تھا اور اس کی مرمت کھارویل نے مابعد موریہ دور میں کرائی تھی۔

شمالی ہندوستان کی طرح جنوبی ہندوستان میں بھی بارش کے علاوہ آبپاشی کے مصنوعی ذرائع کا ایک بہترین نظام موجود تھا۔ سنگم دور کے ادب سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے راجاؤں نے کنویں، تالاب اور نہریں وغیرہ بنوائی جس سے کھیتوں میں آبپاشی کام لیا جا سکے۔

6.6 نظام مالگزاری (Land Revenue System)

کسی بھی ریاست کی خوشحالی اور استحکام اس کے خزانے کی مالی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر شاہی خزانہ بھرا ہو تو حکمراں ریاست کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے بچا سکتا ہے، اچھی انتظامیہ دے سکتا ہے اور ریاست کو ترقی یافتہ شکل دے سکتا ہے۔ پہلی بار موریہ سمراٹوں نے ریاست کی سلامتی، طاقت اور ترقی کے لیے مالیات کی اہمیت کو سمجھا اور اسی لیے کوٹلیہ نے خزانے کو ریاست کے سات ضروری حصوں یا عناصر میں سے ایک اہم حصہ قرار دیا ہے۔ چونکہ زمینی محصول ریاست کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ تھا، اس لیے موریہ سمراٹوں نے لگان کو باضابطہ بنانے اور اضافی محصول کے لیے اہم اقدامات کیے تھے۔ زیادہ سے زیادہ غیر کاشت شدہ زمین کو زیر کاشت لانے کے لیے جنگلات کا صفایا کر کے نئی بستیاں قائم کی گئیں اور شودروں کو بھی بیج، جانور وغیرہ فراہم کر کے کسان بننے کی ترغیب دی گئی۔ محصولات کے نظام کو منظم اور باضابطہ بنانے کے لیے تفصیلی قواعد و ضوابط بنائے گئے۔

موریہ سلطنت میں ہی پہلی بار مختلف قسم کے ٹیکسوں کی وصولی، ان کی شرح، وصولی کے تفصیلی نظام اور اس کے انتظامی پہلوؤں کے بارے میں ایک منظم تفصیلات ملتی ہیں۔ موریہ کے بعد کے دور میں محصول کا نظام کم و بیش وہی رہا جو موریہ دور میں نظر آتا ہے، لیکن ماخذ کی کمی کی وجہ سے ان کی نوعیت کو سمجھنے میں کافی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ لکیری پیمائش کے کچھ معیارات مابعد موریہ دور کے ذرائع میں بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم، زمین کے رقبے کے مطابق ٹیکس کی تشخیص کا براہ راست کوئی ذکر نہیں ملتا۔ پتنجلی نے دیگر اکائیوں جیسے اکس پاد (aks

paad)، پرادش (praadash)، اور دشٹی (dishti) وغیرہ کے ساتھ ارتنی (aratni) اور وِتستی (vitasti) کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک غیر ادبی ذرائع کا تعلق ہے، ساتواہن دور کے بہت سے اراضی عطیہ کرنے والے فرمان میں دی گئی زمین کے رقبے کا ذکر نیورتن (nivartan) کی پیائش کے مطابق کیا گیا ہے۔ اس پیائش کا ذکر ارتھ شاستر (*Arthshastra*) میں بھی ملتا ہے۔ ان پیائشی اکائیوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زمینی محصول کی شرح پیائش کی بنیاد پر طے کی گئی تھی۔ ریونیو افسران زمین کا تخمینہ لگا کر محصول کی در مقرر کرتے تھے۔

زمینی مالگزاری کا ایک اہم پہلو زمینی محصول کی شرح سے متعلق ہے۔ زیادہ تر مذہبی قانون کے منتظمین نے زمینی محصول کی شرح پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ گوتم سترا میں 1/6، 1/8 اور 1/10 کی زمین کی آمدنی کی شرح کا ذکر کیا گیا ہے. برہسپتی کھلیہ والی زمین پر دسویں، بارش کے پانی سے متاثر ہونے والی زمین پر آٹھویں اور موسم بہار میں کاٹی جانے والی فصل پر چھٹے حصہ کی شرح کا تعین کرتا ہے۔ کھلیہ زمین، قابل کاشت یا بنجر زمین ہوسکتی ہے جس میں فصل اگانے کے لیے معمول سے زیادہ خرچ ہوتے ہوں گے۔ موسم بہار میں کاٹی جانے والی فصل سب سے کم خطرہ والی زمین تھی۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسمرتیوں میں زمین کی آمدنی کی تین دریں مقرر کی ہیں۔ لیکن زیادہ تر ماخذ میں صرف 6/1 کی شرح کا ذکر ملتا ہے۔ اس شرح کا تذکرہ ساتواہن حکمرانوں کے دور میں حاصل کردہ ریکارڈ میں بھی کیا گیا ہے۔ راجہ کے لیے یہ ٹیکس وصول کرنے کے لیے دھرم شاستر میں کچھ شرائط بھی بیان کیئے گئے ہیں۔ منو کے مطابق، راجہ جو اپنی رعایا کی حفاظت نہیں کرتا اور پھر بھی محصول کا چھٹا حصہ ٹیکس کے طور پر لیتا ہے، اپنی رعایا کے تمام گناہ اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ اسی طرح زمین کی آمدنی کا چھٹا حصہ وشنو اسمرتی اور نارد اسمرتی میں بھی معاون ہے۔ مہابھارت کے شانتی پروا میں بھی کہا گیا ہے کہ راجہ پیداوار کے چھٹے حصے کا حقدار ہے۔ اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید پیداوار کا چھٹا حصہ محصول کی سب سے زیادہ مروجہ شرح تھی۔

لیکن اس سب کے باوجود ایک اتنا ہی اہم اور متنازع سوال یہ ہے کہ کیا زمین کا ٹیکس مجموعی (مکمل) آمدنی پر لگایا گیا تھا یا کسانوں کے منافع پر؟ اس کے لیے ہم صرف قیاس آرائیوں کا سہارا ہی لے سکتے ہیں اور اس حقیقت کو قبول کرنے کے زیادہ امکانات نظر آتے ہیں کہ ٹیکس سرمایہ پر نہیں منافع پر ہی تعین کیا جاتا رہا ہوگا۔ زمینی محصول اور دیگر اقسام کے ٹیکسوں کی شرح کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ زمینی ٹیکس اخراجات کو نکالنے کے بعد صرف منافع پر وصول کیا جاتا رہا ہوگا۔

مختلف ذرائع کی بنیاد پر اس دور کے کچھ زمینی محصولات کی فہرست بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اہم اور مقبول زمینی محصولات میں بھاگ (bhag)، بلی (bali)، کر (kar)، ہرنیہ کر (hiranayakar)، پنڈکر (pindkar)، اوپریکر (uparikar)، اُدرنگ (udrang)، وشٹی (vishti) وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ رودردامن کا جوناگڑھ کا نوشتہ "بھاگ"، "بلی" اور ویٹی کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ کھارویلا کے ہاتھی گمفا نوشتہ میں "کر" نامی ٹیکس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بلی ریاستی محصول کے لیے سب سے قدیم لفظ ہے، جس کا ذکر سب سے پہلے رگ وید میں ملتا ہے۔ رگ وید میں اسے ایک رضاکارانہ تحفہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن جدید مورخین میکڈونل اور کیتھ کے مطابق، بلی شروع سے ہی ٹیکس کی شکل میں موجود تھی جو مکمل طور پر رعایا کی مرضی پر منحصر نہیں تھی۔ ارتھ شاستر میں، بلی کو پیداوار میں راجہ کے عام حصہ کے علاوہ ایک چھوٹے پروڈکٹ ٹیکس کی شکل میں استعمال کیا گیا ہے۔ ملند پنہو میں اس کا ذکر

ایمرجنسی ٹیکس (emergency tax) کے طور پر کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ موریہ کے بعد کے دور میں اس لفظ کے معنی میں کچھ تبدیلیاں آئی ہوں گی۔ لیکن جوناگڑھ کے نوشتہ جات نے اسے ٹیکس کے طور پر بیان کیا ہے۔اس سے ملند پنہو کی رائے کی تصدیق نہیں ہوتی۔اس کے علاوہ کسی اور عبارت میں بلی کا ذکر بحران کے وقت ٹیکس کے طور پر نہیں کیا گیا ہے۔ان کے علاوہ منواور وشنو نے زمین کے ٹیکس کے حوالے سے بھاگ کی بجائے بلی کا ذکر کیا ہے۔منواور وشنو کی تصدیق مہابھارت سے بھی ہوتی ہے۔اشواگھوشا نے بلی کو باقاعدہ لینڈ ٹیکس کے طور پر ہی استعمال کیا ہے۔اس لیے ایسا لگتا ہے کہ موریہ کے بعد کے زمانے میں بلی بھی زمینی ٹیکس کا مترادف ہو گیا تھا۔بھٹاسوامی نے پنڈ کر ٹیکس کو پورے گاؤں سے اجتماعی طور پر جمع کیا جانے والا ٹیکس بتایا ہے۔موریہ کے بعد کے زمانے میں،پنڈاکریا اس سے ملتا جلتا کوئی دوسرا لفظ ہمارے ماخذی متن میں نہیں ملتا، جس کا مطلب پورے گاؤں پر کسی قسم کے اجتماعی ٹیکس کا تعین رہا ہو۔ مختلف قسم کے زمینی محصولات میں سے ہرنیاکر(hiranayakar) بھی ایک ٹیکس تھا۔یہ نقد کی شکل میں یا گنے، کپاس وغیرہ جیسی نقد فصلوں پر لیا جانے والا ایک ٹیکس تھا۔اس وقت کا سب سے مقبول اور عام محصول بھاگ (bhag) تھا جو عموماً پیداوار کا 6/1 حصہ لیا جاتا تھا جس کی حمایت یو این گھوشال صاحب نے بھی کی ہے۔آبپاشی کے لیے کسی طرح کے ٹیکس کا ذکر نہیں ملتا، شاید لوگوں کے ذریعے ذاتی تالاب، کنویں، جھیل وغیرہ تعمیر کرانے کا ہی یہ نتیجہ رہا ہو۔وشٹی(vishti) ایک طرح کا بیگاری (labour force) ٹیکس تھا۔

6.7 زمین کے عطیہ کے رواج کی ابتداء (The Beginning of Land Grants)

قدیم ہندوستان کی سماجی اور اقتصادی تاریخی اہمیت کو سمجھنے کے لیے زمینی گرانٹ کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ زمین کی گرانٹ کا سب سے قدیم ثبوت ساتواہن کے نوشتہ جات سے ملتا ہے۔ یہ گرانٹ زمین اور گاؤں دونوں شکلوں میں دی گئی تھیں۔ اس سے زمین کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ہندوستان میں زمین کی گرانٹ کے ابتدائی ریکارڈ شدہ ثبوت ساتواہن(پہلی صدی قبل مسیح) کے زمانے کے ہیں جب مہاراشٹر میں اشومیدھا یگیہ کے دوران پجاریوں کو ایک گاؤں بطور تحفہ دیا گیا تھا۔موریہ کے بعد کے دور میں شک اور ساتواہن کے نوشتہ جات میں زمین کے عطیہ کا ذکر ملتا ہے۔ شک حکمراں اوشاوادتا کی کتبے میں اس کی طرف سے دیے گئے گاؤں اور زمین کی گرانٹ کا چرچا ہے۔ گوتمی پتر شاتکارنی کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کچھ گاؤں بدھ راہبوں کو عطیہ کیے تھے۔ موریہ کے بعد کے دور میں حکمراں اور کسان دونوں کی اپنی ذاتی زمین ہوتی تھی۔ اگر راجہ کسی اور کی زمین عطیہ کرنا چاہتا تھا تو اسے زمین کے مالک سے اس زمین کو فروخت کرنا پڑتا تھا۔ابتدائی دور میں زمین صرف مذہبی سرگرمیوں میں مصروف افراد کو دی جاتی تھی۔اس قسم کی زمین ٹیکس سے آزاد ہوتی تھی۔شروع میں ایسی زمینوں کے عطیات کی بہت محدود تعداد کا ذکر ہے جن کے پاس انتظامیہ اور عدلیہ کے حقوق بھی تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے حقوق بڑھتے گئے اور یہی وجہ ہے کہ مستقبل میں زمین کی گرانٹ جاگیردارانہ نظام(سامنتواد) کے عروج کا ایک اہم سبب ثابت ہوئی۔ایسے شواہد بھی موجود ہیں جس میں گوتمی پوتر شتکرنی نے دی گئی زمین پر سے اپنے انتظامی حقوق کو بھی ترک کر دیا تھا۔ ایسی الاٹ شدہ اراضی میں نہ تو سرکاری فوج داخل ہو سکتی تھی اور نہ ہی سرکاری ملازمین اس میں مداخلت کر سکتے تھے۔اگرچہ مابعد موریہ دور کے کتبات میں انتظامی افسران کو زمین گرانٹ دینے کے کوئی ثبوت نہیں ملتے ہیں، لیکن منوسمرتی میں ریونیو افسروں کو زمین گرانٹ دینے کے وضاحت دی گئی ہیں اور بتایا گیا

ہے کہ ایسے افسران کے پاس ایک، دس، بیس، سو اور ایک ہزار تک گاؤں ہوتے تھے۔ برہمنوں کو زمین کی گرانٹ دینے کا مقصد غیر آباد زمینوں کو آباد کرنا اور دور دراز اور قبائلی علاقوں میں زراعت کو پھیلانا تھا۔ اس مقصد میں مثبت کامیابی بھی حاصل ہوئی جس سے زراعت کی بڑے پیمانے پر توسیع و ترقی ہوئی۔

6.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مابعد موریہ دور میں زراعت کے شعبے میں زیادہ ترقی نمایاں ہوئی۔ اس کی بنیادی وجوہات میں زرعی آلات میں لوہے کا زیادہ استعمال، چاول کی کاشت میں ٹرانسپلانٹیشن کے نئے طریقوں کی ایجاد، انفرادی تالابوں، کنوؤں اور پانی کے ذخائر کی بڑے پیمانے پر تعمیر، حکمرانوں کی جانب سے رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے آبپاشی کے وسائل کی تخلیق اور اس کے علاوہ زمین کی گرانٹ جو کہ عام طور پر غیر کاشت اور قبائلی علاقی زمین کو بہتر سمجھا جاتا تھا وغیرہ نے اہم کردار ادا کیا۔ زراعتی سرپلس (surplus) میں اضافے کی وجہ سے تجارت میں بھی ترقی دیکھنے کو ملتی ہے، جس نے ماقبل موریہ دور کو معاشی طور پر خوشحال بنانے میں کافی حد تک مدد کی۔ مندرجہ بالا کے علاوہ، ہمیں ماقبل موریہ دور میں کچھ نئی فصلوں کی کاشت کے ثبوت بھی ملے ہیں، جیسے کہ ناریل، جو آج بھی کورومنڈل ساحل پر ایک اہم درخت کے طور پر اپنا مقام رکھتے ہیں، ان درختوں کی تاریخ کے بارے میں مزید علم ہوتا ہے کہ کس طرح یہ درخت جنوبی اشیاء سے ہندوستان آئے اور جنوبی ہندوستان کے اہم ترین درخت بن گئے۔ اس کے علاوہ زمینی محصولات کے نظام کے بارے میں مختلف ادبی اور آثار قدیمہ کے ذرائع سے دستیاب معلومات ہمارے علم میں کافی اضافہ کرتی ہیں۔ یہ یونٹ زمین کی گرانٹ کی ابتدائی شکل و نوعیت کو سمجھنے میں بھی بہت مددگار ثابت ہوئی ہے۔

6.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

ارگھٹہ	:	عہد وسطی کے پرسین وہیل کی قدیم شکل جس کا استعمال ابپاشی کے لیے ہوتا تھا جسے بعد کے عہد میں رہٹ یا ارہٹ کے نام سے بھی جانا گیا۔
تنسلی	:	ایک نہر جس کا ذکر کھارویل کے ہاتھی گمپھا کتبے میں ہوا ہے۔
بھاگ	:	مابعد موریہ دور کا سب سے مقبول اور عام محصول بھاگ (bhag) تھا جو عموماً پیداوار کا 1/6 حصہ لیا جاتا تھا
کُسول یا کوسول	:	دھان کے کھیت کی میڑھ یا اناج گودام
ویلار	:	**سنگم دور کے کسان**
نیورتن	:	زمین پیمائش کی اکائی

6.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

6.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. آپ "بھاگ" سے کیا سمجھتے ہیں؟
2. مابعد موریہ دور میں زمین کی آمدنی کی عمومی شرح کیا تھی؟
3. رودرادامن کے کس گورنر نے سدرشن جھیل کی مرمت کروائی؟
4. ہرینیہ کر کیا تھا؟
5. کس خاندان نے سب سے پہلے زمین اور گاؤں بطور گرانٹ عطیہ کیے؟
6. وشٹی کس قسم کا ٹیکس تھا؟
7. تنسولی نہر کا ذکر کس کتبہ میں ملتا ہے؟
8. ارگھٹہ کیا تھا؟
9. کوسول سے کیا مراد ہے؟
10. ویلار کیا تھے؟

6.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مابعد موریہ دور کے نظامِ آبپاشی کے لیے جوناگڑھ کتبہ کی اہمیت کو بیان کریں۔
2. سنگم دور کے زرعی نظام پر ایک مضمون لکھیں۔
3. مابعد موریہ دور کے دور میں زمینی محصول کی شرح کا مختصر جائزہ لیں۔
4. مابعد موریہ دور کے نظامِ آبپاشی کے لیے آثارِ قدیمہ کے ذرائع پر ایک نوٹ لکھیں۔
5. شمالی ہندوستان میں زرعی پیداوار پر ایک مضمون تحریر کریں۔

6.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مابعد موریہ دور کی معیشت کی ترقی میں زراعت کی اہمیت پر تفصیلی بحث کریں۔
2. زمین کی گرانٹ سے کیا مراد ہے۔ زمین کی ابتدائی گرانٹ کی نوعیت پر اپنی رائے پیش کریں۔
3. مابعد موریہ دور کے زمینی محصول کے نظام پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

(Suggested Learning Resources) تجویز کردہ اکتسابی مواد 6.11

1. Chakravarti, Ranbir, *Trade and Traders in Early Indian Society*, Manohar, New Delhi, 2007.
2. Gopalachari, K., *Early History of the Andhra Country*, University of Madras, Madras, 1941.
3. Habib, Irfan, *A People's History of India*: *Post-Mauryan India (200 BC- AD 300)*, Tulika Books, New Delhi, 2012.
4. Jha, D.N., ed., *Feudal Social Formation in Early India*, Chanakya Publications, Delhi, 1987.
5. Jha, D.N., *Revenue System in Post-Maurya and Gupta Times*, Punthi Pustak, Calcutta, 1967.
6. Mirashi, V.V., *The History and Inscriptions of the Satvahanas and the Western Kshatraps*, Maharashtra State Board for Literature and Culture, Bombay, 1981.
7. Rapson, E.J. ed., *The Cambridge History of India*, *Vol. I*, Cambridge History Press, Cambridge, 1922.
8. Raychaudhuri, Hemchandra, *Political History of Ancient India*, University of Calcutta, Calcutta, 1927.
9. Sastri, Nilkanta K.A. ed., *A Comprehensive History of India*, *Vol. II*, People's Publishing House, New Delhi, 1987 (reprint).
10. Sharma, R.S., *Indian Feudalism*, MacMillan Publishers, Delhi, 1965.
11. __________, *Perspectives in Social and Economic History of Early India*, Munshiram Manoharlal, New Delhi, 2003.
12. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India*: *From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, Delhi, 2009.
13. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India*: *From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, Delhi, 2009.
14. Smith, Vincent A., *The Early History of India*: *From 600 B.C. to the Muhammadan Conquest*, Clarendon Press, Oxford, 1914.

اکائی 7۔ دستکارانہ پیداوار، تجارت، شہری ارتقااور پیشہ ورانہ انجمنیں

(Craft Production, Trade, Urban Growth, and the Guilds)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید
7.1 مقاصد
7.2 سیاسی صورت حال
7.3 پیشے اور پیشہ ور جماعتیں
7.4 تجارت
7.4.1 تاجروں کی اقسام
7.4.2 بری تجارت
7.4.3 بحری تجارت
7.4.4 اہم بندرگاہیں
7.4.5 اشیائے تجارت
7.5 شہرکاری کا فروغ
7.6 اکتسابی نتائج
7.7 کلیدی الفاظ
7.8 نمونہ امتحانی سوالات
7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

7.0 تمہید (Introduction)

چھٹی صدی قبل مسیح میں وادی گنگا میں پہلی بار ہم شہروں کو ابھرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ شہروں کے ارتقا کے ساتھ ہی صنعت اور تجارت کا فروغ ہوااور سماجی ڈھانچہ میں کئی اہم تبدیلیاں آئیں۔ لیکن یہ سبھی تبدیلیاں کئی صدیوں تک شمالی ہندوستان یا یوں کہئے کہ گنگا کے میدانی علاقوں تک محدود رہیں۔آر ایس شرما کے مطابق بر صغیر ہندوستان کے بڑے حصے پر چوتھی صدی ق م میں موریہ حکومت قائم ہونے کی وجہ سے وادی گنگا کی مادی تہذیب کے متعدد اجزا جیسے پکی اینٹوں کا استعمال، پانی کی نکاسی کے لیے گول کوئیں ،زراعت میں لوہے کا استعمال، دھان کی کھیتی اور روپائی، سکوں کا چلن اور شمالی سیاہ چمکدار ظروف ملک کے مختلف حصوں میں پہونچ گئے۔ نتیجتاً تیسری صدی قبل مسیح سے سماجی اور معاشی منظر نامہ بدلنے لگا۔ مختلف نئی ریاستیں ابھریں۔ نئے شہروں کا عروج ہوا۔ تجارت اور صنعت کی ترقی ہوئی۔ خصوصی طور پر بیرونی تجارت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔اس اکائی میں ہم 200 ق م سے 300 عیسوی کے درمیان دستکاری، صنعت اور تجارت کے فروغ کا جائزہ لیں گے۔ مختلف اشیائے تجارت کس طرح بنائی یا حاصل کی جاتی تھیں ؟ان کے بنانے والے کون تھے ؟ سماج میں ان کی کیا حیثیت تھی ؟ پیشہ ورانہ انجمن یا گلڈ کسے کہتے تھے ؟ اور کاروباری سر گرمیوں میں ان کا کیا کردار تھا ؟ ان تمام باتوں کو ہم اس اکائی کے ذریعہ جاننے کی کوشش کریں گے، ساتھ ہی اہم سماجی تبدیلیوں کی نشاندہی کر سکیں گے۔ تجارت اور صنعت کی ترقی سے شہر کاری کا عمل کس طرح متاثر ہوا ؟اور ملکی و غیر ملکی تجارت کے ہندوستان پر کیا اثرات مرتب ہوئے ؟ اس کا اندازہ لگا سکیں گے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- تجارتی اشیاء کے حصول اور اس کی تیاری کو سمجھ سکیں گے۔
- تجارتی عمل اور تنظیم سے واقف ہو سکیں گے۔
- سماج میں تاجر طبقے کی حیثیت کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- شمالی ہند کے اہم تجارتی راستوں کی شناخت کر پائیں گے۔
- ہندوستان کی بری اور بحری تجارت کی اہمیت سے واقف ہو سکیں گے۔
- بین الاقوامی تجارت میں ہندوستان کے کردار کی وضاحت کر سکیں گے۔
- اس دور میں ابھرنے والے اہم شہری مراکز کو جان لیں گے۔

7.2 سیاسی صورت حال (Political Situation)

زیر غور پانچ صدیوں کے معاشی حالات کا تجزیہ کرنے سے پہلے اس زمانے کے سیاسی حالات سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے، کیونکہ بہت سے اہم تجارتی اور صنعتی مراکز، انتظامی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے تھے یا پھر وہ ریاستوں کے صدر مقام تھے۔ مثلاً پوہار جو ایک

تجارتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ چولوں کا دارالسلطنت تھا۔ موریہ حکومت کے زوال کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی منظر نامہ میں بڑے تبدیلیاں آئیں۔ 185ق م میں آخری موریہ راجا برہدرتھ کو قتل کر کے پشیہ متر شنگ نے شنگ خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کی حکومت شمالی اور وسطی ہند کے کچھ حصوں تک محدود تھی۔ دکن میں پہلی صدی ق م تک ستواہن خاندان بر سر اقتدار آچکا تھا۔ ان کی راجدھانی پرتشٹھان یا موجودہ پٹن تھی، جو دکشنا پتھ (جنوبی شاہراہ) پر واقع ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ جنوب بعید میں چول، چیر، اور پانڈیہ خاندان لگ بھگ اسی علاقے میں حکومت کر رہے تھے، جو بعد میں تملاکم یا تمل علاقے کے نام سے مشہور ہوا۔ شمال مغرب میں پہلے ہند یونانی اور پھر کشانوں نے اپنی بادشاہت قائم کی۔ ہندوستان میں متھرا سے لے کر سمرقند اور بلخ و بخارا تک سارا علاقہ ان کے زیر انتظام تھا، یہاں تک کہ شاہراہ ریشم کا بھی ایک حصہ ان کے علاقے میں واقع تھا۔ مشہور کشان حکمراں کنشک نے 78 عیسوی میں ایک کلینڈر کا آغاز کیا، جو شک سموت کے نام سے مشہور ہوا۔ ساحلی اڑیسہ اور آندھرا میں پہلی صدی ق م میں کلنگ کے کھارویل نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں متعدد قبیلائی جمہوریتیں جگہ جگہ اپنی خود مختاری برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ مجموعی طور پر پورے ہندوستان پر کسی ایک خاندان کی حکومت نہیں تھی، بلکہ متعدد ریاستیں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے باہم برسرپیکار رہا کرتی تھیں۔ ہندوستان سے بہت دور بحر روم کے علاقے میں رومی سلطنت اپنے تمام حریفوں کو شکست دے کر ایک عظیم الشان اور وسیع و عریض شہنشاہیت میں تبدیل ہو چکی تھی، جو ہندوستان اور چین کے سامان کی سب سے بڑی خریدار تھی۔ عظیم رومی سلطنت کے قیام اور ان کی فتح مصر سے ہندوستان پر دور رس اثرات مرتب ہوئے، جس کا ذکر ہم آنے والے صفحات میں کریں گے۔

7.3 پیشے اور پیشہ ور جماعتیں (Crafts and Occupational Groups)

7.3.1 پیشے (Crafts)

200 قبل مسیح سے 200 عیسوی کے دوران پیشوں اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں بڑے پیمانے پر ترقی اور تنوع دیکھا جا سکتا ہے۔ بدھ ادب، بطور خاص جاتک کہانیوں اور کتبوں میں کئی قسم کے کاریگروں اور پیشوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے خصوصی طور پر قابل ذکر بڑھئی (وڈھک، Vaddhik) تھا۔ ایک کہانی کے مطابق بنارس کے قریب ایک گاؤں میں بڑی تعداد میں بڑھئی رہتے تھے۔ قریب کے جنگل سے لکڑیاں لا کر وہ ان کے ذریعہ مختلف آلات بناتے تھے۔ بانس کے کاریگر (وسکار، Vassakar) اور کانچ کے کاریگر (کوناچک، Konachak) کو کتبہ میں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ مالی کا کام یقیناً پھولوں کا ہار بنانا اور پھولوں کی کیاری کی دیکھ ریکھ کرنا تھا، جس سے پھولوں کی کھیتی کیے جانے کا اندازہ ہوتا ہے۔ عطر فروش (سوچاسک، Sochasak) یا (گدھک، Gadhik) عطر بیچنے کے پیشے سے منسلک تھے۔ قدیم ہندوستان میں ہاتھی دانت کا کام بھی عروج پر تھا۔ اس پیشے سے جڑے ہوئے لوگ دنتکار (Dantkar) کہلاتے تھے۔ ایسے ہی ایک دنتکار نے پہلی صدی عیسوی میں سانچی استوپ کو عطیہ دیا تھا۔ ٹالمی (Ptolemy) نے آندھرا کلنگ علاقے میں واقع پلورا (Palora) کے ہاتھی دھات کے بنے ہوئے اعلیٰ سامان کی تعریف کی ہے۔ پلورا کا قدیم نام دنتپور تھا۔ کلنگ (موجودہ ساحلی اڑیسہ) کے جنگلات، اچھے ہاتھیوں کی موجودگی کی وجہ سے قدیم ادب میں بہت مشہور ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ پلورا یا دنتپور ہاتھی دانت کے

کاریگروں کے اہم مرکز کی حیثیت سے شہرت یافتہ تھا۔ ہاتھی دانت سے بنے سازو سامان مالدار لوگوں کے لیے تھے، کیونکہ ان کا شمار آسائشی سامان میں ہوتا تھا۔ ایسے ہی قیمتی سامانوں میں زیورات، بطور خاص قیمتی دھاتوں سے بنے زیورات تھے۔ سور نکار (Swarnakara) سونے کے کاریگر تھے، جب کہ منی کار (Manikar) قیمتی اور کم قیمت کے موتیوں کو تراش کر زیورات بناتے تھے۔ زیورات کے کاریگروں کی موجودگی صرف ادبی اور کتباتی شواہد ہی سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں بھی قیمتی اور کم قیمتی پتھروں کے متعدد زیورات اور موتی ملے ہیں۔

تصویر 7.1۔ ودیشا کی ٹکسال کے بنے شُنگ دور کے چاندی کے سکے (کرشپن)
(Source: https://en.wikipedia.org/wiki/Karshapana#/media/File:I17_1karshapana_Sunga_MACW4325_1ar_(8485402873).jpg)

دستکاری سے جڑے سامان کی فہرست میں ہندوستان کی مشہور کپڑوں کی کاریگری کا ذکر ضروری ہے۔ ہمعصر ادب میں بنارس اور متھرا اعلی قسم کا کپڑا بنانے کے لیے مشہور تھے۔ مہنگے کپڑوں میں خاص طور پر قدیم بنگال کا بے حد مہین سوتی کپڑا قابل ذکر ہے، جسے ململ (مسلن، Muslin) کے نام سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ایک گمنام ملاح کی پہلی صدی قبل مسیح میں تصنیف کردہ کتاب 'پیری پلس آف دی ایریتھیرین سی' (*Peryplus of The Erytherian Sea*) میں گنگا کے دہانے کے علاقے (قدیم ونگا) میں تیار شدہ ململ کی نفیس بناوٹ کا ذکر ہے۔ اعلی قسم کے کپڑوں کے علاوہ پرتشٹھان (Partishthan) اور ٹیر (Ter) جنوبی ہند میں موٹے کپڑے کی تیاری کے اہم مرکز تھے، جن کا ذکر پیری پلس میں ملتا ہے۔ بنکروں (کولک، Kolak) کی سرگرم موجودگی کا ذکر نہپان کے ناسک کتبہ سے ملتا ہے۔ ٹیر اور پانڈیچری کے نزدیک اریکا میڈو (Arikamedu) کی کھدائی سے کپڑا رنگنے کا ایک برتن دریافت ہوا ہے۔ کپڑا رنگنے والے کاریگر جاتکوں میں رنگ کار (Rangkar) کہے گئے ہیں۔ یہ پیشہ پوری طرح کپڑے کی تیاری کے ماتحت تھا۔ مخصوص ہنرمند کاری گروں میں کرم کار یا کمار (Kammar) کا ذکر بے حد ضروری ہے جو لوہے کے سامان بناتے تھے۔ عام زندگی اور زراعت میں لوہے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آثاری شواہد سے بھی بڑے پیمانے پر لوہے کے سامان کے استعمال کی جانکاری حاصل ہوتی ہے۔ روزمرہ استعمال میں آنے والی ایک اہم چیز برتن تھی، جسے کمبھکار (Kumbhkar) تیار کرتے تھے۔ کنبھکار بدھ ادب میں بھی مشہور ہے۔ متعدد طرح کے برتنوں کی موجودگی کے سب سے زیادہ ثبوت آثار قدیمہ سے ملتے ہیں۔

7.3.2 پیشہ ورانہ انجمنیں (The Guilds)

حرفتی پیداوار کا جو مختصر تعارف پیش کیا گیا، اس سے نہ صرف مختلف پیشوں کا پتہ چلتا ہے بلکہ مخصوص ہنر مند کاریگروں کی موجودگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں خاص طور پر جس بات کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ ان سبھی پیشوں کا نظم ونسق ان لوگوں کی ایک جماعت یا انجمن کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان انجمنوں کو دھرم شاستر، بدھ ادب اور کتبوں میں شرینی، گن، سنگھ، نکائے، گوشٹھی وغیرہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ایک ہی پیشے سے جڑے کاریگر یا دستکار جب اپنی پیشہ ورانہ انجمن بناتے تھے، تو وہ انجمن ہی شرینی یا سنگھ کہلاتی تھی، جسے انگریزی زبان میں گلڈ (Guild) کہا جاتا ہے۔ یہ انجمنیں باہمی مضبوط تعلقات کی بنیاد پر قائم تھیں، جہاں انجمن وراثتی پیشے کو اہمیت دیتی تھی۔ انجمن کے ذریعے مختلف حالات میں باپ کے تحت بیٹا تربیت پاتا تھا۔ انجمن کی تنظیم کے تحت رہنے سے مختلف حرفوں اور پیشوں میں مقامی طور پر صلاحیت اور مہارت میں اضافہ ہوتا تھا۔ جاتک کہانی میں مذکور ہزاروں گھروں والے لوہاروں کے گاؤں (سہسر کٹک، کمار گام)، یا منکہ سازوں اور ہاتھی دانت کے کاریگروں کی بستیاں (مالاکار ویتھی، دنتکار ویتھی)، ایسی انجمنوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ انجمنوں کی سربراہی جییشٹھک، یا پر مکھ کرتے تھے، جو کہ ممکنہ طور پر عمر دراز یا ماہر کاریگر ہوتے تھے۔ دھرم شاستر میں جیشٹھک کی مدد کرنے کے لیے کاریہ چنتک نامی عہدے دار کی تقرری کی جانے کی صلاح دی گئی ہے۔ دھرم شاستر میں انجمن کے نظم وضبط سے متعلق قاعدہ قانون پر خصوصی دھیان دیا گیا ہے۔ انہیں شرینی دھرم کہا گیا ہے۔ شاستر کے احکام میں شرینی دھرم کو اتنی ہی اہمیت دی گئی ہے جتنی شاہی قوانین یا راج دھرم کو دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انجمن کے روزمرہ کے کام کاج کے لیے اس کے اپنے قاعدہ قانون تھے، جس میں شاہی مداخلت کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لیکن انجمن کے ممبران کے درمیان جھگڑا بڑھ جانے کی صورت میں شاہی مداخلت کی بات مذہبی قوانین میں کہی گئی ہے۔ انجمن کے جماعتی کردار پر زور دیتے ہوئے منو اور یاگیہ ولکیہ نے نصیحت کی ہے کہ انجمن کے ممبران کی آمدنی برابر ہونی چاہئے۔ کسی رکن کے ایجاد کردہ طریقہ کار سے اگر انجمن کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے، تو بڑھتی ہوئی آمدنی پر اس ممبر کا خاص اختیار نہیں مانا جائے گا۔ لیکن دوسری طرف اگر کسی ممبر کے ناکارہ پن یا لاپرواہی کی وجہ سے انجمن کا مالی نقصان ہوتا ہے، تو اس کا ذمہ دار وہی رکن مانا جائے گا۔ اس نقصان کی بھرپائی انجمن نہیں کریگی۔ مختلف اصولوں اور اعلی اقدار پر مبنی ایسی انجمنوں کو مضبوط اور مستقل بنانے کے لیے دھرم شاستروں میں ہمیشہ ممبران کے درمیان مقابلے کی جگہ باہمی تعاون پر زور دیا گیا ہے۔

انجمنوں کا ایک دوسرا اہم کردار بھی تھا، جس کی جانکاری صرف کتبوں سے ملتی ہے۔ انجمن یا سنگھ نقد قیمت میں امانت رکھتے تھے اور اس پر سود (بیاج) بھی دیا کرتے تھے۔ نہپان کے عہد حکومت میں ناسک میں بنکروں کی دو انجمنیں (پہلی اور دوسری کولک نکائے) تھیں۔ اشودت (Ashavadatta) نے پہلی انجمن میں 2000 اور دوسری میں 700 کرشپن جمع کرائے تھے۔ پہلی پونجی پر سالانہ 12 فیصد سود اور دوسری پونجی پر سالانہ 9 فیصد سود دینے کی بات کہی گئی ہے۔ کل ملا کر جو سالانہ 330 کرشپن سود (بیاج) ملتا تھا، س سے نزدیک ہی رہنے والے بودھ بھکشوؤں کے کھانے پینے کا انتظام (کرشنا مولیہ) ہوتا تھا۔ اس کتبہ میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ اصل پونجی پر کبھی ہاتھ نہیں لگانا ہے، صرف سود کا ہی استعمال کرنا (وردھی بھوجیہ) ہے۔ ہوشک (Huvishka) کے عہد حکومت (76ء) کے دوران متھرا میں میدہ تیار

کرنے والوں کی انجمن (سمتک) میں شاہی گھرانے کے ایک فرد نے 550 پران (ایک طرح کا سکہ) کے بقدر مال جمع کیا تھا۔اس امانتی رقم کے سود (بیاج) سے ایک مندر میں ہر روز مقررہ مقدار میں ستو (سکتوہ)، کچا اناج (ہر تک لا پاک)، اور نمک کا انتظام ہوتا تھا۔ جنوبی ہند کے ناگار جن کونڈا میں ایسی ہی صورتحال نظر آتی ہے، جہاں 330 کرشپن کی رقم چار انجمنوں کے پاس جمع تھی۔انجمنوں میں نقد رقم کے علاوہ زمین کے قطعات اور باغات جیسی اہم ملکیتیں بھی مستقل امانت کے طور پر رکھی جاتی تھیں۔اس طرح انجمنیں قدیم بینک کا کردار ادا کرتی تھیں، کیونکہ زیادہ تر امانتیں لمبے وقت کے لیے رکھی جاتی تھیں۔ساتھ ہی انجمن کو امانت (دھروہر، نیاس) رکھنے والوں کا پورا اعتماد حاصل تھا۔شاہی گھرانے کے افراد، اعلیٰ حکام اور عام لوگ سبھی کو انجمن میں امانت رکھنے کی سہولت حاصل تھی۔یہ یقینی طور پر انجمن کی مقبولیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس طرح امانت جمع کر لینے سے پیشہ ور انجمنوں کو کاروبار کے لیے ضروری رقم کا انتظام کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔بدھ سنگھ کے ساتھ پیشہ ور انجمنوں کا اس قدر متنوع اور سرگرم کردار مذکورہ عہد کے بعد دکھائی نہیں دیتا۔

کانوں اور معدنیات پر حکومت کا حق سبھی قانون دانوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔اسی طرح نمک بنانا بھی معدنی پیداوار کے تحت آتا ہے، لیکن شاستر نمک کی پیداوار پر شاہی اجارہ داری کی مخالفت کرتے ہیں، جس پر ٹیکس لگانے کے لیے اکثر حکمران پرجوش رہتے تھے۔نربدا ندی کے شمالی حصے میں واقع کوسا پہاڑ کے دامن میں ہیرے کی کان جس کا ذکر ٹالمی نے بھی کیا ہے، اس پر قبضہ جمائے رکھنے کے لیے کشان، ستواہن اور شک چھترپ مساوی طور پر کوشاں رہتے تھے۔موجودہ تمل ناڈو کے کوئمبٹور علاقے (ٹالمی کا پناٹا) میں لہسنیا پتھر (cat’s eye gem) کی کھدان تھی۔اس معدنی دولت پر اگر کوئی مقامی طاقت خصوصی حق جتائے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔پانڈیا علاقے میں کولاچی یا کولا کھی (موجودہ کورکائی) واقع تھا، جو ٹالمی کی جغرافیہ میں موتیوں کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔پیری پلس کے مطالعے سے ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں، کہ موتیوں کی پیداوار پانڈیہ حکمراں کے زیر نگرانی ہوتی تھی۔موت کی سزا سنائے گئے قیدیوں کے ذریعے سمندر کے بیچ سے سیپیاں چن کر لائی جاتی تھی، جن سے وہ بیش قیمتی پتھر نکالا جاتا تھا۔کورکائی کی کھدائی سے بھی اس ساحلی علاقے میں موتی حاصل کئے جانے کا اندازہ ہوتا ہے۔معدنی پیشہ وری کو چھوڑ کر اس عہد میں کسی اور پیشہ سے منسلک قومی یا حکومتی صنعت کا پتہ نہیں لگتا۔

7.4 تجارت (Trade)

7.4.1 تاجروں کی اقسام (Types of Traders)

زیر غور پانچ صدیوں کا دور تجارت کی تاریخ میں بے حد شاندار ہے۔برصغیر کے اندر اور باہر تجارتی سرگرمیوں کی جو وسعت اس عہد میں تھی وہ اس کے ماقبل میں نہیں دکھائی دیتی۔مختلف کاروباریوں کا تعارف، متعدد ماخذ بطور خاص بدھ جاتک کہانیوں میں ملتا ہے۔عام کاروباری ونک (Vanik) یا ویدیہک (Vaidehak) کہلاتے تھے۔سارتھاواہ نامی تاجر ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔بیل گاڑیوں کا قافلہ لے کر وہ مشرقی صوبے سے مغربی حدود تک آتے جاتے تھے۔جاتک کہانیوں میں بارہا اس کا ذکر آیا ہے۔سنگم ادب کا اپو ونک، نمک جیسی ضروری چیز کا کاروبار کرتا تھا۔پون ونک، تمل علاقے کا سونے کا تاجر تھا۔دولت اور شہرت کے معاملے میں ہندوستانی تاجروں میں شریشٹھی یا

سیٹھی پہلے درجہ پر تھے۔مال و دولت کے لحاظ سے سب سے بہتر یا زیادہ مالدار ہونے ہی کی وجہ سے وہ لوگ شریشٹھی یعنی اعلی ترین کہلاتے تھے۔

جاتک کتھاؤں کی گہری تحقیق کرنے کے بعد آئیو وفائزر (Ivo Fiser) نے یہ ثابت کیا ہے کہ شریشٹھی بنیادی طور پر سرمایہ کار تھے۔اپنے مال ودولت کا ایک حصہ وہ مختلف کاروباروں میں لگاتے تھے، جس سے انہیں یقینا بڑا فائدہ حاصل ہونے کی امید رہتی ہوگی۔فائزر کا ماننا ہے کہ بدھ ادب میں مذکور مالدار طبقے گہہ پتی سے ہی سیٹھی کا عروج ہوا ہوگا، کیونکہ گہہ پتی کی عظیم دولت کا بنیادی ذریعہ زمینی ملکیت تھی، جس کی آمدنی کا ایک حصہ وہ کاروبار میں لگادیتے تھے۔ نتیجتا سیٹھی / گہپتی کاروباری دنیا میں سرمایہ کار کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں ۔آنے والے زمانے میں اسی طبقے سے نکل کر سیٹھی ایک مکمل کاروباری کے طور پر سامنے آئے۔جاتک کہانیوں میں سیٹھی کی بے حساب دولت کا روایتی تذکرہ ملتا ہے، کہ وہ 80 کروڑ دولت کے مالک (اسی کوٹی/وبھو سیٹھی) تھے۔ایک کامیاب کاروباری کے طور پر سیٹھی کی پہچان بھلے ہی بن چکی تھی، لیکن ان کے ایک دوسرے کردار پر رچرڈ فک (Richard Fick) اور اپیندر ناتھ بسو (Upendra Nath Basu) نے روشنی ڈالی ہے، جس کے لیے انہوں نے ایک بار پھر جاتک کہانیوں کا سہارا لیا۔جاتکوں میں سیٹھی کے تذکروں میں اکثر یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ دن میں تین بار شاہی دربار میں جاتے تھے اور راج بھوگ یعنی راجہ سے تنخواہ پانے والے افسران میں ان کا نام شامل تھا۔مختلف جاتک کہانیوں میں راجا اور سیٹھی کے گہرے تعلقات کا ذکر ہے۔فک اور بسو بھی یہی وضاحت کرتے ہیں کہ شاہی دربار میں سیٹھی ایک کامیاب اور مالدار تاجر کے بجائے کاروباری طبقے کے ترجمان کا کردار نبھاتا تھا۔بدھ اور جین مذہب کے سرپرست کے طور پر شریشٹھی، سارتھواہ اور عام تاجروں کا واضح اور سرگرم کردار عطیاتی کتبوں سے برابر ظاہر ہوتا ہے۔

7.4.2 برّی تجارت (Inland Trade)

برصغیر میں تجارت کی ترقی میں خصوصی طور پر مددگار اہم زمینی راستے تھے۔جاتک کہانیوں کے مطابق پرتشٹھان سے ٹیر، ناسک، ماہشمتی، اجینی، ودشا، سیتویہ، ون سَبھیہ، تُمب ون اور کوشامبی کے درمیان سفر کرکے گنگا کے میدانی علاقے کے مشہور شہر شراوستی پہنچتے تھے۔ایک دوسرا زمینی راستہ چمپا نگری (بھاگلپور کے نزدیک) کو سندھ ندی کے مغرب میں واقع علاقہ گندھار کے دوسرے شہر پشکلا وتی (چہارسدہ) سے جوڑتا تھا۔ایک دوسرا راستہ مشرق میں پاٹلی پتر سے مغرب میں سندھ ندی کے دہانے میں واقع پاٹل تک پھیلا ہوا تھا۔مغربی ساحلِ سمندر کی مشہور بندرگاہ بھرگوکچھ (بھڑوچ) سے وادیٔ کابل بھی خشکی کے راستے سے جڑی ہوئی تھی۔پیری پلس کے مطابق کابل سے پشکلاوتی اور ٹیکشلا ہوتے ہوئے پنجاب اور گنگا جمنا دوآب کے متھرا کو چھوتے ہوئے، ایک تجارتی راستہ مغربی مالوہ میں اجین تک جاتا تھا۔اجین سے ایک دوسرا راستہ بھڑوچ تک لے جاتا تھا۔قابل غور ہے کہ 300ق م۔سے 70عیسوی کے درمیان میں شمالی سیاہ چمکدار برتن (NBPW) وادیٔ گنگا کے باہر برصغیر کے مختلف علاقوں میں پائے گئے۔وادیٔ گنگا میں تیار شدہ یہ اعلی قسم کے ظروف بذریعہ تجارت برصغیر کے مختلف علاقوں میں خاص کر جنوب بعید میں پہنچ گئے تھے۔اس آثاری پھیلاؤ سے تجارت کی توسیع کا پتہ چلتا ہے۔

تجارت کی تاریخ کا شاید سب سے دلچسپ پہلو جنوبی ایشیا کے ساتھ وسطی اور مغربی ایشیا ساتھ ہی بحر روم کے علاقے سے لگاتار بڑھتی ہوئی تجارت ہے، جو بری اور بحری دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ زمینی راستے سے آمد ورفت کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ رومی سلطنت کے آغاز کے ساتھ بحر روم کے علاقے میں خصوصاً اس کے مشرقی حصے میں رہنے والے طاقتور اور مالدار افسران اور کاروباری طبقے کے لوگ، مشرق سے نایاب اور بیش قیمتی آسائشی سامان حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہوا ٹھے۔ ان آسائشی سامانوں میں سب سے زیادہ مطلوبہ چیز چین کے ریشمی کپڑے تھے۔ ریشم صرف چین میں تیار کیا جاتا تھا اور بہت لمبی دوری طے کرنے کے بعد آخر میں بحر روم کی مشرقی سرحد تک پہنچتا تھا۔ چینی اور یونانی تذکروں کے ساتھ آثاری شواہد کو ملا کر پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ یہ راستہ چین کی وادی لولان (Lolan) سے شروع ہوتا تھا۔ وہاں سے مزید مغرب میں تُن ہوانگ (Tun Huang) واقع تھا جو بودھ گفائی تصویروں کے لیے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ بہت زیادہ دشوار گزار اور خوفناک صحرائے تکلا مکان (Taklamakan) سے بچنے کے لیے تُن ہوانگ سے راستہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا تھا۔ ایک راستہ تکلا مکان کے شمال سے ہو کر اور دوسرا اس کے جنوب سے ہو کر نکلتا تھا۔ کیونکہ چین کا ریشم ہی اس زمینی تجارت کی سب سے مشہور چیز تھی اس لیے انیسویں صدی میں آمد ورفت کے اس زمینی راستے کو دانشوروں کے بیچ شاہراہ ریشم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یعنی ایسا کوئی نام 200 ق م سے 300 عیسوی کے درمیان وجود میں ہی نہیں تھا۔ تُن ہوانگ سے شمالی راستہ طرفان (Turfan)، کچا (Kacha) اور کاشغر (Kashghar) تک جاتا تھا۔ جنوبی راستہ شنشان (Shanshan)، نیا (Nia)، ختن (Khotan) اور یارقند (Yarkent) ہو کر کاشغر پہنچتا تھا۔ کاشغر ان دونوں راستوں کا نقطہ اتصال تھا۔ اسٹرابو (Strabo) نے کاشغر کو سیریکے (Serike) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سیریکے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس علاقے میں ریشم ملتا تھا۔ کاشغر سے آگے کے مرحلے میں یہ راستہ مرو (Mary) تک جاتا تھا۔ مرو پہنچنے کے لیے فرغانہ (Farghana) اور سمرقند (Samarkent) ہو کر یا کاشغر سے بیکٹریا (Bactria) یعنی موجودہ مزار شریف کے علاقے کے بیچ سے ہو کر جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ راستہ ایران کے ہیکتم پلوس (Hectum Pulos) اور ایکبتانہ (Ecbatana) یعنی موجودہ ہمدان کو عبور کر کے عراق کے ہاٹرا (Hatra)، پالمیرا (Palmyra) اور اردن کے پیٹرا (Petra) کو چھوتے ہوئے بحر روم کے مشرقی ساحل کے علاقے میں جا کر ختم ہوتا تھا۔

بیکٹریا کے ساتھ کابل (Kabul)، پشکلاوتی/پرش پور (Pushkalavati) یعنی موجودہ پشاور اور ٹیکسلا (Taxila) کے درمیان زیادہ آمد ورفت رہا کرتی تھی۔ اس بے حد لمبے اور کئی رکاوٹوں والے راستے کا ایک بڑا حصہ پارتھیائی ایران میں پڑتا تھا، اور جغرافیائی اور سیاسی دونوں اعتبار سے چین اور بحر روم کے علاقوں کے درمیان اہم کردار ادا کرتا تھا۔ اپنی اس اہمیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پارتھیائی سلطنت بین الاقوامی تجارت پر بہت زیادہ چنگی وصول کرنے لگی۔ نتیجتاً ایک متبادل درمیانی علاقے اور طاقت کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ان حالات میں وسیع و عریض علاقے میں پھیلی ہوئی کشان سلطنت (Kushan Empire) کا آغاز ہوا، جس نے درمیانی علاقے کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ بیکٹریا پر کشانوں کا غیر نزاعی قبضہ، دریائے جیحوں (Amu River) کے شمالی حصے پر تصرف، وسطی ایشیا کے کچھ مخصوص حصے پر حکومت اور شمالی ہندوستان کے وسیع علاقے کا کشان سلطنت کے تحت آجانا، اس طرح کی سیاسی تبدیلیوں نے شاہراہ ریشم کی ایک شاخ کو جنوبی

ایشیا کے ساتھ جوڑ دیا۔ لمبی دوری کی تجارت پر اس کے گہرے اثرات کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

پچھلے دو دہوں میں کارل ییٹمار(Karl Yetmar)،احمد حسن دانی(Ahmad Hasan Dani)اور گیرارڈ فسمین (Gerhard Fussman)وغیرہ کی کوششوں سے قراقرم راستے کے اطراف اور گلگٹ(Gilgit)، چلاس(Chillas) اِسکاردو(Iscardo)جیسے علاقوں کی تجارتی اہمیت کی طرف ہمارا دھیان گیا ہے۔ان مقامات پر مختلف خروشٹی کتبہ اور چینی یا صغدی زبان میں لکھی گئی بہت سی تحریریں حاصل ہوئی ہے۔ پہاڑ میں منقش مناظر میں وسط ایشیائی لباس پہنے ہوئے بہت سے لوگوں کی تصویریں بھی ملی ہیں۔اس سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ چلاس کے گردونواح میں کئی علاقوں کے لوگ اکٹھا ہوتے تھے۔ تجارتی لین دین کی ہی وجہ سے وہ قدیم کشمیر کے شمالی حصے میں ٹھہر جاتے تھے۔ جو راستہ کشمیر کے شمالی علاقے کو موجودہ چین کے تحت پڑنے والے وسط ایشیائی علاقے سے جوڑتا تھا،وہی ممکنہ طور پر چینی ماخذات میں جبن(Jibin)یعنی کشمیر کے راستے کے نام سے مشہور تھا۔ یہ راستہ بہت پر خطر لیکن مختصر تھا۔اس لیے لگتا ہے کہ متعدد کاروباری جوکھم اٹھا کر بھی اس راستے سے جاتے تھے۔

7.4.3 بحری تجارت (Maritime Trade)

پہلی صدی قبل مسیح کے آخری حصے میں اس وقت کی ایشیائی تجارت میں ایک زبردست تبدیلی آئی۔ جنوب مغربی اور شمال مشرقی مانسونی ہواؤں کی رفتار کے تعلق سے جانکاری میں اضافے کے سبب ان ہواؤں کے سمندری سفر میں فائدہ مند ہونے کی معلومات ہوئی۔ پیری پلس میں ان ہواؤں کو ہپالس(Hippalus)کے نام سے ذکر کیا گیا ہے،جو ایپفی(Epifi)یعنی جولائی کے مہینے سے چلنے لگتی تھیں۔ رومی سلطنت کا مصر پر قبضہ ہو جانے کے بعد بحر احمر کی بندرگاہوں سے مانسونی ہواؤں کی مدد لے کر سمندری راستے کے ذریعے ہندوستانی ساحل تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ بہت سے یورپی تاریخ نگاروں کے اس عام خیال سے 2 کہ اس مانسون کی کھوج کرنے والا ہپالس نامی ایک یونانی ملاح تھا،موجودہ دور میں سرے سے خارج کر دیا گیا ہے۔ پلنی(Pliny) نے ہوا کے اس بہاؤ کو ہائپالم (Hypalam)کا نام دیا، جس کے ساتھ ہپالس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ان ہواؤں سے ہندوستانی اور دوسرے ایشیائی وافریقی سوداگر بخوبی واقف تھے،اس کی دریافت میں یورپی ملاحوں یا تاجروں کا کوئی بنیادی کردار نہیں تھا۔ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ رومی سلطنت کے تاجروں اور ملاحوں نے ان مانسونی ہواؤں کا استعمال کر کے ہندوستان کے ساتھ سمندری تجارت میں اہم کردار نبھایا۔ اسٹرابو جب تقریباً 20 یا 19 ق م میں مصر گیا تھا، تو اس نے دیکھا کہ ہر سال 120 جہاز ہندوستان کے لیے روانہ ہوتے تھے۔اس کے بیان کے مطابق کچھ وقت پہلے تک یہ وسیع سمندری تجارت ناقابل تصور تھی۔

پلنی کی 'نیچرل ہسٹری' کے گہرے تجزیہ کے بعد لائنل کیسن(Lynol Casson) نے یہ خیال پیش کیا کہ بحر احمر کی بندرگاہ ویرنس(Verenis)اور متس ہرموس(Mittus Harmos)سے اگست مہینے کے آخری دنوں کو چھوڑ کر، اگر جنوب مغربی ہوائیں موافق ہوں تو اوکلس(Okilis)بندرگاہ کے ذریعہ بحر عرب عبور کر کے ہندوستان کے مغربی ساحل تک پہنچنے میں تین ہفتوں کا وقت لگتا تھا۔ تقریباً تین صدیوں (پہلی صدی ق م سے تیسری صدی ق م کے نصف)تک جنوبی ایشیا نے زمین اور سمندر کے راستے بین الاقوامی تجارت

میں جو سر گرم کردار ادا کیا،اس کی کوئی مثال اس سے پہلے کے زمانے میں نہیں ملتی۔ بہت زیادہ پسندیدہ چینی ریشم اور ریشمی مصنوعات براہ کابل برصغیر کی شمال مغربی سرحد عبور کر کے سندھ کے دہانے تک پہنچتے تھے، یا پھر ٹیکسلا سے متھرا اور اجین ہو کر گجرات کے ساحل تک جاتے تھے۔ وہاں سے سمندری راستے کے ذریعے بحر احمر کے علاقوں میں اور بالآخر روم پہنچتے تھے۔

7.4.4 اہم بندرگاہیں (Important Ports)

پیری پلس، ٹالمی کی جغرافیہ، پلنی کے بیان، سنگم ادب کی تفصیلات اور آثار قدیمہ کے شواہد کو مجموعی طور پر دیکھنے سے ہندوستان کے دونوں ساحلوں پر واقع بندرگاہوں کے سر گرم کردار کا مطالعہ ممکن ہے۔ اہم بندرگاہوں کا تعارف یہاں دیا گیا ہے۔

1. دریائے سندھ کے دہانے اور قرب وجوار میں واقع مشہور بندرگاہ باربریکم (Barbarikam) تھی۔ چینی ماخذ اشارہ کرتے ہیں کہ سندھ کے دہانے سے ہو کر رومی سلطنت کے ساتھ سمندری تجارت سے بہت نفع حاصل ہوتا تھا۔
2. مغربی ساحل کی شاید بہترین بندرگاہ نرمدا کے دہانے پر واقع بھر گوکچھ یا بھروکچھ (Bharugacha) تھی۔ یونانی تخلیقات میں یہ بیری گازا (Barygaza) کے نام سے مشہور تھی۔ بیری گازا بندرگاہ میں داخلے کا آبی دروازہ گہرا نہ ہونے کی وجہ سے نامناسب تھا۔ اس لیے شک راجا نہپان نے ملاح مقرر کر رکھے تھے، تاکہ وہ غیر ملکی جہازوں کو راستہ دکھا کر بیری گازا لے آئیں۔ پیری پلس میں مذکور یہ واقعہ جہاں بیری گازا کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے وہیں اس دور کے حکمرانوں کی تجارت کے سلسلے میں پیش رفت کو بھی بیان کرتا ہے۔
3. شمالی ساحلِ کوکن میں تین بندرگاہ تھے، شورپارک (Shupark) یعنی سوپارا، کیلینے (Kaliyene) یعنی کلیانی اور سیملا (Simula) یعنی چول۔ ان میں سے سوپارا کی جاتک کہانیوں میں بہت تعریف کی گئی ہے۔ نہپان کے ذریعہ پیدا کی گئی رکاوٹ سے کلیان بندرگاہ کی اہمیت کچھ وقت کے لیے ختم ہو گئی، اس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔
4. جنوبی کوکن کی کئی بندرگاہوں کا ذکر پیری پلس اور ٹالمی کی جغرافیہ میں بھلے ہی کیا گیا ہو، لیکن بین الاقوامی تجارت میں ان کا کردار معمولی تھا۔
5. ساحل مالا بار پر کیرل کے کانگانور (Kanganur) کے نزدیک بے حد اہم بندرگاہ مجیریس (Muziris) واقع تھی، جسے سنگم ادب میں مرچی پتنم کہا گیا۔ سنگم ادب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کیسے یونوں (غیر ملکیوں) کے جہاز یہاں آتے تھے اور وافر مقدار میں سونے کے عوض مالا بار کی مشہور گول کالی مرچ لے جاتے تھے۔ دوسری صدی عیسوی کے وسط کی ایک قرض سے متعلق دستاویز میں کہا گیا ہے کہ ہرموپولن (Hermopolan) نامی ایک غیر ملکی جہاز مجیریس آیا تھا۔ اس پر بیش قیمتی ہندوستانی اشیاء رکھی گئیں تھیں۔ یہ جہاز بحر احمر کی ایک بندرگاہ کا چکر لگاتا تھا. وہاں سے قیمتی اشیاء کو اونٹوں پر لاد کر کوپٹس (Coptus) تک لے جایا جاتا تھا، کوپٹس سے کشتیوں کے ذریعے دریائے نیل کے راستے اُسے بحرِ روم کی مشہور بندرگاہ اسکندریہ تک پہنچایا جاتا تھا۔ بین الاقوامی سمندری تجارت میں مجیریس کی اہمیت کی تصدیق مذکورہ بالا بیان سے ہوتی ہے۔
6. موجودہ تمل ناڈو کے ساحل سمندر پر کئی بندرگاہوں کے نام یونانی اور سنگم ادب میں ملتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ پیری پلس کے مقابلے

میں ٹالمی کی جغرافیہ میں مشرقی ساحلِ پر واقع بندر گاہوں کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً 150 عیسوی میں لمبی دوری کی سمندری تجارت سے مشرقی ساحل کی بندر گاہوں کی اقتصادی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ تمل ناڈو کا ساحلی علاقہ بلا تردد سنگم ادب میں ندال تنائی کے تحت آتا تھا۔ قدیم پانڈیا علاقے میں ویگئی ندی کے مہانے پر ایک مارونگر (بندرگاہ شہر) تھا، جس کی پہچان الگن کلم (Algunkulam) نامی قدیم مقام سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد کالچی (Kalchi) کا ذکر آتا ہے، جو کورکائی (Korkai) نام کی قدیم جگہ پر واقع تھا۔ کاویری کے دہانے پر واقع مشہور بندرگاہ کاویری پٹنم (Kaveripattanam) چولوں کے اختیار میں تھی۔ ٹالمی اسے خابیرس (Khabers) کے نام سے جانتا تھا۔ اس بندرگاہ سے مزید شمال میں پوڈکا (Podakka) نام کی ایک جگہ تھی، جس کی باقیات پانڈیچری کے قریب اریکا میڈو سے ملے ہیں۔ مہابلی پورم سے 13 کلو میٹر جنوب میں واقع قدیم مقام واسوسمدرم (Vasavsamudram) عیسوی سن کی پہلی تین صدیوں میں سمندری تجارت میں اہم کردار نبھارہا تھا۔ اس جگہ سے حاصل شدہ اشیاء سے ایسا ہی اشارہ ملتا ہے۔

7. آندھرا پردیش کے ساحل سمندر پر بطور خاص کرشنا اور گوداوری ندیوں کے ڈیلٹائی علاقوں میں صرف دو اہم بندرگاہیں تھیں، کنٹک سلا (Kuntuksula) اور آلوسگنے (Alusugne)۔ کونٹک سلا کو مقامی زبان میں گھنٹ شال کہا جاتا تھا۔ بحری تجارت میں گھنٹ شال کے مقام کا تعین پہلی صدی عیسوی میں یہاں ایک بحری کپتان کی موجودگی سے ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ جنوب کے اس علاقے میں لین دین کے لیے خاص طور سے جہاز کی شبیہ والا ست واہن سکہ جاری کیا گیا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اسی ساحل پر جہاز کھلنے کی بھی ایک جگہ تھی۔ کھسی کھودا (Khasi Khoda) یعنی غالباً سورن بھومی اور کھسی کھورسو نیسس (Khasi Khorsonesis) یعنی غالباً سورن دویپ؟ کے لیے یہیں سے سمندری سفر کی شروعات ہوتی تھی۔

8. گنگا کے ڈیلٹا کے علاقے میں پیری پلس اور ٹالمی کی جغرافیہ میں گینگے نامی بندرگاہ کا ذکر ہے۔ اس بندرگاہ کی پہچان سبھی مورخین نے متفقہ طور پر اتری چوبیس پرگنہ ضلع کے مشہور قدیم مقام چندر کیتو گڑھ (Chandra Ketugadh) کے طور پر کی ہے۔ گنگا کے ڈیلٹا کی بہترین بندرگاہ بلاشک وشبہ تامر لپتی (تاملوک) تھی، جس کا ذکر ٹالمی نے ٹیمالٹس (Timaltus) کے طور پر کیا ہے۔ گنگا کے ڈیلٹائی علاقے کا سمندری تجارت میں جو واضح سرگرم کردار تھا، اس کا متفقہ ثبوت جہاز کی شبیہ سے آراستہ، براہمی اور خروشٹی کی ملی جلی تحریر والی پکی مٹی کی مہر سے ملتا ہے۔ بتیندر ناتھ مکھوپادھیائے (Batendranath Mukhopadhyaya) کے خیال سے یہ سیل/مہریں عیسوی سن کی پہلی تین صدیوں تک استعمال ہوتی تھیں۔ پورے ہندوستان میں اس طرح کی کوئی اور قدیم چیز نہیں ملی ہے۔ ٹالمی ہی اولین مغربی دانشور تھے، جنہوں نے خلیجِ بنگال کے علاقے کو بنگال کی کھاڑی یا *'Gangetic Gulf'* کے نام سے نشان زد کیا۔ یعنی اس سمندری راستے کے تعلق سے بتدریج بڑھتی دلچسپی اور پہچان کے بارے میں ٹالمی کو کافی معلومات تھی۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ تعلقات کے قیام کے نقطہ نظر سے بھی پورا مشرقی ساحل ایک مثالی خطہ تھا۔

تصویر 7.2۔ پیری پلس آف ایریتھیرین سی کے مطابق پہلی صدی میں ہندوستان کے بیرونی ممالک سے تجارت کے بری اور بحری راستے

(Source: https://en.wikipedia.org/wiki/Indo-Roman_trade_relations#/media/File:Indo-Roman_trade.jpg)

7.4.5 اشیائے تجارت (Trading Commodities)

غیر ملکی بازاروں میں جو ہندوستانی اشیائے تجارت باقاعدہ طور پر جاتی تھی،اس میں متعدد طرح کے کپڑے(جیسے قیمتی اور باریک ململ اور موٹے کپڑے) خاصی اہمیت رکھتے تھے۔دوسری صدی عیسوی کے جس قرض کے مراسلے کا ذکر اوپر کیا گیا،اس میں بحر احمر جانے والے جہاز میں اعلیٰ قسم کے کپڑوں کے بھیجے جانے کا واضح تذکرہ موجود ہے۔آسائشی سامانوں میں ہاتھی دانت کی مصنوعات بھی مقررہ طور پر بھیجی جاتی تھیں۔کابل کے نزدیک بیگرام(Begram)کی کھدائی سے ہاتھی دانت کی کاریگری کے اعلیٰ فنی نمونے حاصل ہوئے ہیں۔لگتا ہے یہ سب زمینی راستے سے مغربی اور وسطی ایشیا کو بھیجے جاتے تھے۔پومپی میں جو ہندوستانی کاریگروں کے ذریعے بنایا گیا ہاتھی دانت کا عورت کا مجسمہ پایا گیا،اس سے بین الاقوامی بازار میں ہندوستانی ہاتھی دانت کے سامان کا رتبہ ظاہر ہوتا ہے۔مذکورہ مراسلے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ہرمو پولن نامی جہاز پر صرف ہاتھی دھات کی بنی مصنوعات ہی نہیں سیدھے ہاتھی دانت بھی رکھے گئے تھے،جو کچے مال کی صورت میں بھیجے جا رہے تھے۔بیش قیمتی جواہرات میں ہندوستان کے ہیرے،زبرجد،اور موتی کی شہرت رومی سلطنت تک پھیلی ہوئی تھی۔بھیجے جانے لائق آسائشی سامان میں یقیناً ہی مختلف مسالے تھے،جن میں سب سے اونچا مقام مالا بار کی گول کالی مرچ کو حاصل تھا۔اگرچہ گول کالی مرچ مالا بار ساحل کی صرف ایک عام سی پیداوار تھی،لیکن بین الاقوامی بازار میں وہ نہایت اونچے داموں میں فروخت ہوتی تھی۔رومیلا تھاپر (Romila Thapar)نے گول مرچ کو صحیح طور پر کالا سونا کہا ہے۔قیمتی اور نایاب مسالوں میں یقیناً ہی جنوب مشرقی ایشیا میں پیدا ہونے والے مسالے تھے،جو ہندوستان کے ذریعہ رومی سلطنت کے بازاروں میں پہنچتے تھے۔

ہندوستان میں لائے جانے والے دوسرے تجارتی سامانوں میں چینی ریشم تھا،جس کا ایک حصہ ہندوستان کے بیچ سے ہو کر دوبارہ سمندری راستے سے برآمد کیا جاتا تھا۔پیری پلس میں کہا گیا ہے کہ مختلف طرح کی شراب ہندوستان میں آتی تھیں۔اس کے علاوہ اس کے مصنف نے کانچ کی مصنوعات کے ہندوستان میں آنے کی بات کہی ہے۔شراب ممکنہ طور پر اٹلی کے مشہور روغن زیتون کے برتن ایمفورا (Amphora)میں رکھ کر لائی جاتی ہو گی۔مٹی کے بنے ہوئے یہ لمبے پھولدان جیسے برتن ہندوستان کے متعدد قدیم مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں۔کہیں مکمل ایمفورا اور کہیں اس کا ٹکڑا یا پھر کہیں اس کا ہینڈل،آثار قدیمہ کے ماہرین نے دریافت کیا ہے۔رومی سلطنت کے ساتھ ہندوستانی تجارت کے راست ثبوت کے طور پر ایمفورا کا مخصوص مقام ہے۔ایک ہینڈل کا ایک خاص مٹی کا ٹکڑا ماہرین آثار قدیمہ کو بے حد دلچسپ لگا۔یہ شاید اٹلی کے ایرجو کے اطراف کا بنا ہوا تھا۔مٹی کے برتن کے تلے میں ممکنہ طور پر کاری گر یا مالک کا نام کندہ تھا۔آثاری اصطلاح میں اس طرح کے برتن کو اریٹائن پاٹری(Arretine Pottery) کہا جاتا ہے۔

رومی سلطنت کے ساتھ باقاعدہ تجارت کی بدولت رومی سکے ہندوستان میں کثیر تعداد میں آنے لگے۔کافی تعداد میں رومی سکے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ملے ہیں۔ان رومی سکوں کا سب سے بڑا ذخیرہ جنوبی ہند کے کویمبٹور اور آس پاس کے علاقوں سے حاصل ہوا ہے۔کویمبٹور(قدیم کونگو دیس)سے پال گھاٹ(قدیم پالکٹر)ہو کر آسانی سے مالا بار ساحل کی ترقی پذیر بندرگاہوں تک پہنچا جا سکتا تھا۔رومی شہنشاہ آگسٹس(31ق م سے 14عیسوی)سے کیراکلا کے عہد حکومت(213عیسوی)تک کی مدت میں تیار شدہ رومی سونے اور چاندی کے

سکے بڑی تعداد میں ہندوستان میں پائے گئے۔ یقیناً مشرقی رومن ایمپائر/ بازنطینی سلطنت(Byzantine Empire) کے سکے بھی جنوبی ہندوستان میں چھٹی صدی عیسوی تک آتے رہے، لیکن یہ رومی سکے کاروباری لین دین کے لیے استعمال ہوتے تھے یا نہیں، یہ کہنا مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں ایسے رومی سکوں پر گہری چوٹ کے نشان ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان سکوں کو جنوبی ہندوستانی سماج میں مبادلے کے ایک ذریعے کے طور پر خارج کر دیا گیا تھا۔

مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد ایسا لگتا ہے، کہ رومی سلطنت کے ساتھ تجارت میں ہندوستان سے جتنی مقدار میں اشیائے تجارت برآمد کی جاتی تھی، اتنی مقدار میں غیر ملکی سامان ہندوستان کو درآمد نہیں کیے جاتے تھے۔ یعنی اس غیر ملکی تجارت میں ہندوستان فائدہ یا سہولت میں تھا۔ پلنی نے پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے میں افسوس جتاتے ہوئے کہا ہے، کہ مالدار رومیوں کی آسائشی سامان کی خواہش پوری کرنے کے لیے روم کا قومی خزانہ لگ بھگ خالی ہو رہا تھا۔ اس خیال میں مبالغہ ہو سکتا ہے۔ کئی دانشوروں کے مطابق اس خیال میں جتنی اخلاقی فرض شناسی ہے اتنی سچائی نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہندوستان سے اعلیٰ قسم کے بیش قیمتی آسائشی سامان جب رومی سلطنت میں پہنچتے تھے تو ان پر تحفظاتی محصول(tariff) لگایا جاتا تھا۔ دوسری صدی عیسوی کے مذکورہ مراسلہ قرض کے مطابق سمندری راستے سے جب ہندوستانی اشیائے تجارت اسکندریہ(Alexandria) میں واقع رومی سرکاری گودام میں رکھی جاتی تھیں، تب ان پر 25 فیصد چنگی لگائی جاتی تھی، جو کہ بلاشبہ بہت زیادہ محصول تھا۔ بڑی مقدار میں آسائشی سامان درآمد کرنے کی وجہ سے اگر رومی معیشت پر کچھ دباؤ پڑتا تھا تو پلنی کے بیان سے براہ راست انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

7.5 شہر کاری کا فروغ (Growth of Urbanisation)

برصغیر میں زراعت کی ترقی، حیرت انگیز کاریگری کا تنوع اور مہارت، تجارت اور ریاستی نظام کی توسیع جیسے مختلف عناصر کے مل جانے سے شہر کاری میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ عموماً چھٹی صدی ق م سے شہری زندگی ہماری نگاہ میں آتی ہے، لیکن یہ صرف گنگا کے میدانی علاقے یا شمالی ہندوستان تک محدود تھی۔ زیر غور پانچ صدیوں میں شہروں کے عروج اور ترقی نے کل ہند صورت اختیار کر لی۔ وسطی گنگا کے میدانی علاقے میں مشہور شہروں (چمپا، وارانسی، کوشامبی، پاٹلی پتر، شراوستی وغیرہ) کے علاوہ بہت سے نئے شہر وجود میں آئے۔ یہ نئے شہر خاص کر ایسے علاقوں میں تھے جہاں اس سے پہلے شہری زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ برصغیر کے شمال مغربی علاقوں میں دو مشہور شہر تھے۔

1۔ پشکلاوتی   2۔ ٹیکسلا۔

ٹیکسلا کے سرکپ(Sirkup) میں کھدائی سے پتہ چلتا ہے، کہ 200 ق م سے 300 عیسوی کے درمیان شہر کاری پچھلے دور کے مقابلے میں زیادہ منظم ہو گئی تھی۔ رہائشی گھروں کی تعداد میں بھی پہلے سے اضافہ ہو گیا تھا۔ شہر کے راستے زیادہ منصوبہ بند طریقے سے بنائے گئے تھے۔ پورا شہر جال کی طرح تھا۔ اکثر اس کا نقشہ شطرنج کی بساط کی طرح ہوتا تھا۔ ایسے ترقی یافتہ شہر برصغیر میں عام طور پر نہیں پائے جاتے تھے۔ املانند گھوش(Amlanand Ghosh) کے مطابق اس شہر کے قیام پر یونانی اور ہیلینی اثرات کا ہونا کافی قرین قیاس

ہے۔ پنجاب کے سیالکوٹ علاقے میں جس جگہ ساکل نگر قائم تھا وہ ایک طرف تو ہند یونانی حکمران منانڈر (Minander) کی راجدھانی تھی، تو دوسری طرف اس کا ذکر ملند پنہو (*Milinda Panho*) میں ایک سر گرم تجارتی مرکز (پٹ بھیدن) کے طور پر ملتا ہے۔ اہی چھتر (Ahichchhatra) میں جو لگ بھگ 200 قبل مسیح میں شہر کے اندر ایک سڑک تعمیر ہوئی تھی، اس کے شواہد ماہرین آثار قدیمہ نے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ شک / کشان عہد میں بے حد دولت مند شہر کے طور پر گنگا جمنا دوآب میں متھرا کا عروج خصوصاً قابل غور ہے۔ پراکار (فصیل) کے ذریعہ شہر کو بیرونی حملوں سے محفوظ کیا گیا تھا۔ راستوں کا پھیلاؤ دیکھنے سے لگتا ہے، کہ شہر میں سواریوں کی آمدورفت اور انسانی رہائش گاہیں بتدریج بڑھ رہی تھیں۔ مٹی کی بنی کچی اینٹوں کے ساتھ پکی اینٹوں کا بھی استعمال دکھائی دیتا ہے۔ رہائشی گھروں کی دیواروں کے نقشے ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ متھرا شک / کشان عہد میں کافی ترقی یافتہ تجارتی مرکز تھا۔ زمینی راستے سے وہ ایک ہی ساتھ پنجاب ہوتے ہوئے شمال مغربی سرحد سے جڑا ہوا تھا، تو دوسری طرف گنگا کی ترائی کے مشرقی حصے کے ساتھ بھی اس شہر کا تعلق تھا۔ تہذیبی مرکز کی حیثیت سے متھرا مجسمہ سازی کے لیے مشہور تھا۔ مختلف دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہر میں وَیشنو، شَیو، بدھ اور جین مذہب ایک ہی ساتھ کافی مقبول تھے۔ اس کے علاوہ متھرا ایک اہم سیاسی اور انتظامی مرکز بھی تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے تیسری صدی عیسوی کے بدھ متن للتاوستار (*Lalita Vistara*) میں ایک شہر کے طور پر متھرا کی خصوصی تعریف کی گئی ہے، جیسے شہر کا رقبہ بڑا تھا، اور وہ کافی خوشحال تھا، نتیجتاً بھیک بھی آسانی سے مل جاتی تھی۔ اس خوابوں کے شہر میں بہت سارے لوگ رہتے تھے۔ گنگا کے میدان کے انتہائی مشرقی حصہ میں واقع قدیم بنگال میں بھی اِس ابتدائی شہری زندگی کی توسیع ہوئی۔

موریہ عہد حکومت میں شمالی بنگال میں صرف پنڈر نگر (Pundara Nagar) موجودہ مہاستھان اور بان گڑھ (Bana Gadh) میں شہری زندگی کا بلاواسطہ ثبوت ملتا ہے۔ موجودہ دور میں کھدائی سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں منگل کوٹ (Mangal Kot) (موجودہ شہر سے 35 کلو میٹر دور) میں ایک نیا شہر قائم ہوا تھا۔ ساحلی علاقے میں تامر لپتی جیسا بندرگاہ شہر نظر آتا ہے۔ کلکتہ کے نزدیک چندر کیتو گڑھ کے عظیم شہر کے باقیات دریافت ہوئے ہیں۔ اس قدیم مقام کو مٹی کی بڑی اونچی دیوار گھیرے ہوئے تھی جو چندر کیتو گڑھ کو ایک شہری بستی میں تبدیل کرتی تھی۔ قدیم اشیاء کی فراوانی اس شہر کی خوشحالی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ قدیم بنگال کے جنوبی پڑوسی صوبے اڑیسہ میں شہری آبادی کا ثبوت مشہور قدیم جگہ ششوپال گڑھ (Shishupalgadh) (بھونیشور کے نزدیک) میں ملتا ہے۔ یہاں 200 ق م سے 70 عیسوی کے درمیان عظیم شہری فصیل بنائی گئی۔ پہلی فصیل مٹی کی تھی جسے مضبوط کرنے کے لیے بعد میں پکی اینٹوں کی چنائی کی گئی۔ شہری منصوبہ بندی میں یہاں سے دریافت شدہ عظیم باب الداخلہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ دکن اور جنوبی ہند میں بھی شہر کاری کی روایت قابل غور ہے۔ آندھرا پردیش میں کرنول ضلع کے ستن کوٹہ (Satanakota) میں ستواہن شہر کے باقیات حاصل ہوئے ہیں۔ اس فصیل بند شہر کی مزید حفاظت کے لیے ایک خندق بھی کھودی گئی تھی۔ پکی ہوئی اینٹوں کا استعمال، بڑی تعداد میں منکوں کی دریافت، اور ایک شاندار مرکزی دروازہ شہر کی خوشحالی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہم عصر شک اور ستواہن تحریروں سے بھی شہری ترقی کی تصدیق ہوتی ہے۔ کرشنا اور گوداوری ندیوں سے سیراب، دکن کے مشرقی حصے کا سب سے مشہور شہر اکشواکوؤں کا دارالسلطنت وجے

پوری(Vijaya Puri) تھا۔زیادہ تر رہائشی گھر شہر کے مشرقی حصے میں واقع تھے۔شہر کی کشادہ شاہراہ، گلیاں اور موڑ سب یہاں پائے گئے۔ بدھ اور براہمن مذہب کے مرکز کی حیثیت سے شہر کی شہرت کتبوں سے بھی معلوم ہوتی ہے۔شہر کے فن تعمیر کا ایک بے حد دلچسپ پہلو کھلے آسمان کے نیچے مختلف نشستوں والا کھیل کا میدان تھا، جو رومن ایمفی تھیٹر (Amphitheatre) کی یاد دلاتا تھا۔

جنوب بعید کا ایک مرکزی شہر دریائے کاویری کے دہانے پر کاویری پٹنم(Kaveripattanam) تھا، جو کہ ایک بندرگاہ شہر تھا۔پُہار (Puhar) کی کھدائی سے اس شہر کے قیام کو جزوی طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔شہر کے باقیات پہار اور قرب وجوار کے چالیس قدیم مقامات میں بکھرے پائے گئے ہیں۔سنگم ادب میں جس شہر کو وسیع رقبے کا بتایا گیا ہے اس کی تصدیق قدیم ساز وسامان سے ہوتی ہے۔سنگم ادب مدھورا یا مدورائی (Madurai) شہر کے عروج کے بارے میں نہایت تفصیل سے بتاتا ہے۔پانڈیا راجاؤں کی طاقت کا بنیادی مرکز یہی شہر تھا۔سنگم ادب میں دوسرا قابل ذکر شہر کانچی یا کانچی پورم (Kanchipuram) تھا۔کانچی کی قریب ترین بندرگاہ نرپیپرو(Nireppearu) تھی، جو ویگوتی(Vegvati) یعنی ویگیئ ندی کے کنارے واقع تھی۔سنگم ادب کے مطابق یہاں روشنی کے مینار کا بھی انتظام تھا۔شہر میں جس طرح پرتبر(Partabar) یعنی ماہی گیروں کی رہائش تھی، اسی طرح تاجروں کی اونچی اٹا لیکاؤں (Attalikas) کا بیان بھی تمل ادب میں ملتا ہے۔

شہر کاری کی کل ہند توسیع جو ان پانچ صدیوں میں ہوئی، اس کی نوعیت کیا تھی؟ قدیم باقیات شہری زندگی کی عام علامات پر روشنی ڈالتے ہیں، جیسے فصیل کی تعمیر، کشادہ راستوں کا انتظام، گول کوؤں کے ذریعے پانی کی نکاسی کا منصوبہ، پکی اینٹوں کا استعمال، سکوں اور مہروں کی باقاعدہ موجودگی، منکوں کی بہتات وغیرہ، یہ سبھی شمالی ہند یا وادی گنگا میں شہری زندگی سے جڑے ہوے تھے۔ان سب چیزوں کی شروعات وادی گنگا میں چھٹی صدی قبل مسیح سے ہو گئی تھی۔پورے ہندوستان میں جب شہر کاری کو فروغ ہوا، تو اس کی اصل وادی گنگا میں شہر کاری کے عمل میں منحصر تھی۔شہر کاری کی توسیع شمالی ہند سے وندھیا کے جنوب ترین علاقوں میں ممکنہ طور پر ودشا، اجینی اور کلنگ سے ہو کر ہوئی۔ہندوستان کے جنوب ترین علاقوں میں شہر کاری کے محرکات شمالی ہندوستان سے ہی ملے ہوں گے یا پھر لمبی دوری کی تجارت کے ذریعے آئے ہوں گے۔لیکن پھر بھی رادھا چمپا لکشمی کا ماننا ہے، کہ بیرونی محرکات نے جنوبی ہندوستان میں شہر کاری کا جو میدان تیار کیا تھا، وہ سماج میں دوررس تبدیلیاں نہیں لا سکا۔

7.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ دوسری صدی قبل مسیح سے تیسری صدی عیسوی کے درمیان برصغیر ہندوستان میں دستکاری ،صنعت، تجارت اور شہر کاری میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔اس عہد میں ملک سیاسی طور پر مختلف علاقائی طاقتوں جیسے شنگ، ستواہن، تمل ریاستوں اور غیر ملکیوں جیسے ہند یونانی، شک، کشان، وغیرہ کے درمیان منقسم تھا۔ان میں سے شمال مغربی ہندوستان پر حکومت کرنے والے کشان اور دکن وجنوبی ہند کے حکمران ستواہن خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔معاشی نقطہ نظر سے تمل ریاستیں(چول، چیر اور

پانڈیہ) بھی خاصی اہم تھیں، کیونکہ ان کے مغرب میں مصر اور رومی سلطنت کے ساتھ اور مشرق میں جنوب مشرقی ایشیا اور چین کے ساتھ براہ راست تجارتی تعلقات تھے۔ درحقیقت ان ریاستوں کی خوشحالی کی بنیاد بھی غیر ملکی تجارت تھی۔

- ہم نے جانا کہ مذکورہ عہد میں مختلف طرح کے پیشوں اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔ متعدد پیشوں کے نام ہمیں ہمعصر ادبی ماخذ میں ملتے ہیں۔ جیسے بڑھئی، بانس کے کاریگر، کانچ کا سامان بنانے والے، عطر فروش، ہاتھی دانت کے کاریگر، جوہری، سنار، کمہار، لوہار، رنگریز، بنکر وغیرہ وغیرہ۔ ان سبھی پیشوں کے معاملات اور کارکردگی کی دیکھ بھال کے لیے، ہر پیشہ کی اپنی ایک انجمن ہوتی تھی، جسے شرینی، گن، سنگھ، نکائے، گوشتھی کہا جاتا تھا، جس کا انگریزی متبادل گلڈ (Guild) ہے۔ ان انجمنوں کے اپنے قاعدے قانون تھے، جن کو شرینی دھرم کہا جاتا تھا۔ سوائے کسی سنگین صورت حال کے، ریاست کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ یہ انجمنیں نہ صرف ممبران کے بیچ نظم و ضبط قائم کرتی تھیں بلکہ اشیاء کی تیاری اور خرید وفروخت کی ذمہ داری بھی سنبھالتی تھیں۔ علاوہ ازیں یہ عام لوگوں، حکام، افسران اور شاہی خاندان کے افراد کے لیے بینک کا کام کرتے تھے۔
- اس عہد میں تجارت کے میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ کئی طرح کے تاجر جیسے ونک، سارتھواہ اور شریشٹھی اس میں سرگرم تھے۔ فائزر کے مطابق شریشٹھی درحقیقت گہہ پتی یعنی بڑی زمینوں کے مالک تھے۔ ان زمینوں سے حاصل شدہ آمدنی وہ تجارت اور کاروبار میں لگاتے تھے۔ رچرڈ فک اور اتیندر ناتھ بسو بتاتے ہیں کہ شریشٹھی کے شاہی دربار سے راست تعلقات تھے، اور وہاں وہ ایک کاروباری کے بجائے تجارتی طبقے کے ترجمان کی حیثیت سے جاتے تھے۔
- تجارت بری (زمین) اور بحری (سمندر) دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ ملک کے مختلف حصے تجارتی راستوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ دو اہم شاہراہیں اتراپتھ اور دکشنا پتھ ملک کے شمالی اور جنوبی حصوں کو یکجا کرتی تھیں۔ شمالی شاہراہ ٹکشلا اور کابل ہوتے ہوئے کاشغر کے راستے عظیم شاہراہ ریشم سے مل جاتی تھی۔ جبکہ جنوبی شاہراہ جنوبی ہند کے متعدد شہروں بندر گاہوں سے جڑی ہوئی تھی۔ سوپارا، بھڑوچ، تامرلپتی، اور کلیانی جیسی بندر گاہوں سے مغربی ایشیا اور رومی سلطنت، ساتھ ہی جنوب مشرقی ایشیا اور چین کے ساتھ تجارت ہوتی تھی۔ ہندوستان کے کپڑوں اور جنوبی ہند کی گول مرچ کی رومی سلطنت میں بہت مانگ تھی۔ علاوہ ازیں جنوب مشرقی ایشیا کے مسالے اور چینی ریشم بھی بذریعہ ہندوستان یورپ جاتا تھا۔
- صنعت اور حرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ شہر کاری (urbanisation) کا بھی فروغ ہوا۔ شہر کاری کے ارتقا میں وادی گنگا کی مادی تہذیب کے عناصر جیسے لوہے کا استعمال، دھان کی کھیتی، سینچائی، روپانی، پانی کی نکاسی کے لیے گول کوئیں، پکی اینٹوں کا استعمال اور شمالی سیاہ چمکدار برتن وغیرہ کا اہم کردار تھا۔ یہ عناصر مذکورہ عہد تک پورے برصغیر میں پھیل گئے تھے۔ مختلف شہروں کے بارے میں مختلف ماخذ سے معلومات حاصل ہوتی تھی۔ جیسے شمال مغرب میں ٹکشلا، پشکلاوتی اور ساکل، وسطی ہند میں متھرا، شراوستی، اور پاٹلی پتر، مشرقی ہند میں ششوپال گڈھ، بان گڈھ اور مہاستھان، مغربی ہند میں سوپارا اور بھڑوچ، اور جنوبی ہند میں پرتشٹھان، پہار، مدورائی، کاویری پٹنم اور کانچی وغیرہ۔
- مجموعی طور پر سیاسی اعتبار سے منقسم ہونے کے باوجود ہندوستان خوشحال تھا۔ اور تجارت کا توازن اس کے حق میں تھا۔ لیکن تجارت اور

صنعت کی یہ ترقی آئندہ صدیوں میں برقرار نہیں رہ سکی۔اور شہروں کی جگہ دیہاتوں کی افزائش ہوئی۔اس زوال کی متعدد وجوہات تھیں جن کا اگلی اکائیوں میں ذکر ہوگا۔

7.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

موریہ سلطنت	:	322ق م سے 185عیسوی تک ہندوستان پر حکومت کرنے والی ایک عظیم سلطنت۔
رومی سلطنت	:	27ق م سے 476عیسوی تک یورپ، مغربی ایشیااور شمالی افریقہ پر حکومت کرنے والی عظیم بین بر اعظمی سلطنت۔
پارتھیائی سلطنت	:	247ق م سے 224عیسوی کے درمیان ایران پر حکمران خاندان
بازنطینی سلطنت	:	مشرقی رومی سلطنت جسکی راجدھانی قسطنطنیہ(استنبول) تھی، جس پر عثمانی ترکوں نے 1453میں فتح حاصل کرکے اس سلطنت کا خاتمہ کردیا
تملاکم	:	تمل علاقہ،موجودہ کیرالہ، تمل ناڈواور کرناٹک کا کچھ حصہ
ٹالمی	:	پہلی صدی ق م کا یونانی جغرافیہ دان اور مشہور کتاب *Geoghraphia* کا مصنف
پلنی	:	پہلی صدی عیسوی کا رومی ماہر فطرت فلسفی اور *Natural History* کا مصنف
سورنکار	:	سنار
کولک	:	بنکر
اسٹرابو	:	پہلی صدی ق م کا یونانی، جغرافیہ دان، فلسفی، مورخ اور مشہور کتاب *Geographica* کا مصنف
رنگ کار	:	کپڑے رنگنے والا
اپیغی	:	رومی کلینڈر میں جولائی کا مہینہ
شرینی/گن/سنگھ/نکائے	:	پیشہ ورانجمن یا Guild
شرینی دھرم	:	گلڈ کے قاعدے قانون
ایمفورا	:	دودستوں والا رومی صراحی نما مٹی کا برتن
پراکار	:	شہرپناہ یا شہر کے چاروں طرف کی دیوار
دھروہر/نیاس	:	امانت/پونجی/سرمایہ
کرشپن/پران	:	قدیم سکے
ونک/ویدیہک	:	عام کاروباری

پر تبر	:	مچھوارے یاماہی گیر
للتاوستار	:	تیسری صدی عیسوی کا بدھ متن ایمفی تھیٹر مدورا کھاڑایابغیر چھت کا نشستی ہال
شاہراہ ریشم	:	چین سے صحرائے تکلا مکان کے شمال اور جنوب ہو کر کاشغر، مرو اور مغربی ایشیا کے ذریعہ یورپ کو جانے والااہم تجارتی راستہ۔
ملند پنہو	:	(لفظی ترجمہ: ملند کے سوالات) پہلی صدی عیسوی کا بدھ متن جس میں ہند یونانی حکمراں مناندر اول اور بدھ بھکشوناگ سین کے درمیان ہوئی گفتگو درج ہے۔

7.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

7.8.1 معروضی سولات (Objective Answer Type Questions)

1. پیشہ ورانجمن کو____________کہتے تھے؟
2. نیچرل ہسٹری کے مصنف کون ہیں؟
3. کاویری کے دہانے پر واقع مشہور بندرگاہ کا نام بتایئے۔
4. منی کار کس پیشہ سے منسلک تھا؟
5. پونجی یاامانت کو کیا کہا جاتا تھا؟
6. راج بھوگ کا مطلب کیا ہے؟
7. ہندوستان کی کس چیز کی روم میں سب سے زیادہ مانگ تھی؟
8. بنگال کی کھاڑی کو گینگٹک گلف کا نام کس نے دیا؟
9. شمال مغرب کے کسی دو شہروں کے نام بتایئے۔
10. اسکندریہ کہاں واقع تھا؟

7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. N.B.P.W. کسے کہتے ہیں؟
2. وادی گنگا کی تہذیب کے مادی عناصر بتایئے۔
3. شاہراہ ریشم کی اہمیت بیان کیجیے۔
4. دواہم بندرگاہوں کا تذکرہ کیجیے۔
5. Arretine Pottery سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گلڈ سسٹم کے بارے میں ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. شاہراہ ریشم کا تذکرہ کرتے ہوئے بری تجارت کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
3. تجارت کی ترقی نے شہر کاری کے فروغ میں کیا کردار نبھایا، وضاحت کیجیے۔

7.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Material)

1. Avari, Burjor, *India–The Ancient Past: A History of the Indian Subcontinent from C. 7000 BCE to 1200 CE*., Routledge, 2016.
2. Chakravarti, Ranabir, *Exploring Early India up to 1300 AD*., Third edn., Primus Books, New Delhi, 2016.
3. Chakravarti, Ranabir, *Trade in Early India*, Oxford University Press, New Delhi, 2001.
4. Chandra, Moti, *Trade and Trade Routes in Ancient India*, Abhinav Publications, New Delhi, 1977.
5. Jha, D.N., *Ancient India*: *In Historical Outline*, Manohar, New Delhi, 1999.
6. Kosambi, D.D., *Culture and Civilisation of Ancient India in Historical Outline*, Routledge, 2022.
7. Prasad, Prakash Charan, *Foreign Trade and Commerce in Ancient India*, Abhinav Publications, New Delhi, 1977.
8. Sharma, Ram Sharan, *India's Ancient Past*, Oxford University Press, New Delhi, 2007.
9. Sharma, Ram Sharan, *Economic History of Early India*, Viva Books, 2018.
10. Singh, Upinder, *History of Ancient and Early Medieval India*, Pearson, New Delhi, 2009.
11. Thapar, Romila, *Cultural Pasts: Essays in Early Indian History*, Oxford University Press, 2003.
12. قدیم ہندوستان کی تہذیب و ثقافت تاریخی پس منظر میں ڈی۔ڈی۔ کوشامبی / بال مکند ملسیانی۔

اکائی 8۔ گپت دور کے حالات

(Situating the Age of Guptas)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 گپت خاندان کا عروج اور زوال
8.3 انتظامی ساخت
8.4 زرعی اور غیر زرعی معیشت
8.5 تجارت
8.6 سماجی اور مذہبی ماحول
8.7 مذاہب
8.7.1 وشنومت
8.7.2 شِومت
8.7.3 بُدھ مت
8.7.4 جَین مت
8.8 سائنس اور ٹکنالوجی
8.9 فن، فن تعمیر اور ادب
8.10 اکتسابی نتائج
8.11 کلیدی الفاظ
8.12 نمونہ امتحانی سوالات
8.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

8.0 تمہید (Introduction)

گپت عہد قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم دور رہا ہے جو اپنے ماقبل مرکزی سلطنتوں کی طرح مرکزی نوعیت کی آخری سلطنت تھی۔ یہ عہد اپنی سیاسی، اقتصادی، انتظامی اور بیرون ممالک سے تجارتی رشتے جیسی خصوصیات کے علاوہ سماجی اور مذہبی تبدیلیوں، سنسکرت زبان وادب، سائنس، ٹکنالوجی اور مختلف علوم وفنون مثلاً فن تعمیر، مجسمہ سازی، مصوری، علم فلکیات، علم ریاضی، علم طب کی ترقی کے لیے تاریخی اعتبار سے اہم رہا ہے۔ اس عہد سامنتوادی نظام کی نشو نما کے لئے بھی جانا جاتا ہے جسکا گپت سلطنت کے زوال میں ایک اہم کردار رہا۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- گپت سلطنت کی توسیع واستحکام، انتظامی تنظیم اور اسکے زوال کے بارے میں جان سکیں گے۔
- گپت عہد کی زرعی اور غیر زرعی پیداوار، سینچائی کے ذرائع، اندرونی اور بیرونی تجارت کو سمجھ سکیں گے۔
- اس زمانے میں موجود مختلف مذاہب اور سماجی تبدیلیوں کو جانیں گے۔
- سائنس، ٹکنالوجی، ہندو فلسفہ، مختلف علوم وفنون، علم فلکیات، علم ریاضی، علم طب، فن تعمیر، مجسمہ سازی، مصوری اور سنسکرت زبان وادب کے نشو ونما کے بارے جان سکیں گے۔

8.2 گپت خاندان کا عروج اور زوال (Emergence and Decline of the Gupta Empire)

تیسری صدی عیسوی میں کشان اور ساتواہن سلطنتوں کے زوال کے بعد شمالی ہندوستان اور دکن میں مختلف سیاسی طاقتوں اور نئے حکمران خاندانوں کا ظہور ہوا۔ اسی سیاسی ماحول میں گپت سلطنت کی بنیاد پڑی۔ گپت حکمرانوں کی ابتدا اور انکے اصل جائے وقوع سے متعلق مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ دراصل گپت کشانوں کے ماتحت سردار تھے جس نے چوتھی صدی کے دوسری دہائی میں مگدھ کے علاقوں پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرلیا تھا۔ شری گپت اور گھٹوت کچھ گپت خاندان کے پہلے ایسے دو حکمران ہیں جن کا سلطنت کی توسیع اور استحکام میں کوئی خاص کردار نہیں رہا۔ ان کا ذکر بھی کم ملتا ہے بلکہ سلطنت کے اصل بانی چندر گپت اول نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

گھٹوت کَچھ کے بعد ان کا لڑکا چندر گپت اول تخت نشین ہوا۔ اپنے والد اور دادا کے بر عکس اس نے مہاراجاادِھراج (Maharajadhiraja) کا بلند آہنگ لقب اختیار کیا۔ اس جہت سے وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے خاندان کی طاقت اور عظمت کو دوبالا کیا۔ اس نے لچھوی شہزادی کمار دیوی سے شادی کی۔ حالانکہ اس ازدواجی رشتے کے باوجود اس کی حکومت جنوبی ہندوستان کے مگدھ اور مشرقی اترپردیش میں ساکیت اور پریاگ تک محدود تھی۔ وہ (319-20CE) عیسوی میں تخت نشین ہوا اور (325) عیسوی تک حکومت کی، اس کی تاج پوشی سے ایک نئے سمبت کی ابتدا ہوئی۔

چندر گپت اول کے بعد ان کا بیٹا سَمُدر گپت غالباً (325) عیسوی میں اپنے مخالف شہزادہ کَچ کو زیر کرنے کے بعد تخت نشیں ہوا۔ وہ گپت بادشاہوں میں سب سے قابل حکمران تھا جس نے جنگ اور فتوحات کی پالیسی اختیار کرکے سلطنت کو وسیع اور مستحکم کیا۔ سلطنت کی توسیع اور استحکام کے غرض سے اس نے جبر و تشدد کی پالیسی اختیار کی تھی۔ انکے فتوحات کی تین قسمیں تھیں۔ پہلی قسم وہ تھی جس میں اس نے ریاستوں کی جڑیں پوری طرح سے اکھاڑ دیں اور انھیں اپنی سلطنت میں باقاعدہ شامل کیا۔ دوسری قسم میں وہ راجا تھے جنھیں اسنے تسخیر کیا، قید کیا اور بعد میں جب شکست خوردہ راجاؤں نے اس کی اطاعت قبول کرلی تو انھیں آزاد کر دیا۔ تیسری قسم ان سرحدی راجاؤں اور قبیلوں کی تھی جو اسکے فتوحات سے مرعوب ہوگئے اور برضا و رغبت اطاعت قبول کی۔ سمدر گپت کے تمام کارناموں اور فتوحات کا مأخذ الہ آباد کا ستونی کتبہ ہے جس کو اسکے درباری شاعر ہرِی سین نے قصیدائی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتبہ کے مطابق سمدر گپت نے آریہ وَرت کے راجاؤں کے ساتھ زور آزمائی کی اور اسنے اس معاملہ میں بڑی بے دردی سے توسیع سلطنت کی پالیسی پر عمل کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے ان راجاؤں کا بڑے جبر و تشدد کے ساتھ استحصال کیا۔ ان میں سے کچھ راجاؤں کے نام یہ ہیں۔ کوٹا خاندان کے شہزادہ، متھرا کے گَنپَتی ناگ جو ایک ناگ حکمران تھا، اَہیچھتر کے اَچیُت راجا اور پدماوَتی کے ناگ سین وغیرہ۔

سلطنت کی توسیع و استحکام کا یہ سلسلہ آریہ وَرت کے فتوحات کے بعد بھی جاری رہا، لہذا اس نے اپنی فوجوں کا رخ جنگلی ملکوں کے راجاؤں کی طرف موڑ دیا جنھیں اس نے اپنی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ان کے مقبوضات وسط ہندوستان، دکن اور راجستھان میں واقع ہیں۔ اس کے بعد سمدر گپت نے دَکشناپَتھ کے راجاؤں کو زیر کرنے کے لئے مشکل مہم کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے ان سب کو شکست دی اور قیدی بنایا، لیکن بعد میں انھیں رہا کرکے ان کو اپنے اپنے علاقوں میں بحال رکھا۔ ان راجاؤں کے نام یہ ہیں۔ کوشَل کا مَہیندر، مہاکانتار کا وَیاگھر راج، کورال کا منت رِاج، کوٹّور کا سَوامی دَت، پِشٹ پور کا مَہیندر، ایرَنڈپَل کا دَمَن، کانچی کا وِشنو گوپ، اَوَمُکت کا نیل راج، وینگی کا ہَستی وَرمَن، پلّک کا اُگر سین، دیوراشٹر کا کبیرِ اور کُستَھپور کا دَھنَن جَے، اور دَکشناپَتھ کے دوسرے راجا۔

سمدر گپت کے فتوحات کی فہرست کافی طویل ہے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ صرف شمالی ہندوستان پر ہی سمدر گپت نے براہ راست اپنا تسلط قائم کیا تھا، کیونکہ دکن اور جنوب کے راجاؤں نے صرف اس کی اطاعت قبول کی تھی۔ اسی طرح اس نے جنگلی ملکوں کے راجاؤں کے علاقوں پر بھی براہ راست حکومت نہیں کی تھی۔ سمدر گپت کے جانشینوں کے کتبہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ایام جنگ میں گھوڑے کی قربانی (اَشومیگھ یگ) کا احیا کیا تھا۔ الہ آباد کا ستونی کتبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت ہمہ داں قسم کا نابغہ شخص تھا۔ وہ صرف فنون جنگ میں ہی نہیں بلکہ مقدس علوم (شَاشتَروں) میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا اور علما اور فضلہ کی صحبت پسند کرتا تھا۔ وہ ایک اعلی درجہ کا شاعر بھی تھا۔ اسے "کوی راج" کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک دوسرے فن یعنی موسیقی کی بھی ترقی اور پرورش کی۔ اس میدان میں اس کی صلاحیتوں کی تصدیق اس کے بعض سکّوں سے ہوتی ہے جس میں اسے ایک اونچے تکیہ والے تخت پر وِینا بجاتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔

گپت سلطنت کی توسیع واستحکام کا دوسرا اہم دور چندر گپت دوم(375-415عیسوی) کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔دراصل جس سلطنت کو سمدر گپت نے قائم کیا تھا اس کی مزید توسیع اسکے جانشین چندر گپت دوم نے کیا۔اس عہد کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمدر گپت نے چندر گپت کو اپنا جانشین بنایا تھا، لیکن ادبی مأخذ اور کچھ تامبے کے سکّہ اور کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رام گپت سمدر گپت کا جانشین تھا۔رام گپت کا نام وِشاکھادَت کے ایک ڈرامے میں ذکر کیا گیا ہے جو دیوی چَندر گُپتَم کے نام سے موسوم ہے۔یہ کہا جاتا ہے کہ رام گپت ایک بزدل حکمران تھا ،شَک راجا کے مطالبہ پر اسنے اپنی بیوی دُھوُرودیوی کو اسکے حوالے کرنے پر راضی ہو گیا، لیکن دیور یعنی چَندر گپت کے مداخلت سے اس کی آبرو رہ گئی۔چندر گپت دوم نے عورت کا بھیس بدل کر شَک راجا کو قتل کر دیا،اسکے بعد اسنے رام گپت کو قتل کر کے خود دُھوُرودیوی سے شادی کی اور شاہی تخت پر بیٹھا۔سمدر گپت نے زیادہ تر علاقوں کے راجاؤں کو پہلے ہے زیر کر دیا تھا، لیکن کچھ علاقے اب بھی خود مختار تھے۔لہذا سلطنت کی تعمیر کا یہ مشکل کام چندر گپت دوم کے ذمہ باقی رہا کیونکہ مغربی علاقے کا شَک شَترَپ اب بھی سرکشی پر آمادہ تھے،اگرچہ واکاٹکوں نے عارضی طور پر شَکوں کو نقصان پہنچایا تھا لیکن ہم اس عہد کے سیاست میں وہ اب بھی اہم مقام رکھتے تھے۔

شَکوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو سختی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی غرض سے چندر گپت نے ازدواجی رشتہ اور دوستی بنانے کی پالیسی اختیار کی۔اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اس نے اپنی بیٹی کی شادی واکاٹک کے راجا رودر سین کے ساتھ کر دی۔یہ ازدواجی تعلق سیاسی حکمت عملی کا زبردست شاہکار تھا۔کیونکہ واکاٹک مہاراجا کی ریاست جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔اگر شمال کی طرف سے شَک شَترَپ کسی وقت بھی حملہ آور ہوتے تو واکاٹک کی ریاست انھیں فائدہ پہنچا سکتی تھی۔اسی طرح کدَمبا راجا کُکستھوَرمن نے اپنی لڑکی کی شادی گپت بادشاہوں سے کیا۔اس طرح چندر گپت دوم نے شَکوں کے خلاف ایک بڑی فوجی مہم کی اور سلطنت کو مستحکم کیا۔اسنے وِکرَمادتیہ کا لقب اختیار کیا۔حقیقتاً چندر گپت کا عہد جنگ وجدال کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اسکے باوجود اسنے ادب کو فروغ دیا۔سنسکرت کے مشہور شاعر کالی داس چندر گپت کے شاہی دربار سے ہی منسلک تھے۔

چندر گپت دوم کے جانشینون کا عہد توسیع واستحکام کے رو سے کچھ خاص اہم نہیں رہا بلکہ اس کے برعکس سلطنت زوال کے طرف بڑھنے لگی۔چندر گپت دوم کے بعد ان کا بیٹا کمار گپت (415-504عیسوی) تخت شاہی پر بیٹھا، جسکے عہد میں وسط ایشیا کے ہُونوں نے بَیکٹیریہ پر تسلط حاصل کر لیا تھا جو ہندوستان میں گپت سلطنت کے لئے خطرہ تھا۔اس کے باوجود کمار گپت کا عہد چندر گپت دوم کے مقابلہ پر سکون رہا۔ کمار گپت کے بعد اسکا بیٹا اَسکند گپت تخت نشین ہوا۔ہُونوں کے حملہ کی وجہ سے اسکا دور حکومت پر سکون نہیں رہا۔اسکے عہد میں خانہ بدوش ہُونوں نے شمالی مغربی دروں سے طوفان کی مانند حملہ ور ہوئے۔ابتداً میں تو اَسکند گپت ہُونوں کو روکنے میں کامیاب ہوا،اور اندرون ملک میں انھیں داخل ہونے سے روک دیا۔لیکن انکے پے درپے حملہ نے گپت سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں تھیں۔اَسکند گپت کے بعد گپت خاندان میں کئی بادشاہ گزرے جیسے،نَرسِنگھ گپت، کمار گپت دوم،بُدھ گپت، بھانو گپت، لیکن یہ تمام حکمران گپت سلطنت کو مستحکم کرنے میں ناکام ہوئے جسکے نتیجہ پانچویں صدی عیسوی تک گپت اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطنت کا زوال اور اس کے اسباب

ہُونوں کے حملے اور انتظامی کمزوریاں گپت سلطنت کے زوال کے دو اہم اسباب تھے۔ کمار گپت دوم کے زمانے سے ہی ہُون ہندوستان کے شمالی مغربی علاقوں کے لئے خطرہ بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے زمانے میں ہی ہُون شمالی مغربی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ لہذا پانچویں صدی عیسوی کے آخر تک ہُون سردار تورَ مَن نے مغربی اور وسط ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ اس کے بعد تورَ مَن کے بیٹے مِہرِ کل نے مزید توسیع کی۔ اس طرح ہُونوں کے پے در پے حملہ نے گپت سلطنت کو کافی کمزور کر دیا تھا خاص طور سے شمال مغرب کے علاقوں میں جسکی وجہ سے ایک وسیع سلطنت کا زوال ہو گیا۔

زوال کا سیاسی سبب یہ تھا کہ جن علاقوں کو گپت بادشاہوں نے فتح کیا تھا، ان پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے کوئی مؤثر طریقہ کار اختیار نہیں کیا۔ جسکی وجہ سے سیاسی بحران کے وقت چھوٹے چھوٹے سرداروں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اسی طرح گپت حکمرانون کے مسلسل جنگی مہم نے سلطنت کے خزانے کو بھی متاثر کیا۔ لہذا پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی کے ابتدا میں بہت سے علاقائی سرداروں نے گپت حکمرانوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اسکے علاوہ گپت بادشاہوں نے بڑے پیمانے پر زمین برہمنوں کو عطیہ میں دینے کے ساتھ ان زمینوں سے محصول جمع کرنے اور انتظامی معاملات کا حق بھی انہیں دے دیا تھا جسکے نتیجہ سامنتی نظام (Feudal System) کا عروج ہوا۔ لہذا جب گپت سلطنت اپنے آخری دور میں کمزور پڑنے لگی، تو سامنتوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنا اقتدار مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

8.3 انتظامی ساخت (Administrative Structure)

یہ واضح ہے کہ گپت بادشاہوں نے ان علاقوں کے انتظامی امور میں مداخلت نہیں کی جہاں کے راجاؤں نے ان کے اقتدار کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے ماتحتوں کے ذریعے حکومت کر رہے تھے۔ بلکہ گپت بادشاہوں نے منظم طریقے سے حکومت کرنے کے لئے نہ صرف فوجی، مالیاتی، مرکزی، صوبائی اور محصول سے متعلق معاملات کے لئے شعبہ بنائے ساتھ ہی منظم طریقے سے چلانے کے لئے باقاعدہ ایک نظام تھا۔ جن کے ذریعہ گپت بادشاہ ان علاقوں پر حکومت کر رہے تھے جو براہ راست سلطنت کا حصہ تھے۔

8.3.1 بادشاہ

سلطنت کا اقتدار اعلی بادشاہ ہوتا تھا۔ گپت خاندان کے بادشاہوں نے اپنے لئے پَرَم بَھٹّارَک، پَرَم دیوتا، چکرورتی اور پَرَ میشوَر جیسے بھاری بھرکم القاب اختیار کئے۔ الہ آباد کا ستونی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت نے اپنے آپ کو خدا سے بھی ملحق کیا تھا۔ بادشاہ سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ سہی راستہ اختیار کرے اور اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے۔ جنگی اور غیر جنگی حالات میں حکومت سے متعلق پالیسی طے کرنا، اپنے رعایا کو ہر قسم کے حملہ سے محفوظ کرنا، جنگ میں فوج کی قیادت کرنا وغیرہ ان کے فرائض اور ذمہداریاں تھیں۔ ان سے یہ بھی امید کی جاتی تھی کہ وہ برہمنوں، سامنتوں اور ان تمام لوگوں کو جنھیں تحفظ کی ضرورت ہو انکی حفاظت کرے، تعلیم یافتہ اور مذھبی طبقے کی ہر ممکن مدد

کرے، انتظام عدلیہ کی حفاظت اور مرکزی اور صوبائی سطح پہ آفسروں کو بحال کرے۔

8.3.2 وزیروں اور دوسرے آفسروں کی مجلس

گپت دور کے کتبہ سے وزیروں کے درجہ بندی صاف طور سے ظاہر نہیں ہوتی، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ انتظامی عملے سے مشورہ کرتے تھے اور تمام اہم معاملات میں آفسروں کو حکم جاری کرتے تھے۔ اس کے علاوہ گپت عہد میں انتظامی عملے کا عہدہ موروثی تھا۔ چندر گپت دوم کے اُدیگری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور امن کا وزیر، ویر سین اپنے عہدے پر موروثی طور سے فائز تھا۔ نظام عدلیہ کے معاملات میں علیہ کے اعلی حقوق بادشاہ کے پاس ہی ہوتا تھا، لیکن مُنصِف اعظم (مہادَنڈ نایک) انکی مدد کرتا تھا۔ صوبائی سطح پر اُپارِک اور ضلع سطح پر وِشیاپَتی نامی آفسر انصاف کا کام انجام دیتا تھا۔ جبکہ گاؤں میں اس کام کو بڑے بزرگ اور گاؤں کے سربراہ انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ گپت عہد کے حکومتی نظام میں اور بھی اعلی آفسر ہوتے تھے جیسے مہاپرَتہار جو قلعوں کے دیکھ بھال کرتا تھا جبکہ پرَتہار نامی آفسر شاہی تقاریب کو منظم کرتا تھا۔

8.3.3 فوج

گپت حکمرانوں کے پاس ایک بڑی فوج تھی۔ جنگ کے وقت بادشاہ ہی فوج کی قیادت کرتا تھا لیکن سَندھی وِگرہ جو جنگ اور صلح کا وزیر تھا اعلی آفسروں کی مدد کرتا تھا۔ پیلوپَتی (ہاتھیوں کا سربراہ)، اَسوپَتی (گھوڑوں کا سربراہ)، نَرپَتی (پیدل سوار کا سربراہ) جیسے آفسر سَندھی وِگرہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ جبکہ رَنبھنڈا گرک نامی آفسر فوجیوں کو تنخواہ دینے اور ہتھیار مہیا کرانے کا کام انجام دیتا تھا۔

8.3.4 انتظام محصولات

زمین سے آنے والے محصولات ہی گپت سلطنت کے آمدنی کا اہم ذریعہ تھا، اس لئے انتظام محصول سے متعلق نظم نسق بھی تھے۔ سمدرگپت کے عہد میں گوپاسرمن نامی ایک آفسر اَکشپٹل اَدِھکارِک کے عہدے پر فائز تھا۔ حکومت کے مالیات سے متعلق فرائض انجام دیتا تھا۔ اکاؤنٹ رجسٹر میں مختلف معاملات کو درج کرنا، خادموں کے ضمانت کے ساتھ شاہی بقایا وصول کرنا، غبن کو روکنا اور لاپرواہی سے ہونے والے نقصان کا جرمانہ وصول کرنا اسی آفسر کے فرائض تھے۔ انتظام محصولات کے تعلق سے پُسٹپال دوسرا اہم آفسر تھا، کسی بھی طرح کے لین دین کو درج کرنے سے پہلے اس کی تفتیش کرنا اس کا اہم کام تھا۔ گپت بادشاہوں نے زمین کی مساحت اور زمینی محصول وصول کرنے کے غرض سے باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا تھا۔ کامندک نے اپنی کتاب نیتیسار میں لکھا ہے کہ بادشاہ کو خزانے پر خاص توجہ دینی چاہئے کیونکہ سلطنت کا دارومدار اسی پر ہے۔ گپت عہد میں زمینی پیداوار کا چھٹا حصہ شاہی محصول کے طور پر مقرر تھا۔ کالی داس اور نارد اسمرتی کے مصنف کے مطابق پیداوار کا چھٹا حصہ شاہی محصول ہونا چاہئے۔ اپارک نامی ایک اور ٹیکس تھا جو ان کپڑوں اور تیل وغیرہ پر لگایا جاتا تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جاتا تھا۔ تاجروں کی تنظیموں کو بھی ایک تجارتی ٹیکس (شُلک) حکومت کو ادا کرنا ہوتا تھا، یہ ٹیکس نہ ادا کرنے پر تجارت کے حقوق مسترد کردئے جاتے تھے اور ساتھ ہی اصل شُلک سے آٹھ گنا زیادہ جرمانہ دینا ہوتا تھا۔ اس عہد میں جنگلات اور شاہی زمینوں سے ہونے والی

آمدنی کو بادشاہوں کی ذاتی آمدنی تسلیم کی جاتی تھی۔اس کے علاوہ سکّوں کے ذخیرے، زیورات، اور دوسری قیمتی اشیا جو زمین کے تہ سے نکالا گیا ہو شاہی خزانے کا حصہ ہوتا تھا۔

8.3.5 صوبہ، ضلع اور گاؤں

انتظامی طور پر گپت سلطنت کئی صوبوں میں منقسم تھی جس لئے کتبوں میں دیس، راشٹر یا بُھکتی جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ شمالی بنگال میں پَنڈوَر دھا بُھکتی اور شمالی بہار میں تیرا بُھکتی کے نام کتبوں سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ بُھکتیوں کے انتظام کا باگ ڈور اُپارِک نامی آفسر کے ہاتھوں میں ہوتا تھا جسکا تقرر بادشاہ خود کرتا تھا۔ پَرن دت سوراشٹر کا بُھکتی تھا جسے اَسکندگُپت نے مقرر کیا تھا۔ صوبہ یا بھکتی انتظامی رو سے ضلعوں مین منقسم تھے جسے وِش کہا جاتا تھا۔ یہاں کا انتظامی آفسر آیُکت یا وِشیَپَتی ہوتا تھا جسکو بُھکتی مقرر کرتا تھا۔ بنگال کے گپت کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع کے سربراہ کے محکمہ (ادھکارن) سے بہت سے مقامی طبقوں کے نمائندے ملحق تھے جیسے نگر سیٹھی (شہر کے سوداگروں کا سربراہ)، سار تھواہ (کاروان کا سربراہ)، پراتھم کولک (کریگروں کا سربراہ) اور پراتھم کاستھ (کائستھ طبقے کا سربراہ)۔ اسکے علاوہ ضلع سطح پہ سٹپل نامی ایک اور آفسر ہوتا تھا جس کا کام اندراج رکھنا تھا۔ گپت سلطنت کے انتظامیہ میں سب سے سطحی اکائی گاؤں تھی جہاں گرام پتی یا گرام اَدھیکچھ سربراہ ہوتا تھا۔

8.4 زرعی اور غیر زرعی معیشت (Agrarian and Non-Agrarian Economy)

گپت عہد میں زرعی معیشت کی اہمیت کا علم ہمیں ان پہلوؤں سے ہوتا ہے جنکا تعلق براہ راست زراعت یا زرعی پیداوار سے تھا، مثلاً مختلف قسم کی زمینیں، پیمائش کی اکائی، فصل کی پیداوار، سینچائی کے طریقہ کار، زمین کے مالکوں کے طبقے اور عطیہ زمین کی روایت جو اس زمانے میں رائج تھی۔ ان تمام پہلوؤں کا ذکر گپت عہد کے مختلف ماخذ میں کیا گیا ہے۔

8.4.1 زمین کے اقسام اور پیمائش کی اکائی

زمین کے مختلف اقسام کے بارے میں کتبوں سے معلوم ہوتا ہے۔ زیر کاشت زمین کو چھیتر کہا جاتا تھا، خِل اور اَپر ہت اس زمین کو کہا جاتا تھا جو کاشکاری کے لائق ہو لیکن جوتی یا بوئی نہ گئی ہو۔ اَپرَدا غیر مستحکم زمین کو جبکے آباد زمین کو واستو کہا جاتا تھا۔ زمین کی پیمائش کے لئے کوئی واحد معیاری اِکائی نہیں تھی بلکہ مختلف علاقوں میں پیمائش کے لئے مختلف اِکائی رائج تھی، ہم عصر ماخذ میں کئی اصطلاحات اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے پیمائش کی مختلف اکائیوں کا علم ہوتا ہے، انگُل (13.4 نچ) سب سے چھوٹی اکائی تھی۔ پیمائش کی ایک دوسری اکائی جسے ہست یا ہاتھ (18 انچ) کہا جاتا تھا یہ کہنی کے سرے سے بیچ والی اُنگلی تک ہوتی تھی۔ زمین کی پیمائش کے لئے جو بڑی اکائی تھی اسے دھنُو، دنڈ اور نال کہا جاتا تھا۔ اسی طرح آڈھواپ (3.5 یا 1.2 ایکڑ)، درونواپ (1.5.2 ایکڑ) اور کُلیاواپ (12.6 ایکڑ) وہ پیمائش تھی جو مشرقی ہندوستان میں رائج تھی۔ پاٹک بھی زمین کی پیمائش کی ایک اکائی تھی جو 80-60 ایکڑ کے مساوی تھی۔ مزید اصطلاحات میں پرور تواپ کا بھی ماخذ میں ذکر ہوا ہے جو شاید کُلیَواپ سے چھوٹی اکائی تھی۔ اس کے علاوہ پداورت جو ایک فٹ سے زیادہ تھی اور بُھومی جیسے لفظ کا بھی استعمال ہوا ہے۔

8.4.2 سینچائی کے ذرائع

اس عہد میں سینچائی کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ہم عصر ماخذ سے ہمیں نہ صرف سینچائی کے تعلق سے انتظامات کا پتا چلتا ہے بلکہ اسکے مختلف وسائل خاص طور سے قدرتی اور مصنوعی وسائل کا علم بھی ہوتا ہے۔ ماخذ میں پینے کا پانی اور کھیتوں کی سینچائی کا ذکر ہمیں زراعت کے بارے میں کافی اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح جوناگڑھ کے کتبہ سے سینچائی جیسے معاملات میں ریاست کے کردار کا پتا چلتا ہے۔ در اصل بغیر آبی وسائل کے دیہی اور زرعی علاقوں کا نظم کافی مشکل تھا۔ کنواں، نہر، حوض، تالاب وغیرہ سینچائی کے مصنوعی وسائل تھے، جبکہ بارش اور ندیاں جیسی سینچائی کے قدرتی وسائل تھے۔ قدیم بنگال میں بارش اور ندیاں جیسی قدرتی وسائل ہی سینچائی کے اصل ذرائع تھے۔ ان علاقوں میں سینچائی کے لئے مصنوعی وسائل کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی۔ گپت عہد کے تامبے کی تختیون میں ندیوں کے علاوہ حوض، تالاب، دلدلی علاقے، کھائی اور باندھ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں کسی فرد کا عطیہ کے طور پر عوام کی فلاح و بہود کے لئے حوض کی تعمیر کرانا ایک قابل تعریف عمل تسلیم کیا جاتا تھا، مثلاً پرِتھوی سمدر نامی جھیل کی تعمیر کا سہرا واکاٹاک کے نَندیوَردھن شاخ کے پرِتھوی سین دوم کو جاتا ہے۔ ریاست کے ذریعہ جھیل کی تعمیر کی سب سے اچھی مثال گجرات کے سوراشٹر ضلع میں قائم سُدرشَن جھیل کی دی جاتی ہے۔ موریہ عہد میں تعمیر اس جھیل کی مرمت گپت عہد اور اسکے ماقبل کئی بار کی گئی۔

رودردامن کی دور حکومت میں جب اس جھیل کو کافی نقصان پہونچا تھا تو اس کی اچھی طرح مرمت کی گئی۔ جب اسکند گپت کے عہد میں دوبارہ اسکو نقصان پہونچا تو سوراشٹر میں اسکے گورنر پُورن دَت اور اسکے بیٹے چکر پالت نے اس جھیل کی مرمت کرائی۔ ندی، کنواں اور نہر کے ذریعہ سینچائی کرنے کا ایک دوسرا طریقہ بھی رائج تھا جیسے گھٹی ینتر جسے اَر گھٹ بھی کہا جاتا تھا۔ اس عہد کے تامبے کے کتبوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تالاب، حوض، دلدلی علاقے، گڈھے اور ندیوں کے کنارے باندھ سینچائی کے اہم وسائل تھے۔ دراصل سینچائی کے وسائل فراہم کرنا پوری طرح ریاست کی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ زیادہ تر کسانوں کو زراعت کے لئے بارش پر منحصر رہنا ہوتا تھا۔

8.4.3 عطیہ زمین

زرعی معیشت کے بارے میں مزید علم ہمیں اس عہد کے زرعی سماج میں ہونے والی اہم تبدیلیوں سے ہوتا ہے۔ زمین کا نظام اس عہد میں مضبوط ہو رہا تھا۔ عطیہ زمین کا نظام (Land Grant System) کا فروغ پانا اور مستحکم ہونا اس عہد کے زرعی سماج میں ہونے والی اہم تبدیلی تھی۔ ابتدا میں تو صرف برہمنوں اور مندروں کو ہی عطیہ زمین کے ساتھ مالی اور انتظامی اختیارات دئے گئے لیکن بعد میں یہ تمام اختیارات شاہی افسران کو بھی دئے گئے۔ اکثر دیہات کے ساتھ ساتھ انکو انتظامی اختیارات دیئے جاتے تھے۔ وسط ہندوستان کے مختلف مأخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عطیہ دیہات میں سکونت اختیار کرنے والے باشندوں، کاشتکاروں اور کاریگروں کو اکثر بادشاہوں کی طرف سے یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ وہ عطیہ گیروں (donees) کو نہ صرف روایتی ٹیکس دے بلکہ ان کے احکامات کی بھی تعمیل کرے۔ شمالی ہندوستان میں عطیہ گیروں کو چوروں اور دیگر مجرموں کو سزا دینے کا اختیار دئے گئے۔ جبکہ پانچویں صدی عیسوی کے بعد انھیں دیوانی مقدمات چلانے کا

بھی اختیار دے دیا گیا۔ عطیہ زمین جیسی نظام نے سامنتی سماج کے عروج کی راہیں بھی ہموار کیں۔ کئی کتبوں سے زرعی غلامی (Serfdom) نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ جب برہمنوں کو عطیہ زمین دیا جاتا تھا تو کاشتکاروں کو بھی اس زمین سے منسلک رہنا پڑتا تھا۔ حالانکہ اس روایت کی ابتدا ٔ جنوبی ہندوستان میں گپت عہد سے کافی پہلے ہو چکی تھی، کیونکہ تیسری صدی عیسوی کے پلوخاندان کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار کاشتکار ایسی زمین سے منسلک تھے جو برہمنوں کہ عطیہ میں دی گئی تھی۔ چینی سیاح، فاہیان کے مطابق راہبوں، پجاریوں کے لئے تعمیر کئے گئے خانقاہوں، مکانات، باغات اور کھیتوں میں کھیتی کرنے کے لئے کاشتکار اور مویشی موجود ہوتے تھے۔ حالانکہ اس کی تصدیق شمالی ہندوستان کے کتبوں سے نہیں ہوتی، لیکن چھٹی صدی عیسوی کے کتبے جو گجرات اور وسط ہندوستان میں دریافت ہوئے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین عطیہ میں دی جاتی تھی اس پر اکثر کاشتکاروں کو رہنے کے لئے کہا جاتا تھا۔ اگرچہ زمین کے ساتھ کاشتکاروں کی منتقلی کی روایت ما قبل گپت عہد میں بھی موجود تھی لیکن آزاد کاشتکاروں کی نقل و حرکت کی حد بندی اور کاشکاروں کی حیثیت زرعی غلام یا نیم زرعی غلام کا ہونا اس عہد کی اہم تبدیلی تھی۔ عطیہ زمین کے نظام سے ایک طرف تو سامنتی زرعی تعلقات اور استحصال کی مختلف شکلیں وجود میں آئیں جس سے سماج میں ذہنی تناؤ کا عروج ہوا، تو دوسری طرف پسماندہ علاقوں میں یہ نظام زرعی توسیع کا باعث بھی بنا۔ اسی زرعی توسیع نے گپت حکمرانوں کے آخری دور میں نئے ریاستوں کی تشکیل کے لئے ایک مستحکم زرعی بنیاد فراہم کی۔

8.4.4 زرعی پیداوار

زرعی معیشت کا علم اس عہد کے زرعی پیداوار سے بھی ہوتا ہے۔ اس عہد میں تقریباً ہر طرح کی فصل کی پیداوار ہوتی تھی۔ جو، گندم، دھان، مختلف قسم کی دالیں، چنے اور مختلف قسم کی سبزیاں پیدا کی جاتی تھیں، حالانکہ دھان سب سے اہم فصل تھی۔ کالی داس چاول کے مختلف اقسام جیسے شالی، نیوار، کلّم سے اچھی طرح واقف تھے۔ شالی چاول کی سب سے اچھی قسم تھی۔ جب کہ نقد فصل میں کپاس اور گنّے کی کھیتی ہوتی تھی۔ کالی داس نے گنّے کی کھیتی کا بھی ذکر کیا ہے۔ امر کوش میں کپاس، تیل کے بیج، نیل اور سرسوں کا ذکر ہوا ہے۔

8.4.5 غیر زرعی پیداوار

زرعی معیشت کی طرح غیر زرعی معیشت کی اہمیت بھی اتنی ہی تھی۔ دستکاری کے مختلف اقسام پہلے سے ہی معیشت کے اہم حصہ تھے۔ یہی روایت گپت عہد میں بھی جاری رہی۔ دستکاری میں ایک بڑی تعداد گھریلو اشیا ٔ کی تھی جس میں مٹّی کے برتن، فرنیچر کے ساز و سامان، ٹوکریاں اور دھاتو کے مختلف اوزار وغیرہ شامل تھے۔ قیمتی اشیا ٔ جیسے سونے، چاندی اور قیمتی پتھروں سے بنے زیورات بھی موجود تھے جو معاشرہ کے رئیس طبقہ کو دستیاب کرائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہاتھی کے دانت سے بنے اشیا ٔ اور عمدہ قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑوں کی صنعت بھی اس عہد میں اہم تھی۔ امر کوش میں دستکاروں کی ایک اہم خصوصی فہرست دی گئی ہے، مثلاً لوہے جیسی دھات پر مبنی صنعت کی ترقی اس عہد کی دستکاری سرگرمیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ دہلی کے مہرولی میں کندہ لوہے کا ستون سے اس عہد کی لوہے کی صنعت کی سب سے اچھی مثال پیش کی جاتی ہے۔ کتبوں کے حوالے سے لوہار اور سنار جیسے دستکاروں کا بھی علم ہوتا ہے۔ کچھ گاؤں کے نام دستکاروں کے سکونت

اختیار کرنے کی وجہ سے رکھی گئی، مثلاً کچھ گاؤں کے نام لوہانگر تو کچھ کا سنور نکار ملتا ہے جو لوہار اور سنار طبقے کی جائے پناہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح واکاٹاک راجاؤں کے کتبے میں اشٹکیلّی، لوانکل جیسے نام اینٹ بنانے والے، نمک بنانے والے اور تیل کے پیشہ سے متعلق پیشوروں کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ برتن اور فرنیچر کی دستکاری کے علاوہ سوتی اور ریشمی کپڑوں کی صنعت اور کپڑوں کو رنگنے کی صنعت بھی اس عہد میں موجود تھی۔ راجگھاٹ، اہچھتر اور بھیٹا سے بڑی تعداد میں برتن ملے ہیں۔ مغربی ہندوستان سے دریافت شدہ 593 عیسوی کا کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کمبھکار (برتن بنانے والے) اپنے برتن کو ہی ٹیکس کے طور پر ادا کرتے تھے۔ ستوتر دھار (بڑھئی) کا بھی کتبہ میں ذکر آیا ہے، حالانکہ روایتی طور سے کپڑوں کی صنعت کافی مشہور تھی۔ کپڑوں کے مختلف اقسام کا علم ہمیں ادبی مأخذ سے ہوتا ہے جو اس دستکاری کی ترقی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن کپڑوں کی صنعت کی سب سے اچھی مثال 436 اور 437 عیسوی کے مندسور کے کتبے سے پتا چلتا ہے۔ اس کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ گجرات کے ریشم بننے والوں کی ایک تنظیم ہجرت کر کے مندسور میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی صنعت سے ملحق نیل کی دستکاری تھی جسکا استعمال کا ثبوت ہمیں ہم عصر مأخذ میں ملتا ہے۔ اس عہد میں اونی کپڑوں کی صنعت بھی موجود تھی بنگال اونی کپڑوں کی پیداوار کا مرکز تھی۔

دستکار اس عہد میں اتنے منظم تھے کہ تمام پیشواروں کی ایک تنظیم تھی جسے شرینی یا نگم کہا جاتا تھا۔ اس عہد میں صنعت اور دستکاری میں ترقی کا اندازہ تجارت اور صنعت کو منظم کرنے والی انجمنوں سے بھی ہوتا ہے جسے شرینی کہا جات تھا۔ یہ دستکاروں کی ایک تنظیم ہوتی تھی جو ایک ہی طرح کے پیشہ کو منظم کرنے والے لوگوں کی تنظیم ہوتی تھی۔ مندسور کے کتبے سے ریشمی سوت بننے والوں کی انجمن جسے پٹوائے شرینی کہا جاتا تھا کا علم ہوتا ہے۔ جبکہ اِندَور کے کتبے مین تیلک شرینی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ انجمنیں بینکوں کا بھی کام انجام دیتی تھیں اور ساتھ ہی ممبران کو سود پر پیسے بھی دیتی تھی۔ ریاست عام طور سے انکی عزت کرتی تھی۔ اِسمرتیوں میں حکمرانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ شرینیوں کے قاعدہ قانون نافذ کریں، حالانکہ شرینی اپنے ممبران کے مسائل خود ہی حل کرتے تھے۔ ہر ایک شرینی کا اپنا خود کا ایک مہر ہوتا تھا۔

8.5 تجارت (Trade)

گپت عہد میں اندرونی اور خاص طور سے بیرونی تجارت میں کافی ترقی ہوئی تھی۔ اس وقت کے بڑے شہروں، تجارتی راستے، درآمد اور برآمد ہونے والے ساز و سامان سے تجارتی محرکات کا علم ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شہر لمبی چوڑی سڑکوں سے جڑے ہوئے تھے۔ بھَڑوچ، اجینی، پرِتشٹھان، وِدِشا، پَریاگ، پاٹلِپتر، وَیشالی، مَتھُرا، اَہِچھَتّر، کوشامبی وغیرہ بڑے شہر کے علاوہ تجارتی مرکز بھی تھے۔ اُجینی، چندر گپت دوم کی دوسری دارالحکومت تھی۔

8.5.1 اندرونی تجارت

تاجروں اور تجارتی سامان کی نقل و حرکت مختلف اہم زمینی اور دریائی راستوں سے ہوتی تھی۔ نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ چینی سیاح، فاہیان جس نے 399 سے 414 عیسوی کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی تھی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں نقل و

حرکت پر کوئی پابندی نہ ہونے کا بہت زیادہ ذکر کیا ہے۔ فاہیان شمالی ہندوستان میں زمینی سفر کے تعلق سے فراہم کئے گئے مناسب سہولیات اور راستوں کی حفاظت سے بھی متاثر تھے۔ زمینی راستوں کے ذریعہ شمالی اور جنوبی ہندوستان کے مابین مواصلات کا اندازہ سَمُدر گپت کے فوجی مہمات سے بھی ہوتا ہے۔ جس نے اپنے مرکز وادی گنگا سے جنوبی ہندوستان کے علاقوں تک پہونچنے کے لئے طے شدہ راستوں کا استعمال کیا تھا۔ زمینی راستوں کے علاوہ اجناس اور تاجروں کے نقل و حرکت کے لئے دریائی راستے بھی اہم تھے۔ یہ راستے خاص طور سے وادی گنگا میں محرک تھے۔ جن ندیوں کے ذریعہ تجارت ہوتی تھی اس میں گنگا، برَہمپُتر، نَرمدا، گوداوری، کِرِشنا اور کاویری شامل تھیں۔ بنگال کے کتبوں سے کشتی کھڑی ہونے کے جگہوں کے حوالے بھی ملتے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ بنگال کی ندیاں تجارتی اور غیر تجارتی ساز و سامان کی نقل و حرکت کے لئے اہم ذرائع تھے۔

8.5.2 بیرونی تجارت

بیرونی تجارت کے حوالے سے ہندوستان ایک طرف فارس، عرب اور باز نطین اور دوسری طرف سری لنکا، چین، اور جنوبی مشرقی ایشیاء سے جڑا ہوا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں قسطنطنیہ میں باز نطینی طاقت کے عروج سے بحر ہند کے مغربی علاقوں میں اور ہندوستان کی بیرونی تجارت میں کسی حد تک بہتری آئی۔ چھٹی صدی عیسوی کے بعد ہندوستان اور باز نطینی علاقوں کے درمیان سمندری رابطے بحر احمر کے بجائے زیادہ تر خلیج فارس کے ذریعے بنائے گئے۔ ایران کے ساسانی سلطنت نے بھی ہندوستان کے ساتھ تجارتی روابط قائم کرنے میں اپنی دلچسپی کو برقرار رکھا اور خلیج میں تجارتی نقل و حرکت پر کچھ اختیار قائم کرنے کے خواہشمند تھے۔ اس کے نتیجے باز نطینی اور ساسانی سلطنتوں کے درمیان رقابتیں پیدا ہوئی۔ لیکن ہندوستان کے ساتھ ان کی تجارتی خواہش برصغیر کے لئے مفید تھی۔ اس بدلتے ہوئے تناظر میں ہندوستان کے مغربی ساحل کو خاص تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ اسی وجہ سے کونکان اور سیبور جیسے بندرگاہوں کی اہمیت چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں بڑھ جاتی ہے۔ ایک عیسائی راہب کی کتاب "کرِشچین ٹوپو گرافی" میں بیان کیا گیا ہے کہ کَلِنگا کے بندرگاہ دوسری صدی عیسوی کے دوسرے نصف سے زوال پزیر حالت میں تھی، لیکن خلیج فارس کی تجارت کی احیاء نے اس کی اہمیت میں چار چاند لگا دیا۔ حالانکہ تجارتی نظریہ سے کونکان کے ساحلی علاقوں سے زیادہ اہمیت جنوب میں واقع مالا بار کے ساحلی علاقوں کو حاصل تھے۔ کوئمبٹور کے آس پاس کے علاقوں میں باز نطینی سکوں کی دریافت نا قابل تردید طور سے ہندوستان اور مغربی بحر ہند کے درمیان سمندری تجارت کے تسلسل کو ظاہر کرتی ہے۔ حالانکہ گجرات اور کاٹھیاواڑ پر گپت راجاؤں کی فتح خلیج فارس کے ساتھ تجارت سے فائدہ اٹھانے کے امکانات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

کاسمَس کی کتاب میں ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں میں موجود کئی مختلف بندرگاہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان بندرگاہوں میں کَلیان، چَول، مالا بار، پَرتی، مَنگلور، سولپَتَن، نَلوپَتَن (نِنسِڈاہ) اور پَنڈوپَتَن وغیرہ کے بازار شامل تھے۔ چینی سیاح فاہیان کے مطابق بنگال کا تامرلِپتی بندرگاہ ہندوستان کے مشرقی ساحل پر تجارت کا ایک اہم مرکز تھا۔ یہ بندرگاہیں اور قصبے ایک طرف فارس، عرب اور باز نطین اور دوسری طرف سری لنکا، چین، اور جنوبی مشرقی ایشیاء سے جڑے ہوئے تھے۔ فاہیان ہندوستان اور چین کے درمیان سمندری راستوں کے خطرات کو بھی بیان کرتا ہے۔

چینی ماخذ میں ہندوستان سے آنے والی اہم اشیاء کی فہرست دی گئی ہے۔ جس میں نایاب جواہرات، موتی، مُسلن جیسے باریک کپڑے، زعفران، کالی مرچ، سمیت مصالح اور خوشبو شامل ہیں۔ زِن رُولیا کے مطابق ریشم کے مقامی پیداوار کے باوجود ہندوستان نے چین سے ریشم کے دھاگے اور کپڑے درآمد کرنا جاری رکھ کر تجارت میں اہم کردار ادا کیا جسکی وجہ سے چینی ریشم بحر روم کے ملکوں تک پہونچی۔ ہندوستان میں چینی ریشم کی مسلسل مانگ کی ایک بڑی وجہ تکنیک کی کمی تھی کیوں کہ ہندوستانی کاریگر جنگلی ریشم کے کیڑوں کے کوکون سے ریشم بناتے تھے۔ اس تکنیک میں ہندوستانی پہلے کوکون کو جمع کرتے تھے اور جب ریشم کے کیڑے اندر سے کوکون کو کتر چکے ہوتے تو پھر ٹوٹے ہوئے کوکون سے بنے فلاس سے سوت کاتتے تھے۔ دراصل شہتوت کے ریشم کے کوکون کو بڑھانے اور ابلے ہوئے کوکون سے دھاگے کو کھولنے کی تکنیک ہندوستان میں اس وقت تک نامعلوم رہی جب تک کہ اسے 13 ویں صدی عیسوی میں وسط ایشیاء کے تارکینِ وطن نے متعارف نہیں کرایا۔ ہندوستانی ریشم چینی ریشم کی طرح نرم یا چمکدار نہیں تھی، حالانکہ ہندوستان کے سوتی کپڑے مشہور تھے اور دوسرے ملکوں کو برآمد کئے جاتے تھے۔ لیکن ہندوستان کا ریشم کبھی بھی برآمد کا بڑا حصہ نہیں رہا۔ قرون وسطی میں ہندوستانی ریشم کی پیداوار میں تکنیکی اختراعات کے باوجود، چینی ریشم ایک پر تعیش چیز رہی جس کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ چینی ریشم چین کے بادشاہ کی طرف سے غیر ملکی سفارت خانوں کو دئے جانے والے تحائف میں شامل تھی۔ کالی داس کا بھی بیان ہے کہ ہندوستان کے مالدار لوگ چینی ریشم سے بُنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔

مشرقی ہندوستان کے بندرگاہوں کی طرح جنوبی ہندوستان کے بندرگاہوں نے بھی جنوبی مشرقی ایشیاء کے ملکوں اور چین کے ساتھ تجارت میں اہم کردار ادا کیا۔ تَمِل مہاکاویوں کی کہانیاں مدُرئی، کاویری پٹنَم، تَنجی اور کانچیپُرم کے شہروں میں ترتیب دی گئی تھیں۔ شِلپپدِکارم میں کَنَّکی کے والد مَنایکَن پُہار نامی مشہور بندرگاہ کے رہنے والے تھے اور جہاز کے کپتان بھی تھے۔ کووَلن، ایک کاراواں تاجر کا بیٹا تھا۔ شِلپدِکَرَم میں مُدرئی کے کپڑے کے تاجروں کی ایک گلی کی بات کی گئی ہے جہاں سوتی اور ریشمی دھاگوں سے بنے کپڑوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ کَرُک نامی بُنکَر کاویری پَٹنَم کے بازار میں مختلف قسم کے سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے لایا کرتا تھا۔ مَنیمِکلائی کی کہانیوں میں سر لنکا اور جاوا جانے والے سمندری تاجروں کا ذکر ہوا ہے۔ کالی مرچ اور الائچی جیسے مصالح کیرل کے علاقوں میں پیدا کئے جاتے اور دوسرے ملکوں کو برآمد کئے جاتے تھے، لیکن جب اس کی مانگ زیادہ بڑھی تو اسے جنوب مشرقی ایشیاء سے بھی درآمد کئے جاتے تھے اور پھر مغرب کے ملکوں میں بھیجے جاتے۔

8.6 سماجی اور مذہبی ماحول (Socio-Religious Milieu)

سماج میں کچھ اہم تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ یہ عہد وَرن نظام، ذات کا نظام، شودروں اور اچھوتوں کے درمیان تفریق، غلامی کا نظام اور عورتوں کی خستہ حالی کی عکسی بھی کرتی ہے۔ سماج کے اہم تبدیلیوں میں مختلف ذاتوں کا ظہور، برَہمنوں، چھتریوں کا دوسرے ذاتوں کا پیشہ اختیار کرنا اور شودروں اور اچھوتوں کے مابین واضح تفریقات کے ساتھ ساتھ نظام غلامی اور طوائفوں کی موجودگی خواتین میں خاص طور سے بیو اؤں کی خستہ حالی بھی شامل ہیں۔ گپت عہد کو مختلف مذاہب کی موجودگی اور خاص طور سے برہمن مذہب کی ترقی کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔ گپت

باشاہوں کے وشنومت کے پیروکار ہونے کے باوجود دوسرے مذاہب جیسے بدھ اور جین کے ساتھ رواداررہنا، بھگتی نظریہ کو سماج میں اہمیت حاصل ہونا،اور شیومت، وشنومت، بدھ مت کے مہایان فرقے میں بھگتی کا نظریہ آنا، دیویوں کی پوجا کو اہمیت حاصل ہونا وغیرہ اس عہد کے مذہبی ماحول اور تبدیلیوں کے طرف اشارہ کرتی ہے۔

8.6.1 وَرن نظام

ابتدائی دور کی طرح وَرن نظام گپت سماج میں رائج تھا۔ ہندوستانی سماج کے روایتی چار وَرن: بَرَہمَن، چھتری، وَیش اور شُودر کے علاوہ کچھ اور ذاتیں وجود میں آگئی تھیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں وَرن نظام کے تفریقات کو ہم عصر ماخذ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ وَاراہمِہر کے مطابق، ایک بَرَہمن کے پاس پانچ، ایک چھتری کے پاس چار، ایک ویش کے پاس تین اور ایک شُودر کے پاس دو کمروں والا مکان ہونا چاہئے۔ مزید وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہر ایک کے مکان میں مرکزی کمرے کی لمبائی اور چوڑائی بھی وَرن نظام کے مطابق ہونی چاہئے۔ سود کی شرح سے متعلق پرانا قاعدہ بھی اس عہد میں رائج تھا جس میں مختلف ذاتوں کے لئے مختلف شرح سود تھی۔ وَرن نظام کے تفریقات کا علم گپت عہد میں ترتیب دی گئی پُرانوں سے بھی ہوتا ہے جس میں وَرن کے مطابق چار رنگوں، سفید، سرخ، پیلا، اور سیاہ کو بَرَہمن، چھتری، وَیش اور شُودر سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس عہد کی تحریریں بھی اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ایک بَرَہمن کو شُودر سے کھانا قبول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے اس کی روحانی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ وَرن نظام کی تفریق کو اس عہد کے قانونی معاملات سے بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ قانون کی کتابوں میں لکھا ہے کے بَرَہمن کو توازن سے، چھتری کو آگ سے، وَیش کو پانی سے اور شُودر کو زہر دیکر پرکھنا چاہئے۔ وَرن کی تفریق وراثت کے قوانین میں بھی تھے۔، کیونکہ ایک اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والے شخص کے شُودر بیٹے کو وراثت میں سب سے چھوٹا حصہ دینے کا قانون رائج تھا۔ قانون ساز، برِہَسپَتی کے مطابق، ایک بَرَہمَن مرد اور شُودر عورت کا بیٹا زمینی جائداد میں کسی حصہ کا حقدار نہیں تھا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ گواہ کا تعلق معزز گھرانوں سے ہونا چاہئے۔ اس عہد کے دوسری قانونی کتابوں میں کہا گیا ہے کہ شُودر صرف اپنی ذات کے ارکان کی طرف سے گواہ کے طور پر پیش ہو سکتا ہے۔ یہ تمام پہلو اس عہد میں رائج قانون اور انصاف کے طبقاتی تعصب کی طرف اشارہ کرتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ سماج میں اور بھی نمایاں ہوتا رہا۔

سماجی تبدیلیوں کا علم اس عہد میں رائج ذات کے نظام سے بھی ہوتا ہے۔ وَرن نظام کے تحت بَرَہمن کو سماج میں اعلیٰ مقام حاصل ہونے کے باوجود اس عہد نے ان میں بھی کچھ تبدیلی لائی۔ اگرچہ روایتی طور سے بَرَہمنوں کا اصل کام مذہبی اور ادبی تھا لیکن کچھ بَرَہمنوں نے اپنی روایتی پیشہ کو چھوڑ کر دوسرے ذات کے پیشوں کو اپنا لیا تھا۔ مرَچھکٹِک میں چارُودَت نامی ایک بَرَہمن کو سارتھواہ (تاجر) کہا گیا ہے جسکا خاندان نے پچھلی تین نسلوں سے تجارت و حرفت کو اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ بُدھ مزہب کی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے بَرَہمن تجارت و حرفت میں اور کچھ دستکاری اور کچھ فوج میں محرک تھے۔ بَرَہمنوں کی طرح چھتریوں نے بھی تجارت و حرفت کو اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ اس عہد کے دوسرے سماجی طبقوں میں بھی تبدیلی ہوئی۔ کسان، جانور پالنے والوں، مختلف دھاتو کے متعلق پیشہ وران، تیلی، جُلا (بُنکر) ہے اور مالی وغیرہ کی بھی سماج میں بہت ساری ذاتیں وجود میں آچکی تھیں۔ ہم عصر کتبوں میں کائستھ نامی آفسروں کے نام بھی ملتے ہیں جو پیشہ ور محُرّر تھے۔

گپت عہد کے اِسمرِتیوں میں شُودر کو تجارت، دستکاری اور کھیتی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ برِہَسپَتی کے مطابق مختلف قسم کے اشیاء کو فروخت کرناشُودروں کاعام کام تھا، جبکہ کچھ شُودر فوج میں بھی تقرر ہوتے تھے۔ مرِرچھکٹِک سے معلوم ہوتاہے کہ اُجَّینی میں کچھ شُودر آفسر تھے۔ یہ تمام پہلواس عہد میں شُودروں کے سماج میں بدلتے ہوئے نظریہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اس عہد میں شُودروں اوراَچھوتوں میں بھی فرق کوواضح کیاگیا۔ اَچھوت کارواج پہلے دور کے مقابلہ زیادہ وسیع وارسخت تھا۔ چینی سیاح، فاہیان اَچھوت کو چانڈال کہتاہے جو گاؤں اور شہر کے باہر رہتے تھے۔ وہ یہ بھی بتاتاہے کہ چانڈال گاؤں اور شہر کے دروازے سے داخل ہوتے وقت اپنی آمد کااطلاع دینے کے لئے لکڑی پیٹتے ہوئے چلتے تھے تاکہ لوگ راستے سے ہٹ جائیں۔ قانون سازنے چانڈال کو چھونے سے پیداہونے والے گناہ کودور کرنے کے لئے تَپَسیاکاحکم دیاہے۔ عصری تحریروں میں اَچھوتوں اور خاص طور سے چانڈالوں کوانتہائی حقارت آمیز الفاظ میں بیان کیاگیاہے۔انکا تعلق ناپاکی، جھوٹ، چوری، فضول کے جھگڑے، غضب اور لالچ سے کیاگیاہے۔

دراصل اس عہد میں وَرن نظام اچھی طرح کام نہیں کررہی تھی، کیوں کہ قانونی اور مہابھارت کی کچھ عبارتیں اور اقتباسات کے حوالے سے شُودروں اور حکمران طبقات کے درمیان تصادم ظاہر ہوتاہے اور بَرَہمنوں کے خلاف انکی مخالفت کااشارہ ملتاہے۔ لیکن اعلیٰ طبقات کے خلاف شُودروں کی حقیقی بغاوتوں کے حوالے سے گپت عہد کے مآخذ میں درج نہیں ہیں۔ مثلاً مہابھارت کے شانتی پَرو میں کچھ عبارت ایسی ہیں جس میں بَرَہمن اور چھَتری کے امتزاج پر زور دیتاہے، جو شُودروں اور ویشیوں کی طرف سے انکے خلاف ٹھوس مخالفت کی نشاندہی کرتی ہے۔ شانتی پَرو میں ایک جگہ یہ شکایت کی گئی ہے کہ ایک مرحلہ پر ویشیوں اور شُودروں نے جان بوجھ کر بَرَہمنوں کی بیویوں کے ساتھ رشتہ بنانا شروع کردیاتھا۔ حقیقت میں شُودر موجودہ سماجی نظام کے خلاف تھے۔ مہابھارت کے اَنوشاسَن پَرو میں شُودروں کی تصویر بادشاہ کو تباہ کرنے والوں کے طور پر پیش کیاہے، جب کہ ایک عصری تصنیف میں انہیں دُشمن، متشدد، گھمنڈی، مختصر مزاج، جھوٹے، انتہائی لالچی، ناشکرے، غیر راسخ، سُست اور نجس کہاگیاہے۔ دراصل حکمران طبقے وَرن پر بنی سماجی نظم کو برقرار رکھنے کے لئے اکثر مذہب کااستعمال کیاکرتے تھے۔ گیتا میں پہلے ہی کرشنانے ویشیوں، شُودروں اور عورتوں کو کم اصل قرار دے رکھاتھا۔ اس نظریہ کااظہار گپت عہد کے متعدد تحریروں میں پر زور طریقے سے کیاگیاہے۔ مہابھارت کے ایک اقتباس سے علم ہوتاہے کہ شُودر صرف اعلیٰ طبقے کی خدمت اور بھگوان کی عقیدت سے ہی نجات حاصل کرسکتاہے۔ پُران میں اس بات پر زور دیاگیاہے کہ ایک شُودر اگلے جنم میں اچھے اخلاق کے ذریعہ ہی بَرَہمنیت حاصل کرسکتاہے۔

اس عہد کے سماج میں بندھوامزدوری(وِشٹی) پہلے سے زیادہ عام ہوچکی تھی۔اس کاذکر ٹیکس کے طور پر عطیہ زمین کے کتبوں میں ملتاہے جس سے یہ علم ہوتاہے کہ وِشٹی کو ریاست کی آمدنی کاایک ذریعہ سمجھا جاتا تھااور لوگ ٹیکس کے طور پر بھی اسے اداکرتے تھے۔ مدھیہ پردیش اور کاٹھیاواڑ سے دریافت کتبوں میں وِشٹی سے متعلق کئی حوالے ملتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتاہے کہ ان علاقوں میں وِشٹی زیادہ رائج تھی۔

8.6.2 غلامی

گپت عہد میں غلامی کا چلن بھی تھا۔اِسمرِتیوں سے اس کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ نارَدااِسمرِتی میں 15 قسم کے غلاموں کا ذکر ہوا ہے جو اَرتھشاستر اور مَنُسمرِتی کی فہرست سے زیادہ ہے۔ اس فہرست میں جنگ میں قیدی بنائے گئے یا قرض ادا نہ کرنے والے یا اپنی مرضی سے بنے غلام بھی شامل ہیں۔ مالک ملکیت کے ساتھ ساتھ غلاموں کو بھی اپنے وارثین کے حوالے کرتے تھے۔ اکثر غلاموں کو گھریلو یا ذاتی کام کے لئے رکھا جاتا تھا۔ایک غلام عورت سے پیدا شدہ بچہ کو بھی مالک کے گھر میں غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ نارَدااِسمرِتی کے مطابق، غلاموں کو گروی کے طور بھی رکھا جاتا سکتا تھا۔اس کے علاوہ مالک کسی اور کی خدمت کے لئے بھی غلام دے سکتا تھا۔اسی اِسمرِتی میں یہ بھی ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی غلام عورت کو اغوا کرنے میں مجرم پایا جاتا ہے تو اس کے پیر کاٹ دئے جائیں۔ اسی کتاب میں غلاموں کی آزادی سے متعلق قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ وہ غلام جس کی پیدائش گھر میں ہوئی ہو، یا جو خریدے گئے ہوں، وارث کو ملکیت کے طور پر ملے ہوں، اسے آزادی اسی وقت مل سکتی تھی جب انکے مالک کی خواہش ہو۔

8.6.3 خواتین

خواتین کی حیثیت مسلسل گرتی جارہی تھی، حالانکہ اس عہد میں کچھ خصوصیات ظاہر ہوئی جو بعد کے زمانے میں بھی رائج رہی۔ خواتین کو رسمی تعلیم کا حق نہیں تھا، حالانکہ شُودر کی طرح انہیں بھی مہاکاویہ اور پُرانوں کو سننے کی اجازت تھی۔ قدیم ہندوستان کے ادبی مآخذ میں جو حوالے خواتین کے اساتذہ، فلسفی، اور طبیب ہونے کے دستیاب ہیں وہ بہت کم ہیں۔ خواتین کی خستہ حالت کا اندازہ اس عہد کے دَھرم شَاستَروں اور قانون کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ قانون سازوں نے تقریباً متفقہ طور پر لڑکیوں کی شادی کم عمری میں کرنے کی وکالت کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو سن بلوغیت سے پہلے ہی لڑکیوں کی شادی کو ترجیح دیا ہے۔ کامَسوتر میں بیوی کی جو تعریف دی گئی ہے اس سے بھی سماج میں خواتین کی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مطابق، ایک اچھی بیوی اپنے شوہر کی اچھی طرح خدمت کرتی ہے، گھر کو صاف رکھتی ہے اور اپنی سجاوٹ کا خیال رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ گھر کے نوکروں اور مالی معاملات کو اچھے سے نبھاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کا انتظار کرتی ہے۔ وہ کسی سماجی اور دیگر مواقع پر صرف اپنے شوہر کی اجازت سے شرکت کرتی ہے۔ اس کے دوستوں کی تفریح کرتی ہے۔ اپنے سَاس سَسُر کی خدمت کرتی ہے اور انکا حکم مانتی ہے۔ وہ ہر روز گھر کے اندر ہی پوجا کرتی ہے۔ جب اسکا شوہر گھر سے دور ہوتا ہے تو سادہ زندگی گزارتی ہے، کم سے کم زیورات پہنتی ہے، مذہبی رسومات اور روزے ادا کرتی ہے اور صرف ضرورت ہونے پر ہی گھر سے باہر جاتی ہے۔ وہ گھر کے باغ میں مختلف قسم کے پودے اور درخت اگاتی ہے۔ وہ زراعت، مویشی پالنے، کتائی اور بُنائی کا علم رکھتی ہے، اور اپنے شوہر کے پالتو جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ جب اس کا شوہر دور ہوتا ہے تو وہ اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اس کے مالیات کو نقصان نہ پہونچے۔ اور اس کے شوہر کی کوئی دوسری بیوی ہو تو عمر کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو بہن یا ماں سمجھتی ہے۔ کاتیاین اِسمرِتی میں ذکر ہے کہ بیوی کو ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہئے، گھریلو آگ کی پوجا کرنی چاہئے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کے حیات ہونے تک ان کی خدمت کرے اور اس کے مرنے کے بعد پاک دامن رہے۔

خواتین کی حالت کا علم ان قوانین سے بھی ہوتا ہے جو بیوہ عورتوں سے متعلق اس عہد کے دَھرم شَاستَروں میں بیان کیا گیا ہے۔اس عہد میں بیوہ عورتوں کا ستی ہونے کے عمل کو قانون سازوں کی توثیق حاصل ہو چکی تھی، اگرچہ یہ رواج صرف اعلی طبقے تک ہی محدود تھی۔ دَھرم شَاستَروں میں بیوہ کو سادگی کی زندگی گزارنے پر زور دیا گیا ہے۔ برِہَسپَتی اِسمرِتی کے مطابق بیوہ کو اپنے شوہر کے چِتا کے ساتھ جل جانا چاہئے۔ مہابھارت میں بھی اس قسم کے سَہمَرَن یا سَہگَمن کی مثالیں ملتی ہیں جیسے پانڈو کی بیوی مادری نے اپنے شوہر کے چِتا کے ساتھ خود کو ختم کر لیا تھا۔اسی طرح واسُدیو کی کچھ بیویوں نے بھی اس عمل کو کیا تھا۔ حالانکہ ستی کی روایت کی یادگار مثال ۵۱۰ عیسوی کی ہے جو مدھیہ پردیش کے ارَن میں کی گئی تھی۔ جبکہ ستی کی اکثر مثالیں بعد کے زمانے کی ہے۔اس عہد میں بیوہ عورتوں کی شادی سے متعلق کوئی حمایت نہیں ملتی لیکن اس کے باوجود بیوہ عورتوں کی شادی ہو رہی تھی۔ اس کا علم اَمرِ کوش سے ہوتا ہے، جسمیں بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کے لئے (پُور بھو) لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ کاتیاین نے بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی سے پیدا ہوئے بیٹے کی جانشینی سے متعلق بات کہی گئی ہے۔ خواتین کو جائداد کے حق سے بھی اس عہد میں محروم رکھا گیا تھا، کیونکہ اِستری دھن جو زیورات اور ملبوسات کی شکل میں ہوتی تھی کے علاوہ جائداد میں کوئی حق نہیں تھا۔اس عہد کے سماج میں طوائفوں جسے گَنِکا کہا جاتا تھا، کے وجود کا بھی ثبوت ملتے ہیں۔ کامَسوتر اور دوسرے سنسکرِت کاویہ میں گَنکاؤں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ ڈراموں میں اداکارہ گَنِکا ہوتی تھی جسمیں سب سے مشہور مرِچھکَٹِکا کی اداکارہ وَسَنت سینا ہے۔ مُدرارا کچھس سے معلوم ہوتا ہے کہ جشن کے مواقع پر گَنِکائیں کثیر تعداد میں سڑکوں پر نکلتی تھیں۔

8.7 مذاہب (Religions)

8.7.1 وشنومت

گپت بادشاہوں کا عہد برَہمَن (ہندو) دھرم کی ترقی کے لئے مشہور ہے۔ گپت بادشاہ خود وَشنَو مذہب کے ماننے والے تھے اور پرَمبھَاگوَت جیسی خطاب اختیار کرتے تھے۔ وہ یگ بھی کیا کرتے تھے، لیکن وَشنَو دھرم سے تعلق رکھنے کے باوجود مذہبی معاملے میں روادار تھے کیونکہ انکی مذہبی رواداری نے دوسرے مذہب اور مسلک کو ترقی کے مواقع فراہم کئے۔ گپت بادشاہوں نے بغیر کسی مذہبی تفریق کے تمام مذاہب کے لوگوں کو اعلی عہدوں پر فائز کیا کرتے تھے۔ سَمُدرگُپت نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے مشہور بُدھ فاضل، بسَسوبَندُھو کو تقرر کیا تھا۔ فاہِیان جو خود بُدھ مذہب سے تعلق رکھتا تھا چَندرگُپت دوم کی مذہبی رواداری کی تعریف کرتا ہے۔ سُوریہ اور شِیو وغیرہ کی عبادت کو ریاست کی طرف سے حمایت حاصل ہوئی۔ نالندہ کا مشہور بُدھ وِہار اسی کے زمانے میں قائم ہوا جسے ریاست کی طرف سے دولت دان میں دیا جاتا تھا۔

بھکتی کا نظریہ، جسکا ذکر سب سے پہلے گیتا میں کیا گیا ہے اور جو وِشنو اور شیومت کا اہم حصہ تھا گپت دور میں ہی سماجی طور پر زیادہ اہم ہو گیا تھا۔ بھکتی کی یہ تبلیغ تھی کہ کوئی شخص قربانیوں کے ذریعہ نہیں بلکہ خدا سے عقیدت اور ایمان کے ذریعہ ہی نجات حاصل کر سکتا ہے، کیوں کہ خدا بھکتی کے ذریعہ سب کے لئے قابل رسائی ہے۔ تقوٰی کی یہ نئی شکل اس زمانے کے سماجی نقطہ نظر سے مطابقت رکھتی ہے جب جاگیردار خود کو اپنے آقاؤں کے قدموں میں مراقبہ کرنے والا سمجھتا تھا۔ یہ گپت اور گپت عہد کے بعد کے زمانے میں وِشنومَت، شیومَت اور

بُدھ مذہب کامہایان مَت میں بھکتی کے نظریہ پر نئے لہجے کی وضاحت کرتا ہے۔

اس وقت کے سامنتی سماج کے تناظر میں وِشنومَت کا مسیحی پہلو اور کچھ حد تک شیومَت کا بھی سماجی طور پر زیادہ معنی خیز ہو گیا تھا۔ یہ اَوتار کے نظریہ پر مشتمل تھا، جسکا ذکر سب سے پہلے گیتا میں کیا گیا ہے اور بعد میں بُدھ مذہب کے نظریہ بودھ سَتوا کے زیر اثر ترقی پایا۔ کچھ کتابوں کے مطابق وِشنو کے انتالیس اوتار ہیں، حالانکہ عام درجہ بندی میں اس کی تعداد دس ہے۔ وہ دس اوتار یہ ہیں: مَتسیہ (مچھلیا)، کُرم (کچھُوا)، وَرَہ (خنزیر)، نَرسِمہا، وامَن، پرَشورام، رام، کِرشن، بُدھ اور کلکی۔ وایو پُران میں وِشنو کے اوتار کی تعداد کچھ مختلف ہے جسمیں نارِیَن، نَرسِمہا، وامَن، دتّاتریا، منگھاتری، جَمدَاگنی، رام، ویدویاس، کرِشنا اور کلکی شامل ہیں۔ ان اوتاروں میں پہلے تین کو الٰہی اوتار اور باقی کو انسانی اوتار کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ وِشنو مندرجہ بالا اوتار میں نجات دہندہ کے طور پر ظاہر ہوا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کالی دور کے اختتام کے موقع پر گھوڑے پر سوار ہو کر ملیچھ کا خاتمہ کرنے اور دھرم کو بحال کرنے لئے ظاہر ہو گا۔ اس طرح اوتار کے نظریہ نے ایک نجات دہندہ کی آمد سے متعلق ایک امید افزا الیقین کو فروغ دیا جو اپنے عقیدت مندوں کو دنیا کے مصائب سے نجات دلائے گا۔ اس نظریہ نے خاص طور سے نچلے سماجی طبقات کو متاثر کیا۔ اس نظریہ کو شیومت نے بھی اپنایا، حالانکہ اس کی پوجا بنیادی طور سے لنگ کی شکل میں ہوتی رہی۔

تمام بَرَہمَنی فرقوں کے مقابلہ وِشنو فرقہ گپت حکمرانوں کی سرپرستی کی وجہ سے زیادہ مقبول ہوا۔ یہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تو پھیلا ہی تھا ساتھ ہی جنوبی مشرقی ایشیاء میں بھی مقبول ہوا۔ دولت کی دیوی لکچھمی کے ساتھ وِشنو کے اتحاد نے اور بھی وِشنومت کے وقار میں اضافہ کیا۔ جس طرح اس کی مقبولیت زمانہ قدیم میں وَیش اور شُودروں میں مقبول ہوئی تھی اسی طرح اس عہد میں بھی یہ نچلے طبقہ میں ہوئی۔ دراصل وِشنو فرقہ نے سماج کے تمام طبقوں کی ضروریات کو پورا کیا۔ بادشاہ کو خدا کے اوتار کے طور پر پیش کیا گیا۔ اسی طرح ایک پُران جو غالبا چندر گپت دوم کے زمانے میں ترتیب دی گئی اس میں بادشاہ کو وِشنو کی توانائی رکھنے والا بتایا گیا ہے۔ یہ بادشاہت کی سربلندی کا باعث بنی۔ امیر لوگ دیوتاؤں کی تصویریں لگا کر اور انکی مندر بنا کر مذہبی خوبی حاصل کر سکتے تھے۔ غریب اگلے جنم میں اپنی حالت درست کرنے کی امید کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اوتار کے روپ میں خدا کے ظہور سے سکون حاصل کر سکتے تھے۔ وِشنومت میں مختلف دیوتاؤں، عقائد اور توھمات کا شامل ہونا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نے مختلف مقبول فرقوں کو ضم کر لیا تھا اور عقیدے نے منطق کی جگہ لے لی تھی۔ اس طرح وِشنومت نے عوام کو ملانے اور ورن کی بنیاد پر سماجی تقسیم کو برقرار رکھنے کے لئے ایک موٗثر ہتھیار کے طور پر کام کیا۔

گپت عہد میں دیویاں جو زیادہ تر قبائلی اصل سے تعلق رکھتے تھے اس عہد میں ایسی اہمیت حاصل کر لی تھی جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں کی تھی۔ ہندوستان میں ہر دور میں دیویوں کی پوجا کی جارہی تھی، لیکن گپت عہد میں انکی پوجا برہمنی دیوتاؤں کے ساتھ منسلک ہو جانے کی وجہ سے اور واضح ہو گئی، جو بعد کے دور میں اور بھی نمایاں مقام حاصل کیا۔ شری یا شری لکشمی جو دولت اور فراوانی کی دیوی تھی ویشیوں اور شُودروں میں مقبول ہوئی۔ اسکے علاوہ اسے وِشنو کی بیوی کے طور پر پہچان ملی جسکا حوالہ اسکند گپت کے زمانے کی ایک قدیم ترین کتبہ میں دیا گیا ہے۔ پاروتی شیو کی شریک حیات بن گئی، شاید اس کی شادی کی پہلی فنکارانہ پیشکش کمار گپت اول کے زمانے میں کی گئی۔ برہمن

مذہب میں دیویوں اور دیوتاؤں کے ضم ہونے سے شکتی فرقے کی نشو ونما ہوئی، جس نے یہ تبلیغ کی کہ مرد صرف ایک عورت کے ساتھ اتحاد کے ذریعہ ہی متحرک ہو سکتا ہے۔

8.7.2 شیومت

گپت عہد میں شیومت اور اس کے مختلف فرقوں کے ظہور کا علم بھی ماخذ سے ہوتا ہے۔ پُرانوں مین شیو کو سب سے بڑا دیوتا کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وِشنومت کی طرح ہی شیومت کو بھی شاہی حمایت حاصل ہوئی۔ اس عہد کے دو شیو مندر جو مدھ پردیش میں واقع ہے بچ گئے ہیں۔ متھرا کے ایک مجسمے میں ایک عقیدت مند کو اپنا سر شیو کو پیش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ جو انسانی قربانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

8.7.3 بُدھ مذہب

بُدھ مذہب پہلے ہی دو بڑے فرقوں، ہینیان اور مہایان میں تقسیم ہو چکا تھا، انکے متعدد ذیلی فرقوں کی بھی ترقی اس عہد میں ہوئی۔ اب سری لنکا، میانمار، کمبوڈیا اور چین ہینیان فرقے کے اہم مراکز تھے۔ چینی سیاح، فاہیان لوبنور، دَراد، اُدیان، گندھار، بنّو، کنّوج اور کشمیر جیسے علاقوں میں ہینیان فرقے کی موجودگی کا حوالہ دیتا ہے۔ اس عہد میں صرف ہینیان فرقہ ہی نہیں بلکہ مہایانیت فرقے کی شاخ کی بھی ترقی ہوئی۔ مثلاً ناگار جُن، آریادیو، اَسانگ، وَسوبَندھو اور دِگناگ جیسے مہایان فرقے کے تمام حامی گپت عہد میں ہی پروان چڑھے۔ اس فرقے کے بھگتی اور مورتی پوجا پر زور دینے اور اُسکے بڑھتے ہوئے پنتھوں کے ذریعے جس میں نَر اور مادا کی پوجا شامل تھی، مہایان فرقہ برہمن مذہب کے قریب آیا۔ ڈی۔ این۔ جھا کے مطابق اس کے زیر اثر اس عہد میں بدھ مت نے زیادہ تر اپنا اصل جوش کھو دیا تھا۔ فاہیان نے افغانستان، پنجاب کے بھیڑا، متھرا اور پاٹلیپُترِ میں مہایانی راہبوں سے ملاقات کی تھی۔ کھوتان کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں تمام راہب مہایانی تھے۔ لیکن گپت سلطنت کے بعد کے دور میں تجارت کے زوال کے ساتھ ساتھ بدھ مت کو تجارتی طبقے کی طرف سے ملنے والی زیادہ تر حمایت بعد کے عرصے میں ختم ہو گئی اور اسکے ادارے وقت کے ساتھ ساتھ زمینوں اور دیہاتوں کی گرانٹ پر زیادہ انحصار کرنے لگی۔

8.7.4 جَین مذہب

جَین مت کافی حد تک قدامت پسند رہا لیکن گپت عہد تک اس مت میں بھی شبیہیں تیار ہو گئی تھی۔ 313 عیسویں میں مَتھرا اور وَلَبھی میں شویتمبروں کی کونسل بلائی گئی۔ مَتھرا کونسل کی صدارت کھنڈیل نے کی، جب کہ وَلَبھی کونسِل کی صدارت ناگارجُن نے کی تھی۔ 453 عیسویں میں وَلَبھی میں ایک اور کونسل بلائی گئی تھی جسمیں اصولوں کو ضبط کیا گیا۔ شویتمبر اور دِگمبر مختلف ذیلی گروہوں میں تقسیم ہوئے جنھیں جنوب میں سَنگھ اور گَن اور شمال میں کل، شاخ اور گُچھ کہا جاتا تھا۔ ڈی۔ این۔ جھا خیال ہے کہ مَتھرا اور وَلَبھی جین مت کے شویتمبر فرقے کے مرکز تھے اور شمالی بنگال کا پَنڈرَوردھن دِگمبر فرقے کا مرکز تھا۔ آسم کمار چٹرجی نے اس عہد میں برصغیر کے مختلف حصوں میں جین مت کی تاریخ سے متعلق شواہد جمع کئے ہیں، متَن، نوشتہ جات، مجسمے اور ساختی باقیات کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ مَتھرا جین مت کے شویتمبر کا ایک اہم مرکز تھا۔ 443 عیسوی میں مَتھرا کا ایک نوشتہ جو کمار گپت کے دور سے تعلق رکھتا ہے، اس میں دتِلا چاریہ نامی ایک

جین راہب کا ذکر ہے، جس کا تعلق وِدیادھری شک اور کولیاَگن سے تھا۔اس راہب کا ایک شاگرد سمادھیا نے اپنے پیروکار کی ہدایت پر ایک جین کی تصویر تحفے میں دی تھی۔ مَتھُرا کا ایک اور نوشتہ جو کہ ایک غیر یقینی تاریخ میں ہے کہ ایک مندر (دیوکل) کی تعمیر اور راوکھا، سرک اور شوادِنانامی تین لوگوں کے ذریعہ مہاویر کی تصویر کے تحفے کا ذکر کیا ہے۔یہ مَتھُرا میں جین اداروں کو گرانٹ دینے والے بہت سے نوشتہ جات میں سے صرف چند ہیں۔دکن اور جنوبی ہندوستان کے بعض علاقوں میں جین مت کو مقامی حکمرانوں کی حمایت حاصل تھی،اگرچہ بعد کے دور میں اس کی زیادہ تر سرپرستی ختم ہو گئی تھی۔ جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بنیادی طور پر یہ مذہب جنوب میں مالا بار تک محدود رہی، یہاں ایک عیسائی چرچ قائم تھا۔اسی طرح ممبئی کے قریب کلیان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ایران کا ایک بِشَپ تھا۔

8.8 سائنس اور ٹکنالوجی (Science and Technology)

اس عہد کو سائنس، ٹکنالوجی اور ہندو فلسفے، علم فلکیات، علم ریاضی اور علم طب کی ترقی کے لیے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ہندو فلسفے کا چھ مکاتب فکر کے ارد گرد گھومنا، مختلف علوم جیسے علم فلکیات، علم ریاضی اور علم طب کی ترقی جسکی عکاسی ان علوم سے ملحق ماہر فلکیات، ریاضی داں، طبیبوں اور انکی تصانیف کرتی ہے۔

8.8.1 فلسفہ

فلسفیانہ بحث اب چھ مکاتب فکر جسے شَددَرشن کہا جاتا تھا کے ارد گرد گھومتی ہے، ہندوستانی فلسفہ کی اہم خصوصیت بن گئی تھی۔اُن چھ فلسفی نظام میں نیاَی، وَیشیشِک، سنکھیا، یوگ، مِمانسا اور ویدانت شامل تھے۔نیاَی منطق اور علمیات کا ایک مکتب فکر تھا جو بنیادی طور پر اَکشپَد گوتَم کے سوُتروں سے ماخوذ ہے۔ اَکشپَد گوتم شاید عیسائی دور کی ابتدائی صدیوں سے تعلق رکھتے تھے۔اس کا مرکزی بیان کار، پکشِلاسَوامِن وَتسیاین جو چوتھی صدی کا تھا کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ وَیشیشِک نیاَی کی تکملہ اور نیاَی کے مقابلے پرانی فلسفہ تھی۔ یہ ایک قسم کا جوہری فلسفہ تھا، جو بنیادی طور پر الٰہیات کے بجائے طبیعیات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس مکتبہ فکر کا افسانوی بانی اُلوک کناد تھا،اس کے سب سے بڑے مبصر پرَشَستپد شاید چھٹی صدی عیسوی کے تھے۔ سنکھیا میں پچیس بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔اس کا مرکزی خیال پروش (روح، شخص) اور پرَاکِرت معاملے کی قطبیت ہے۔اس مکتب فکر باقی رکھنے والی سب سے قدیم کتاب اِشوَرکرِشن کا سنکھیاکارِک ہے، جو شاید چوتھی صدی کا ہے۔ یوگ جسم کی جسمانی کنڑول سے تعلق رکھتا ہے، جسکی بنیادی متن دوسری صدی قبل مسیح کے پتَنجلی کے یوگ سوتر میں ملتا ہے۔ لیکن سوتروں کی موجودہ شکل میں ترمیم ویاس سے منسوب ہے جو سات صدیوں بعد زندہ رہے۔ مِمانسا اصل میں ویدوں کی وضاحت تھی جس کے ذریعہ سے ویدوں کو زندہ کرنے کی ایک کوشش کی تھی۔ اگرچہ اس مکتبہ فکر کی ابتدائی کام جَیمِنی کے سوتر کو بتایا جاتا ہے، لیکن حقیت میں ابتدائی مِمانسا کے سب سے بڑے مفکر شَبرَ سوامِن تھے جو چھٹی صدی عیسوی میں پروان چڑھے۔ ویدانت جسے اُتر مِمانس بھی کہا جاتا ہے۔اس مکتبہ فکر نے غیر برہمن مکاتب فکر کے نظریات کو زبردستی مسترد کر دیا، کہا جاتا ہے کہ بدرائن نے ابتدائی عیسائی صدیوں میں اپنے بنیادی اصول وضع کئے تھے۔ لیکن اس مکتبہ کے ایک اہم مفکر گوپد چھٹی صدی عیسوی کے وسط سے تعلق رکھتے تھے۔ حالانکہ اس کے عقائد کی سب سے زیادہ

زبردست نمائش شنکراچاریہ نے آٹھویں اور نویں صدی میں کیا، یہ وہی دور ہے جب ویدانت ہندوستانی فلسفہ میں بحث کا ایک مستقل موضوع بن گیا تھا۔ مختلف الہیاتی فرقوں کے برعکس، فلسفہ کی بحث چھ مکتبے فکر پر مرکوز تھی اور گپت دور میں اس کی کوئی سماجی بنیاد نہیں تھی۔

8.8.2 علم فلکیات

قدیم ہندوستان میں علم فلکیات کا سب سے ابتدائی ثبوت جیوتِش یا علم نجوم پر لکھی گئی ویدانگ کے متنوں میں موجود ہے، جس کا بنیادی مرکز قربانی کی رسومات کی تاریخ طے کرنا تھا۔ ہندوستان کے علم فلکیات پر یونانی علم فلکیات کا بھی اثر رہا ہے، اور یَونجاتک نامی کتاب ہندوستان میں فلکیاتی نظریات کی اس منتقلی کی عکاسی کرتی ہے۔ وَرَہمِہر کی کتاب پَنچسِدھانتِکا فلکیاتی کاموں اور نظریات کو خلاصہ کرتی ہے، لیکن ان کی تصنیف کو الہی یا نیم الہی مخلوقات سے بھی منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن علم فلکیات اور علم ریاضی پر گپت عہد میں کچھ اہم کتابیں لکھی گئیں۔

آریہ بھَٹ اول ہندوستان کے قدیم ترین تاریخی ماہر فلکیات رہے ہیں، جنھوں نے دو کتابیں تصنیف کی تھی۔ ایک کا نام آریہ بھٹّیہ اور دوسرے کا نام آریہ بھٹ سدھانت ہے۔ پہلی کتاب کا متن آج بھی موجود ہے۔ یہ کتاب فلکیات اور ریاضی سے متعلق ہے، جبکہ دوسری کتاب تو موجود نہیں ہے لیکن اسکے حوالے بعد کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ آریہ بھٹ اَشمک ملک کے رہنے والے تھے۔

آریہ بھٹ کا کائنات کے بارے میں جو تصور ہے وہ زمینی نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ انکا خیال ہے کہ کائنات کے سارے سیّارے زمین کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ اس کے علاوہ، وہ پہلا ماہر فلکیات تھا جس نے چاند گرہن کی سائنسی وضاحت کی تھی۔ انھوں نے ثابت کیا کہ گرہن راہو اور کیتو راکششوں کی وجہ سے نہیں ہوتے تھے بلکہ چاند زمین کے سائے میں یا زمین اور سورج کے درمیان آتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ چاند گرہن کے دوران چاند کا کون سا حصہ دھندلا ہو گا۔ وہ پہلے ماہر فلکیات تھے جنھوں نے یہ دریافت کیا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے۔ انکی بہت سی کامیابیوں میں سے ایک سائن فنکشنس (sine functions) کو تلاش کرنا اور انہیں فلکیات میں استعمال کرنا تھا۔ انھوں نے سیّارے کے مدار کا حساب لگانے کے لئے صحیح مساوات پر کام کیا۔ انہوں نے سیارے کے مداد کا حساب لگانے کے لئے صحیح مساوات پر کام کیا اور اس مساوات کی بنیاد پر لوند کے سال (Leap Year) جس میں 355 دن ہوتے ہیں کے بارے میں (365.386805) دنوں کا انتہائی درست تخمینہ پیش کیا۔

اس عہد کے ایک اور مشہور ماہر فلکیات، نجومی اور ریاضی داں وَرَہمِہر تھے، جن کا تعلق اَوَنتی سے تھا۔ انھوں پنچ سدھانت میں اس زمانے میں رائج فلکیاتی مکاتب فکر کا خلاصہ کیا ہے۔ ان کی برِہتسَمہِتا مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی ہے جسمیں تلواروں کو تیز کرنے کا طریقہ، قیمتی دھاتوں اور پتھروں کی قیمت کا پتہ لگانے کا طریقہ، موسم کے دوران تینوں کو پھل دینے کا طریقہ، جانوروں کی اچھی نسلوں میں فرق کیسے کیا جائے، شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، پانی کے مقام پر قائم شدہ مندروں، محلوں اور گھروں کی نوعیت اور ساخت پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس میں موسموں اور دوسرے کئی مسائل پر بحث کی گئی ہے جیسے، بادلوں، ہواؤں اور بارش کی مقدار کے درمیان تعلق وغیرہ۔

بَرَہما گپت چھٹی ساتویں صدی کے آواخر کے ماہر فلکیات اور ریاضی داں تھے۔ انھوں نے بَرَہما سپُٹا سدھانت اور کَھنڈ کھادِ کا تصنیف کی تھی۔ یہ دونوں کتابیں ہندوستان میں کافی مقبول ہوئی، اور ان کتابوں کی عربی تراجم نے ہندوستانی علم فلکیات سے عربوں کو متعارف کیا۔ بَرَہما سپُٹا سدھانت پہلی ہندوستانی کتاب ہے جس میں فلکیاتی آلات اور فلکیاتی عناصر کی گنتی کے طریقہ کار پر ایک منظم بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں فلکیاتی آلات کے لوازمات، وقت کی پیائش کرنے اور آسمانی اجسام کے مشاہدہ کے فلکیاتی آلات اور ان آلات کا ذکر ہے جو ایک دن کی مدت کے لئے خود بخود بدل جاتے ہیں، اور وہ جو ہمیشہ گھومتے رہتے ہیں۔ اس زمانے کے ماہر فلکیات اپنی مہارت اور صلاحیت پر زیادہ منحصر تھے، حالانکہ بَرَہما گپت نے خود کے آلات کے بھی حوالے دیئے ہیں جنہیں سَوَیا موَہاینتر کہا جاتا ہے، جو دائمی حرکت کے بارے میں آگاہی کی عکاسی کرتا ہے۔

8.8.3 علم ریاضی

ہندوستانی ریاضی کی اصل شَرَوتَ سُوتر کے ضمیموں کا ایک حصہ شُلوسُوتر میں ذکر کی گئی ہے۔ شُلوا کا مطلب پیائش کے ہیں اور شُلوسُوتر اس جگہ کی تیاری کے کتابچہ ہیں جہاں ویدِک قربانی کی رسومات ادا کی جاتی تھی۔ یہ کتابچہ ان اصولوں کے ابتدائی خیال ہیں جسے بعد کے زمانے میں جیومیٹری پائتھاگورا کے تِھیورَم (Pythagoras's Theorem in Geometry) کے نام سے جانا گیا ہے۔ شُلواسُوتروں میں صرف مسطر (ruler) اور کمپاسوں (Compasses) کا استعمال کرتے ہوئے ایک دائرے کو مربع بنانے کے لئے بھی تجاویز پیش کئے ہیں یعنی ایک مربع جس کا رقبہ دیئے گئے دائرے کے برابر ہو۔

بعد کے زمانے میں گَنِت شَاستر علم ریاضی کے لیے سب سے زیادہ استعمال ہونے والی اصطلاح تھی۔ قدیم ہندوستانی ریاضی دانوں کی سب سے بڑی دریافتوں میں سے ایک ڈیسِمَل نظام (Decimal System) تھا، جو پہلے نو نمبروں کی جگہ کی وَیلیو اور صفر کے لئے بِندو کے نام سے مشہور علامت کے استعمال پر مبنی تھی۔ وَرَہمیر نے بھی اعشاریہ نظام کا استعمال کیا تھا اور اسکے حوالے آریہ بھٹ نے پنی کتاب آریہ بھٹیہ میں بھی دیا ہے۔ آریہ بھٹ کا اِیسکوائر رُوٹ اور کیوب رُوٹ (Square Root and Cube Root) نکالنے کا طریقہ اعداد کی اعشاریہ وَیلیو کو پیش کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی ریاضی دان پانچویں صدی عیسوی میں اس نظام کو استعمال کر رہے تھے۔ یوروپ میں تو بارہویں صدی عیسوی تک پرانا بوجھل نظام کی پیروی کی گئی، جب تک یوروپیوں نے نیا نظام عربوں سے سیکھ نہیں لیا۔ عرب مصنفین جیسے ابن واشیہ، المسعودی اور البیرونی در حقیقت اس نظام کی دریافت کا سہرا ہندوستان کے ریاضی داں کو دیتے ہیں۔ آریہ بھٹ کا آریہ بھٹیہ فلکیات پر ایک کتاب ہے اور صرف اتفاقی طور سے ہی ریاضی کے مسائل پر بات کرتی ہے۔ اِنولیوشَن اور اِولیوشن کے (involution and evolution) اصولوں کے ساتھ ساتھ یہ اعداد اور ان کے اسکوائر اور کیوب کی ریاضی سے متعلق ہے۔ جیومیٹری کے میدان میں آریہ بھٹ ایک دائرے (circle) کی مختلف خصوصیات کو بیان کرتا ہے اور بہت درست وَیلیو دیتا ہے۔ آریہ بھٹ کو الجبرا کا باپ (Father of Algebra) مانا جاتا ہے۔ ان کی کتاب بیک وقت متعدد پیچیدہ مساوات (equations) کو حل کرتا ہے۔

8.8.4 علم طب

قدیم ہندوستان میں عام طور سے اور گپت عہد میں خاص طور سے طب کے مختلف نظام موجود تھے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک یعنی آیُروید کی کتابیں اور روایتیں ہی ہم تک پہونچی ہیں۔ چَرَک اور سُشرُت سَمہِتا علم طب کے میدان میں قدیم ترین باقی رہ جانے والی تحریریں ہیں۔ آیُروید روایت کے اس دعوی کو ثابت کرنے کے لیے بہت کم ثبوت ہیں کہ اس کی بنیاد وید میں ہیں۔ کیوں کہ اگرچہ ویدوں میں شفایابی اور دوا سے متعلق خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن انکا آیُروید سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس بات کا بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ آیُروید کا یونانی طب سے کوئی تعلق تھا، کیوں کہ یونانی طب کی کوئی بھی اصطلاح آیُروید میں نہیں ملتا۔ جب کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیُروید کی جڑیں قدیم ہندوستان میں بدھ خانقاہوں کے ماحول میں پیوست تھیں اور وہی طبّی علوم اور راہبوں کی روایتیں آہستہ آہستہ خانقاہوں کے حدود سے باہر پھیلیں۔

چَرَک سَمہِتا کی مختلف تاریخی تتے ہیں۔ چَرَک نام کو پانچویں صدی عیسوی کے اوائل تک طب کے میدان میں اہمیت حاصل تھی۔ در اصل چَرَک سَمہِتا اَگِنویش کی عبارت تھی جسے چَرَک نے تصحیح کے ساتھ ترتیب دی تھی۔ اس کتاب کو چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں دِرِدھدابال نامی شخص نے دوبارہ تدوین کی۔ چَرَک سمہِتا آٹھ حصوں پر مشتمل ہے جو 120 ابواب میں منقسم ہے۔ سُترا باب میں فارماکولوجی، خوراک، بعض امراض اور ان کا علاج، طبیبوں اور نیم حکیموں، اور مختلف فلسفیانہ مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرا باب نِدان ہے جس میں آٹھ بیماریوں کی وجوہات کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا حصہ وِمانہ ہے جس میں ذائقہ، غذائیت، پیتھالوجی اور طبّی علوم جیسے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ چوتھے حصہ شَریرہ ہے جسمیں اَناٹامی، ایمبریالوجی اور فلسفے سے متعلق ہے۔ اس کے بعد تشخیص فارمیسی اور عام طور پر تھریپی کے بارے میں مزید بحث سے متعلق ابواب ہیں۔

شُسرُتا سَمہِتا مین بھی کئی تاریخی پرتیں ہیں۔ اس کی اصل متن جو بنیادی طور پر سرجری سے متعلق ہے، ممکنہ طور پر قبل مسیح کے صدی کے اواخر میں تحریر کی گئی تھی، لیکن اس میں تقریباً پانچویں صدی عیسوی تک کئی بار اضافہ اور ترمیم ہوتی رہی۔ اس کتاب کی شرحوں میں ناگارجُن نامی شخص کا نام آیا ہے جس نے اس کی تصحیح کی تھی۔ موجودہ متن چھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باب سُوتر پہلا حصہ ہے جس میں دوائیوں کی اصلیت، طبیبوں کی تربیت، علاج کے ساز و سامان، سرجری کے سامان، زخموں کا علاج وغیرہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرا حصہ ندان ہے جسمیں اناٹامی اور فلسفے پر بحث کی گئی ہے۔ چِکِتسا باب علاج کے متعلق، کلپ باب زہر سے متعلق، اور اُترا باب آنکھوں، دانتوں، بچوں کی پرورش اور شیطانوں سے منسوب بیماریوں وغیرہ سے متعلق ہے۔

سُشرُا سَمہِتا میں جراحی (Surgery) کو طبّی علوم کا سب سے مفید شعبہ قرار دیا گیا ہے، اور قدیم ہندوستان میں جراحی کی تکنیکوں اور طریقوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے۔ مصنف نے جراحوں (surgeons) کی تربیت پر بحث کی ہے اور اس کے آلات کی تفصیلی وضاحت کی ہے۔ جراحی کے طریقہ کار کی تفصیل ہے جیسے موتیابند کو ہٹانے کے لیے آنکھوں کے عدسہ کو ہٹانا وغیرہ۔ دیگر اہم اور قدیم آیُروید کتابوں مین واگبھٹ کا اَشٹانگسِر دَیہ شامل ہے، جو آیُرویدک طبّی علم کی ایک جامع اور منظم پیشکش ہے، جس کا تعلق 600 عیسوی سے ہو

سکتا ہے۔ایک اور اہم تصنیف جس کا نام اَشٹا نگسمگرَہ ہے، اسی مصنف سے منسوب ہے۔ آیُرویدکے نظریات کا اثر برصغیر سے باہر بھی رہا، جو عربی، فارسی اور تبتی زبانوں میں ترجمے کے ذریعہ دوسرے خطوں اور ثقافتوں کے لئے قابل رسائی ہوئی، اور اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ آیُرویدک نظریات نے یوروپ میں بھی نباتاتی علوم کو متاثر کیا۔

8.9 فن، فن تعمیر اور ادب (Art, Architecture, and Literature)

سائنس، ٹکنالوجی، علم طب، علم ریاضی اور علم فلکیات کے علاوہ گپت عہد ادب خاص طور سے سنسکرت ادب، فن تعمیر میں خصوصا مذہبی فن تعمیر اور مجسمہ سازی کے کی ترقی کے لئے بھی مشہور ہے۔

8.9.1 فن تعمیر

اس عہد میں مذہب کا تعلق براہ راست مندر کے فن تعمیر سے تھی۔300 سے 600 عیسوی کے درمیان ہندوستانی مندر کی فن تعمیر تاریخ میں ایک اہم مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے۔ مذہبی تعمیرات میں دو طرح تعمیرات موجود ہیں ایک وہ جسمیں پتھروں کا استعمال ہوا ہے اور دوسرا جوائینٹ کے بنے ہیں۔ زیادہ تر باقی ماندہ مندر مدھیہ پردیش کے پہاڑی علاقوں میں واقع ہیں اور کافی تباہ وخستہ حالت میں ہیں۔ پتھر کے مندوروں میں تِگاوا میں وِشنو مندر، بُھمرا اور کھوہ میں شِو مندر، نچنا۔کُٹھار میں پاروتی مندر، اور سانچی میں بدھ مذہب سے تعلق رکھنے والے تعمیرات شامل ہیں۔ وسطی ہندوستان کے علاوہ، بہار کے بودھ گیا میں بدھ مندر اور جھانسی ضلع کے دیوگڑھ میں دَشوتار مندر ہیں۔ آسام میں برہم پترا کے کنارے دوپربتیا میں اس دور کے ایک مندر کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔ ان پتھروں کے مندروں کے علاوہ، کانپور ضلع کے بِھتَر گاؤں، بنگلادیش کے راجشاہی ضلع کے پہاڑپور اور رائے پور ضلع کے سرپور میں اینٹوں کے مندر موجود ہیں۔

مندر کے فن تعمیر میں ابتدائی دور کے مقابلے گپت عہد میں کچھ اہم تبدیلیاں آئیں تھیں۔ مثلا ابتدائی مندر چھوٹے ہوتے تھے جسمیں چوکور گربا گرہ مورتی رکھنے کے لیے کافی بڑا ہوتا تھے۔ایک چھوٹا سا پیش گاہ یا سائبان (portico) اور عموما چھت ہموار ہوتی تھی۔ مندر کی دیواریں سادہ تھیں، لیکن دروازے اکثر پیچیدہ اور بہت زیادہ تراشے ہوئے ہوتے تھے۔ جبکہ گپت عہد کے مندر اونچے چبوترے پر تعمیر کی جاتی تھی جسمیں ایک شکھر ہوتا تھا۔اس کی مثال دیوگڑھ کا دَشوتار مندر اور بِھتَر گاؤں مندر ہے ان دونوں میں غالبا مڑے ہوئے شکھر تھے۔دیوگڑھ مندر کے چار بڑے بر آمدے تھے اور اس کا شکھر تقریبا 40 فٹ اونچا تھا۔اور جو پتھر ڈھانچے پر مشتمل تھے ایک دوسرے کے ساتھ کیل کے ذریعہ محفوظ کیا گیا تھا۔بِھتَر گاؤن کا مندر ٹیراکوٹا اور اینٹوں سے بنے ہیں۔اس مندر کی بیرونی دیواروں کو ٹیراکوٹا کاٹھی سے مزین کیا گیا ہے جس میں افسانوی مناظر پیش کیا گیا ہے۔ان مندروں کی تعمیرات ہندوستان میں حقیقی محراب کی ابتدائی مثالیں پیش کرتا ہے۔اس دور کے بعد کے مندروں کے ستونوں پر پُرن کَلَش (پانی کی برتنوں کی شکل میں بڑے بڑے حصے ہیں۔دیوگڑھ مندر کے مرکزی دروازے پر مجسمے کی سجاوٹ میں مختلف قسم کے نقوش، پرندے، حاضریں، پُرن گھاٹ، مِتُھن کی شکل وصورت، سَواستِک اور بونے مچھلی کی شکلیں شامل ہیں۔ اس دور کی ایک اور خصوصیت دروازے کی چوکھٹوں پر شنکھ اور کمل کے پھول کی نقاشی یا تصویر کشی ہے۔اس کی مثال

دیو گڑھ مندر میں نمایاطور پر جھلکتی ہے۔

اس عہد میں تعمیر کردہ بہت سے بُدھ استوپ، چَیتیہ اور وِہاریں بھی فن تعمیر کی شاہکار مثالیں پیش کرتی ہیں۔ اسے گندھار میں جولین، چَرسدس اور تکشیلا کی تعمیرات شامل ہیں۔ مشرقی ہندوستان میں سارناتھ میں دَھمیک استوپ ہے، جسے اضافہ کیا گیا تھا اور پتھروں پر خوبصورت ہندسی والی نقاشی کی گئی تھی۔ یہ استوپ 28 افت اونچا ہے جس میں گوتم بُدھ کی تصویروں کے لیے بنیادی مقامات پر چار طاق بنائے گئے تھے۔ اس جگہ گپت عہد کے کئی عمدہ بُدھ کے مجسمے ملے ہیں۔ اس عہد کے فن تعمیر کی ایک خصوصیت غار کی تعمیرات ہیں جسے غار کی فن تعمیر (Cave Art) کہا جاتا ہے، جو تقریباپوری طرح سے بُدھ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ کچھ استثناء کے ساتھ جیسے اُدے گیری کے برہمنی غار میں چندر گپت دوم کے زمانے سے تعلق رکھنے والا ایک نوشتہ ہے۔ نہ مزار جزوی طور پر چٹان اور پتھر سے بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ایک ستونی پیش گاہ یا سائبان (portico) ہے۔ اس کے علاوہ ایک منقطع دروازہ اور پُرن گھاٹ والے ستون ہیں۔ یہاں ایلفنٹا کی غاریں بھی ہیں، جن میں ایک سب سے بڑی شیوسے تعلق رکھتا ہے۔

8.9.2 مجسمے

گپت دور میں مجسمہ سازی پہلے کے مقابلے اپنے انتہا کی طرف پہنچا۔ اُترپردیش کے خیر گڑھ میں موجود بڑے قامت کے گھوڑے کا مجسمہ اس فن کی ترقی کو دکھاتا ہے۔ اس زمانے میں برہمنی دیوتاؤں کا خاکہ بنیادی طور پر وِشنو کے اوتار اور نیم وِشنوائی دیوتا تھے۔ شیو فرقہ، جواب بھی بنیادی طور پر لنگ پوجا سے تعلق رکھتا تھا، شاید مجسمہ سازی کے تخیل کا دائرہ محدود کر دیتا ہے، حالانکہ شیو دیوتاؤں جیسے دُرگا، اَسکند وغیرہ کے متعدد تصاویر ملی ہیں۔ ان مجسموں کی کافی تعداد مدھیہ پردیش کے وِدِشا، ایرَن اور اُدےگیری جیسے اہم مراکز سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اُدےگیری کے مجسموں کو اہمیت حاصل ہے۔ اس عہد میں یہاں ۲۰ پتھر کے کٹے ہوئے چیمبر کی کھدائی کی گئی تھی اور گپت آرٹ کے زیادہ تر نمونوں کے برعکس، یہاں سے ملنے والی بہت سی تصاویر کو کچھ گپت بادشاہوں کو مثبت طور پر تفویض کیا جاسکتا ہے۔ گپت مجسمہ سازی کا اہم کارنامے اور فنکاری سارناتھ میں بُدھ اور بودھی ستوا کے متعدد بیٹھی اور کھڑی حالت والی تصویریں ہیں۔ جہاں مَتھُرا کی روایت کے اثر و رسوخ کے تحت، آرٹ کا ایک الگ مکتب پروان چڑھا۔ سارناتھ مجسمہ کا ایک اچھا نمونہ گوتم بدھ کی تصویر ہے جو دَھرمچکر پَرَوَرتَن کے انداز میں بیٹھے ہیں۔ سارناتھ کا اثر مشرقی اور مغربی ہندوستان اور دکن میں بھی ہوا۔ بہر حال اس کا اثر کم ہوتا گیا کیونکہ اس نے جنوب کی طرف سفر کیا جہاں مقامی فنکاری کے رجحانات کا غلبہ تھا۔

8.9.3 مصوری

مصوری یا تصویر سازی گپت عہد میں ایک ترقی یافتہ فن تھا۔ ادبی حوالوں سے نہ صرف علم ہوتا ہے بلکہ ثابت بھی ہوتا ہے کہ پیشہ ور فنکاروں اور تصویر سازوں کے علاوہ اعلی طبقے کے مرد اور عورتیں بھی بَرَش سنبھال سکتے ہیں۔ اس عہد کی مصوری کے باقیات باغ مقام پر غار نمبر چار میں، اَجنتا کے غار نمبر سولہ، سترہ، اُنیس اور ایک، دو میں اور بادامی کے غار نمبر تین کے علاوہ کئی دیگر مقامات پر دھندلے نشانات کے

ساتھ ملتے ہیں۔ اَجنتا کے دیواروں نے تمام عصری مصوری کے لئے معیار فراہم کیا۔ اَجنتا کے فنکاروں اور مصوروں نے انسانوں اور جانوروں کی شکلوں کی تصویر کشی میں بہترین مہارت رکھتے ہے۔ غار نمبر ایک میں بودھیسَتوا کی پیشکش اور غار نمبر سترہ میں اِندر اور اسکے وفد کا بدھ کو تُشیتا جنت میں استقبال کرنے کے لئے اڑان بھرنے کا اعلان کرنا وغیرہ صرف چند شاہکار ہیں۔ چھت کی سجاوٹ، دارواز ے اور کھڑکیوں کے فریم فنکاروں کے تصور اور تکنیک کی غیر معمولی مثال پیش کرتا ہے۔ اگرچہ اَجنتا کے موضوعات مذہبی ہیں، لیکن اس پینٹنگ میں شہزادوں، امرا، جنگجوؤں اور باباؤں کی زندگی کا ڈرامائی مناظر کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اس زمانے کی تصویر سازی عام لوگوں کی زندگی کی عکاسی نہیں کرتی۔

8.9.4 ادب

سنسکرت زبان کے صدیوں کے ارتقاء کے بعد گپت عہد میں اسے کلاسکی فضیلت حاصل ہوئی۔ اس دور کے مشہور سنسکرت شاعروں میں سب سے بڑا نام کالیداس کا ہے جو چندر گپت دوم کے دربار سے ملحق تھا۔ میگھدوت کالیداس کی ایک مشھور نظم ہے جو سو سے زیادہ خوبصورت شعری بند پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں ایک محبت کرنے والے یکشا کی کہانی بیان کی گئی ہے جسے سزا کے طور پر ایک سال کے لیے ایک دور دراز پہاڑ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اپنی تنہائی میں، وہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں بلندی پر واقع شہر اَلکا میں اپنی پیاری بیوی کو پیغام پہنچانے کے لیے گزرتے ہوئے بادل سے گزارش کرتا ہے۔ میگھادوت کو کلاسیکی ہندوستانی ادب کی سب سے زیادہ پسند کی جانے والی تخلیقات کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ رَگھووَمش رام کی ہمہ جہت فتوحات کی بات کرتا ہے، اور بالواسطہ طور پر گپت باشاہوں کی کچھ فتوحات کا حوالہ بھی دیتا ہے۔ کمار سمبھَو شِوا اور پاروَتی کی صحبت اور ان کے بیٹے اَسکند کی پیدائش سے متعلق ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر کے ہاتھوں بہت زیادہ پتی روایت کو شکست ہوئی ہے۔ رِتُسمہار مرد اور عورت کی محبت کے تعلق سے چھ موسموں کو بیان کرتا ہے اور شاعری کی فطرت کے ساتھ محبت بھری ہمدردی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کالیداس کی نظمیں اپنے طنزیہ اور لفظی کمالات میں بے مثال ہیں۔ وِکرَموَرشیَم انکے بہترین ڈراموں میں سے ایک ہے، جو پُرُرواس لہ اُروَشی کے لیے دیوانگی والی محبت کی ویدک کہانی پر مبنی ہے جسے کالیداس ایک خوش اور فرمانبردار بیوی میں تبدیل کرتا ہے۔ اس کی سب سے مشہور تصنیف اَبھِجنا شکُنتلَم نامی ڈرامہ ہے، جس کا موضوع شکُنتلا کے ساتھ بادشاہ دُشیَنت کی وصل ہے۔ مہابھارت کے بیانات کی وضاحت کرتے ہوئے، یہ ایک پر عزم اور آزاد شکُنتلا کے مروجہ پدرانہ اقدار کے مطابق ایک شائستہ اور فرمانبردار عورت میں تبدیل ہونے کی تصویر کشی کرتی ہے۔ یہ تصنیف ابتدائی ہندوستانی ادب اور اسٹیج کرافٹ (stage craft) کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

گپت عہد کے ادبی کتابوں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کا موضوع عشق و عاشقی تھا۔ وَتسیایَن کا کامَسوتر (*Kamasutra*) جو کہ فن محبت کی پہلی منظم نمائش ہے، اس موضوع پر بعد کے مصنفین جاگیر دارانہ اشرافیہ اور حکمرانوں کی سرپرستی کا نمونہ رہا۔ اس کے نتیجہ شاہی دربار کی زندگی سنسکرت کے ڈراموں اور نظموں میں پوری طرح سے جھلکتی ہے، جس کا واحد ممکنہ طور پر مرِچھکٹِکا کو چھوڑ کر سنسکرت ادب اشرافیہ ہے۔ اسی وجہ کر عصری ڈراموں میں اعلی سماجی طبقے کے سر کردہ مرد کردار شائستہ ار دلکش سنسکرت بولتے ہیں، اور نچلے طبقے کی عورتیں اور بھانڈ مسخرہ برہمن پراکرت بولتے ہیں۔

گپت عہد میں مذہبی ادب کی تصنیف میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ یہ اس حقیقت سے واضح ہے کہ اٹھارہ پُرانوں میں سے کچھ سب سے اہم جیسے مارکنڈیاپُران، بَرہمن پُران، وِشنوپُران، بھگوَت پُران اور مَتسیہ پُران وغیرہ کو اسی عہد میں دوبارہ ترتیب دی گئی۔ پُرانوں کو اصل میں مُطرب یا گویا(bard)شاعر نے بنایا تھا۔ان میں سے بیشتر سُوت لومہارشن یا اس کا بیٹااُگرشَروا ایک راوی کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اب تک وہ برہمن مؤلفین کے ہتھ چڑھ چکے تھے جنھوں نے اکثران میں نئے دیوتاؤں کو متعارف کرایااور مستقل مداخلت کی۔ مہابھارت جو روایتی طور پر وَیاس سے منسوب ہے، کو بھی تبدیل کیا گیا تھا۔ اسے اس کی اصل 24000 ہزار آیات سے بڑھاکر 1,00,000 آیات تک پہنچا دیا گیا۔اس مہاکاویہ اور قانون کی کتابوں میں بہت کچھ مشترک ہے۔ مثال کے طور پر مَنو کے کچھ حکم مہابھارت کے شانتی پَرو میں ایک جیسی شکل میں پائے جاتے ہیں جو کہ عام طور پر تصور کیے جانے والے نظریہ کے برعکس ہو سکتا ہے کہ یہ قانونی متن گپت عہد سے تعلق رکھتا ہو۔ وَشنو یَجنوالکیا، نارد، برِہَسپَتی، اور کاتیایَن جیسی قانون کی کئی کتابیں بھی گپت بادشاہوں کے زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ مہاکاویہ، پُرانون اور دَھرم شَاستروں کے متنوں میں پایا جانے والا برہمنی الٰہی نظریہ پنچتنتر کے افسانوں کے مختلف نسخوں میں جھلکتا ہے جنھیں نثری آیات کے ساتھ مل کر بیان کیا گیا تھا۔ گپت عہد میں سنسکرت زبان کو بھی لغت نگاری کی ترقی سے بھی تقویت ملی۔ اَمرسِمہ کا مرتب کردہ اَمرکوش جسے نامِلنگنوشاسن بھی کہا جاتا ہے، جدید زمانے تک ایک ناگزیر لغت رہا ہے۔

8.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

مندرجہ بالا صفحات کی گفتگو قدیم ہندوستان کی تاریخی علم کی تشنگی رکھنے والوں کو نہ صرف گپت باشاہوں خاص طور سے سمدر گپت اور چندر گپت اول کے سلطنت کی توسیع واستحکام میں انکے اہم کردار سے روشناس کراتی ہے، بلکہ اس سلطنت کے انتظامی تنظیموں اور سیاسی، اقتصادی نظم ونسق کے ساتھ ساتھ قدیم ہندوستان کی آخری اور اہم مرکزی سلطنت کے زوال جسمیں ہونوں کے حملے کے علاوہ سامانتی نظام کے اہم کردار کا علم بھی فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس عہد کے مختلف سماجی طبقات ونظام جیسے ورن نظام، ذات کا نظام، غلامی کے نظام سے متعلق قاعدے، قوانین، خواتین کی خستہ حالی کے ساتھ ساتھ اس عہد کے سماج میں ہونے والی اہم تبدیلیاں مثلاً سماج کے دواعلیٰ طبقے، بَرہمن اور چھتریہ کا اپنا اصل پیشہ ترک کرکے دوسرا پیشہ اختیار کرنے اور مختلف ذاتوں کے ظہور خاص طور سے کائستھ ذات کے ظہور کا علم بھی فراہم کرتی ہے۔ مندرجہ بالا گفتگو اس عہدمیں موجود مختلف مذاہب مثلاً برہمن مذہب، بدھ مذہب، جین مذہب اون انکے مختلف فرقوں اور ان میں آنے والی تبدیلیوں کے علاوہ گپت بادشاہوں کی وِشنومت میں دلچسپی اور انکے دوسرے مذاہب کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ روادارانہ مزاج کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ گفتگو گپت عہد میں ہونے والے زرعی، غیر زرعی پیداوار، اندرونی اور بیرونی تجارت، زمینی اور سمندری راستے سے ہونے والی تجارت، اور ہندوستان کے مشرقی، مغربی اور جنوبی حصوں میں موجود اہم بندرگاہوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا مختلف ملکوں جیسے چین، فارس، بازنطین کے ساتھ تجارتی رشتوں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اور سب سے اہم اس دور کے ہندوستانی ماہر فلکیات اور ریاضی داں جیسے آریہ بھٹ، وَرَہمِر، بَرَہما گپت اور واگبھٹ کے سائنس اور ٹکنالوجی میں خاص طور سے علم فلکیات، علم ریاضی، علم طب خصوصاً جراحی کے میدان انکے اہم کردار اور ترقی پر بیش قیمت معلومات فراہم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ گفتگو اس عہد میں فن تعمیر کی ترقی اور اس کے اہم

خصوصیات جو نمایا طور پر اس دور مندروں، بُدھ استوپوں کی تعمیرات میں جھلا کتی ہیں، کے ساتھ ساتھ مجسمہ سازی، مصوری، ہندو فلسفے کے چھ مکاتب فکر اور کالیداس جیسے عظیم ادیب کی جنکی تصانیف نے سنسکرت زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، پر اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔

8.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

گَنِکا	:	طوائف
شَددَرشن	:	ہندو فلسفہ کا چھ مکاتب فکر
مہادَنڈنایک	:	عدل کے معاملے میں بادشاہ کی مدد کرنے والا اعلیٰ آفسر
اُپارِک	:	صوبہ میں عدل کا کام انجام دینے والا آفسر
وِشیاپَتی	:	ضلع میں عدل کا کام انجام دینے وال آفسر
مہاپَرتہار	:	قلعوں کی حفاظت کرنے والا
پَرتہار	:	شاہی تقاریب کو منظم کرنے والا
سَندھی وِگرَہ	:	جنگ اور صلح کا اعلیٰ آفسر جنکے ماتحت فوج کے مختلف آفسر تھے
اَشٹپَل اِدھکارِک	:	مالیات سے متعلق فرائض انجام دینے والا آافسر
بُھکتی، دیس، راشٹر	:	صوبہ
وِش	:	ضلع
وِشپَتی، آیُکت	:	ضلع کا انتظامی آفسر
چھیتر	:	زیر کاشت زمین
شرینی، نَگم	:	دستکاروں اور پیشہ وروں کی تنظیم
وَرن نظام	:	ہندوستانی سماج کا روایتی سماجی نظام جس میں سماج کو چار وَرنوں، بَرَہمن، چھتریہ، وَیش اور شودر میں تقسیم کیا گیا تھا۔

8.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. گپت عہد میں اپنے اصل پیشہ کے علاوہ اور کون کون سے پیشہ اپنا لیے تھے؟
2. غلاموں کی آزادی سے متعلق کس طرح کی روایت رائج تھی؟
3. خواتین کی خستہ حالی کے چند مثالیں پیش کیجیے۔

4. کامَسوتر میں اچھی بیوی کی تعریف کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟
5. اُن تین پالیسی کا ذکر کیجیے جنھیں سمدر گپت نے سلطنت کی توسیع کے لئے اختیار کیا تھا؟
6. سَندھی وِگرَہ کے ماتحت کون سے آفسر تھے؟
7. اَشٹپل اَدِھکارِک کی کیا ذمہ داریاں تھیں؟
8. گپت عہد کے جنوبی ہندوستان میں موجود پانچ بندر گاہوں کا نام لکھیئے۔
9. گپت عہد میں سینچائی کے کون سے ذرائع رائج تھے؟
10. پانچ ملکوں کا نام لکھیئے جس سے گپت عہد میں تجارت ہوتی تھی؟

8.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کونکان اور سیبور بندر گاہوں کی اہمیت چھٹی صدی عیسوی میں کیوں بڑھ جاتی ہے۔ مختصراً بیان کریں۔
2. گپت سلطنت کے صوبائی انتظام کو مختصر میں بیان کیجیئے۔
3. شودروں پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
4. غلاموں کی آزادی کے تعلق سے کیا قانون رائج تھے؟
5. ہندوستانی فلسفے کے چھ مکاتب فکر کا نام بتائے۔
6. آریہ بھٹ کی علم فلکیات کے موضوع پر لکھی گئی کس کتاب کا متن موجود نہیں ہے؟
7. آریہ بھٹ کے کائنات سے متعلق نظریات کو مختصر میں بیان کریں۔
8. وَرَہمیر کی تصنیف برِہَتسَمہِتا میں کون کون سے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے؟ پانچ جملوں میں لکھیے۔
9. سَرجَری لکھی گئی کتاب سُشُترا سَمہِتا پر پانچ جملے لکھیے۔

8.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گپت سلطنت کی توسیع اور استحکام کو سمُدر گپت اور چندر گپت اول کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کیجیئے۔
2. گپت عہد کے زرعی معیشت پر بحث کیجیئے۔
3. چھٹی صدی عیسوی میں ہونے والی بیرونی تجارت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
4. گپت عہد کے مآخز میں وَرن نظام کے تفریقات کس طرح ذکر کیا ہے؟ گفتگو کیجیے۔
5. گپت سماج میں ہونے والی تبدیلیوں پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
6. گپت عہد کے مختلف مآخذ کے حوالے سے سماج میں خواتین کے حالت پر روشنی ڈالئے۔
7. علوم طب، فلکیات اور ریاضی کے حوالے سے گپت گپ عہد میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی پر مفصل بحث کیجیے۔

8. گپت عہد سنسکرت زبان وادب کا کلاسکی دور کہا جاتا ہے۔ گفتگو کیجئے۔
9. مذہبی فن تعمیرات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھئے۔

8.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Chakrabarti, Kunal, and Kanad Singh eds., *State*, *Power and Legitimacy*: *The Gupta Kingdom*, Primus Books, Delhi, 2018.
2. Chakravarti, Ranabir, *Exploring Early India*, Primus Books, New Delhi, 2016.
3. Jha, D.N., *Early India*: *A Concise History*, Manohar, Delhi, 2021.
4. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, Chennai, 2016.
5. Thapar, Romila, *Early India: From the Origins to AD 1300*, Penguin, New Delhi, 2003.

اکائی 9۔ واکاٹک خاندان

(The Vakatakas)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 ابتدائی حکمراں

9.2.1 وِندھیاشکتی

9.2.2 پرورسین اول

9.3 نندی وردھن-پرورپوراشاخ

9.3.1 رودرسین اول

9.3.2 پرتھوی سین اول

9.3.3 رودرسین دوم

9.3.4 دامودرسین

9.3.5 پرورسین دوم

9.3.6 نریندرسین

9.3.7 پرتھوی سین دوم

9.4 واتسگلم شاخ

9.4.1 سروسین اول

9.4.2 وِندھیاشکتی دوم

9.4.3 پرورسین دوم

9.4.4 سروسین دوم

9.4.5 دیوسین

9.4.6 ہری شین

9.5 اکتسابی نتائج

9.6 کلیدی الفاظ

9.7 نمونہ امتحانی سوالات

9.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید (Introduction)

واکاٹک سلطنت قدیم جنوبی ہندوستان میں ایک مضبوط ترین سلطنت تھی۔ واکاٹک خاندان جنوبی ہند میں تیسری صدی عیسوی سے چھٹی صدی عیسوی تک ابھرنے والی سب سے طاقتور سلطنت تھی۔ شمالی ہندوستان میں سب سے زیادہ طاقتور گپت سلطنت کے ساتھ ساتھ، جنوبی ہندوستان میں واکاٹک سلطنت بھی قائم رہی۔ واکاٹک بتدائی طور پر ساتواہنوں کے جاگیر دار تھے۔ اپنے حکمران سے بغاوت کر کے انہوں نے تیسری صدی عیسوی میں اپنی خود مختار حکومت قائم کی۔ ان کی حکمرانی کا آغاز تیسری صدی میں ہوا اور انہوں نے چھٹی صدی تک حکومت کی۔ واکاٹکوں نے تقریباً 250-55 سے 510ء تک جنوبی ہندوستان پر حکومت کی۔

واکاٹک سلطنت کی تقسیم واکاٹکوں کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے۔ اس تقسیم نے واکاٹکوں کی طاقت کو بہت بڑا دھچکا پہنچایا۔ اس کی وجہ سے دکن میں ان کی متحدہ سلطنت کے قیام کا خواب بھی چکنا چور ہو گیا اور وہ ہندوستان کے مستقبل کے سیاسی منظر نامے میں اپنا اہم کردار کھو بیٹھے۔ مجموعی طور پر واکاٹک سلطنت کی تقسیم نے واکاٹکوں کی طاقت، شہرت اور وقار کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ پرورسین اول کی موت کے بعد واکاٹک سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ پرورسین اول کے چار بیٹوں نے اپنی خود مختار ریاستیں قائم کیں۔ پرورسین کے چار بیٹوں میں سے صرف دو بیٹوں کے نام گوتمی پتر اور سروسین ملتے ہیں، باقی دو بیٹوں کے ناموں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ پرورسین کا بڑا بیٹا گوتمی پتر باپ کے سامنے ہی وفات پا گیا۔ گوتمی پتر کا جانشین اس کا بیٹا رودر سین اول بنا۔ رودر سین اول نے واکاٹکوں کی بڑی شاخ کی قیادت کی جس کا علاقہ حکمرانی، شمالی ودربھ تھا جس کا دارالحکومت نندی وردھن (نگردھن) تھا۔ پرورسین کے دوسرے بیٹے سروسین نے جنوبی ودربھ پر حکومت کی۔ اس کا دارالحکومت وتسگلم (باشیم) تھا۔ اس اکائی میں ہم ان حکمرانوں کے بارے میں تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے۔

9.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- واکاٹک خاندان سے واقف ہو سکیں گے۔
- جنوبی ہند کی سیاست میں ان کی اہمیت کا تجزیہ کر سکیں گے۔

- واکاٹکوں کی خاندانی تقسیم سے واقف ہو سکیں گے۔
- واکاٹکوں کے اہم حکمرانوں کے کارناموں سے واقف ہو سکیں گے۔
- واکاٹکوں کی دونوں شاخوں سے واقف ہو پائیں گے۔

9.2 ابتدائی حکمراں (The Early Rulers)

واکاٹک ذات سے برہمن تھے۔ وہ وشنوورد ھی گوتر کے برہمن تھے اور اس خاندان کا بانی وندھیا شکتی تھا۔ اس نے مشرقی مدھیہ پردیش یا برار میں کسی جگہ واکاٹک سلطنت قائم کی۔ وندھیا شکتی نے وندھیاچل کی وادیوں کو عبور کیا اور مشرقی مالوہ کے کچھ علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔

9.2.1 وِندھیاشکتی (Vindhya Shakti)

وندھیاشکتی نے واکاٹک سلطنت قائم کی۔ اس نے مشرقی مدھیہ پردیش یا برار میں واکاٹک ریاست قائم کی۔ پرانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وندھیاشکتی کی راجدھانی پوریکا(purika) تھی۔ ڈاکٹر اے ایس الٹیکر (A.S. Altekar) کے مطابق، وندھیاشکتی نے تقریباً 255 عیسوی میں واکاٹک خاندان کی حکومت مستحکم کی۔ ودھیاشکتی اس کا اصل نام نہیں تھا لیکن وندھیا کے علاقے میں اپنی طاقت کے ذریعے بادشاہت قائم کرنے کی وجہ سے اس کا لقب وندھیاشکتی پڑ گیا اور اسی لقب سے اس نے حکومت کی۔ وندھیاشکتی کا ذکر پرانوں اور اجنتا کے کتبات میں ملتا ہے۔ الٹیکر کا خیال ہے کہ اس کا اصل نام کچھ اور تھا اور اس نے فوجی سر گرمیوں کے ذریعے وندھیاچل تک اپنی سلطنت کو وسعت دے کر "وندھیاشکتی" کے لقب کے ساتھ اقتدار سنبھالا۔ ابتدا میں اس کی حکومت ودربھ (برار) کے ایک حصے تک محدود تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اپنی فوجی مہمات کے ذریعے اپنی سلطنت کو وسعت دیتے ہوئے، اس نے بیتول، اٹارسی اور ہوشنگ آباد کے اضلاع کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ہوگا۔ لیکن میراسی (Mirasi) پرانوں کے شواہد کی بنیاد پر یقین رکھتے ہیں کہ وندھیا کے علاقوں تک سلطنت کی توسیع اس کے دور حکومت میں نہیں بلکہ اس کے بیٹے پرورسین اول کے دور میں ہوئی تھی۔

اجے متر شاستری (Ajay Mitra Shastri) مانتے ہیں کہ وندھیاشکتی کا ابتدائی مقام مدھیہ پردیش کے وندھیا علاقے میں تھا۔ واکاٹکوں کا شروع میں وندھیا کے کچھ علاقوں پر اختیار تھا اور اس کے بعد ہی انہوں نے جنوب کی طرف اپنا اثر ورسوخ قائم کیا ہوگا۔ وندھیاشکتی کے بارے میں ہمارا علم بہت محدود ہے۔ موجودہ شواہد کی بنیاد پر اس کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وندھیاشکتی ایک ریاست کا بانی ہونے کے ساتھ ساتھ برہمن بھی تھا، اس نے اپنی برہمنیت کو کھل کر اعلان کیا اور اس سے متعلق مذہبی سر گرمیوں، نیکیوں اور خیراتی کاموں میں بھی شامل رہا۔ اجنتا کے کتبات میں اسے "دوِج" اور "وکاٹک ونش کیتو" کہا گیا ہے۔ وندھیاشکتی نے یگیوں، مندروں، پاٹھ شالاؤں اور عوامی سہولیات پر توجہ مرکوز کی تھی۔ وندھیاشکتی کا انتقال تقریباً 275 عیسوی میں ہوا۔ اس نے تقریباً 20 سال حکومت کی۔

9.2.2 پرورسین اول (Pravarasena–I)

وِندھیاشکتی کا بیٹاپرورسین اول تھا، جس کا ذکر پرانوں میں ملتا ہے۔اسے پراویر کہا گیا ہے۔پرورسین اول تقریباً275عیسوی میں واکاٹک خاندان کا حکمران بنا۔پرورسین نے اپنی فوجی کامیابیوں کے بل بوتے پر واکاٹک ریاست کو ایک سلطنت میں تبدیل کر دیا تھا۔اس نے 60سال حکومت کی۔ لیکن یقینی طور پر وہ اپنے والد وندھیاشکتی سے زیادہ اولوالعزم اور وسیع تر وسائل کا مالک تھا۔اسی وجہ سے اکثر واکاٹک تانبے کے کتبوں میں پرورسین اول سے خاندانی شجرہ شروع کیا گیا ہے۔ وتسگلم شاخ کے صرف تین ایسے کتبے ہیں(دیوسین کی بیدر تانبے کی پلیٹ،ہری سین کی تھالنیر تانبے کی پلیٹ اوراجنتا کے سولہویں غار کا کتبہ) جس میں وِندھیاشکتی سے واکاٹکوں کا شجرہ نسب بیان کیا گیا ہے۔بظاہر پرورسین اول نے اپنے والد سے کہیں زیادہ کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے دور حکومت میں شمالی ہندوستان پر گپتوں اور ناگوں کا اقتدار تھا۔پرورسین اول ویدک مذہب کا عظیم سرپرست تھا۔ پرانوں اور کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سے شروت یگیہ کئے تھے۔اس کے علاوہ اس نے چار اشومیدھ یگیہ بھی انجام دیے تھے۔

پرانوں کے مطابق پرورسین اول کے چار بیٹے تھے اور یہ چاروں بیٹے ہی آگے چل کر حکمراں بنے۔ایسااندازہ لگایا گیا ہے کہ ان بیٹوں نے ہی پرورسین اول کی طرف سے کچھ علاقے فتح کیے ہوں گے اور بدلے میں انہیں مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کیا گیا ہوگا۔پرورسین اول کی موت کے بعد سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہوگئی۔پرورسین اول کا گوتمی پتر نام کا ایک بیٹا تھا جو اپنے باپ کے دور حکومت میں ہی مر گیا تھا ،اس کی جگہ اس کے بیٹے اور پرورسین کے پوتے،رودرسین اول کو واکاٹک سلطنت کا جانشین قرار دیا گیا۔واشیم تانبے کی پلیٹ کی دریافت سے پرورسین کے دوسرے بیٹے سروسین کا نام بھی معلوم ہوتا ہے،جو کہ واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ کا بانی تھا۔ان کے دیگر دو بیٹوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی تاریخی شواہد دستیاب ہیں کہ ان کی ریاست کہاں تھی۔

9.3 نندی وردھن-پرورپوراشاخ (Nandivardhana-Pravarapura Branch)

9.3.1 رودرسین اول (Rudrasena–I)

واکاٹک کتبات کے مطابق، گوتمی پتر پرورسین اول کا بیٹا تو تھا، لیکن اس کے نام کے ساتھ کوئی لقب استعمال نہیں کیا گیا۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کبھی حکمراں نہیں بنا۔ بہر حال پرورسن اول کے بعد تقریباً335عیسوی میں اس کا پوتا رودرسین اول اس کا جانشین بنا۔ اس کی سلطنت شمال میں مدھیہ پردیش کے وندھیاعلاقے سے لے کر جنوب میں وِدربھ کے شمالی حصے تک اور خاندیش کی مشرقی سرحد سے کوسل کی مغربی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔رودرسین اول مہابھیروکا پوجا کرنے والا تھا،جو شیو کی ہی غضبناک شکل ہے۔رودرسین پہلے گپت شہنشاہ سمندرگپت کا ہم عصر تھا۔اس وقت شمالی ہند کے اتھل پتھل کے دور سے گزر رہا تھا۔الہ باد میں پریاگ پرشستی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سمندرگپت اپنی فتح کی مہم پر تھا۔اس نے شمالی ہند کی کئی ریاستوں کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔رودرسین اول ایک کمزور حکمراں تھا۔اس نے تقریباً355عیسوی تک حکومت کی۔

9.3.2 پرتھوی سین اول (Prithivishena–I)

رودر سین اول کے بعد اس کا بیٹا پرتھوی سین اول 355 عیسوی میں اس کا جانشین ہوا۔ واکاٹک تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہیشور کا عقیدت مند تھا۔ اس کا دور امن اور خوشحالی کا دور تھا۔ اس نے خود اپنے دور حکومت میں کبھی کوئی جارحانہ جنگ نہیں لڑی۔ ایک طرف شمالی ہندوستان کے گپت حکمران سمندر گپت اور اس کے بیٹے چندر گپت دوم نے جارحانہ پالیسی کی اختیار کر رکھی تھی اور سلطنت کو وسعت دینے پر توجہ مرکوز کی تھی۔ دوسری طرف ان کے ہم عصر پرتھوی سین اول نے پرامن پالیسی اپنائی اور عوامی فلاح کو اپنا مقصد بنایا۔ پرتھوی سین اول سے پہلے اس کے والد رودر سین اول نے بھی گپتوں کے تئیں ایک پرامن پالیسی کی حمایت کی اور گپتوں کے ماتحت حلیف کے طور پر حکومت کی۔ پرتھوی سین اول نے بھی اپنے والد کی پالیسیوں پر عمل کیا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کنتل کا علاقہ خود پرتھوی سین اول نے فتح کیا تھا۔ لیکن اجنتا کے سولہویں غار کی کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ کنتل کا علاقہ پرتھوی سین اول نے نہیں بلکہ وتسگلم شاخ کے حکمران وندھیاسین یاوِندھیاشکتی دوم نے فتح کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ پرتھوی سین اول نے وتسگلم شاخ کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ پرتھوی سین اول نے اس جنگ میں اپنے خاندان کی رقم اور لوگوں (فوج) سے مدد کی ہو۔ پرتھوی سین اول نے اپنے بیٹے رودر سین دوم کی شادی گپت خاندان میں کی۔ اس کی شادی چندر گپت دوم کی بیٹی پربھاوتی گپت سے ہوئی تھی۔ گپتوں کے ساتھ قائم ہونے والے اس ازدواجی تعلق کا ذکر واکاٹک کے کتبات میں بڑے فخر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس ازدواجی تعلق کا مقصد سیاسی تھا۔ چندر گپت دوم مغربی علاقوں کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اسے جنوب میں ایک دوست ریاست دیوا کی مدد مل سکتی تھی۔ اس کے لیے اس نے واکاٹکوں سے ازدواجی تعلقات استوار کیے تھے لیکن اس بات کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے۔ پرتھوی سین اول کی وفات 385ء کے لگ بھگ ہوئی۔ اس نے تیس سال تک حکومت کی۔

9.3.3 رودر سین دوم (Rudrasena–II)

پرتھوی سین اول کے بعد، اس کے بعد اس کا بیٹا رودر سین دوم تخت نشین ہوا۔ اس کے والد پرتھوی سین اول اور دادا رودر سین اول دونوں شیو کے پرستار تھے لیکن وہ خود وشنو کا عقیدت مند تھا۔ پربھاوتی گپت، رودر سین دوم کی پہلی بیوی، گپت شہنشاہ چندر گپت دوم کی بیٹی تھی اور اپنے والد کی طرح، وہ بھی وشنو کی پوجا کرتی تھی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رودر سین اول کے مذہبی عقائد میں یہ تبدیلی اس کی بیوی پربھاوتی گپت کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ہوئی، لیکن قدیم ہندوستان میں خاندانی مذہب جیسا کچھ نہیں تھا۔ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد عقیدے کی بنیاد پر کسی بھی مذہب کی پیروی کرنے کے لیے آزاد تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا دور حکومت 385-395 عیسوی تک تقریباً دس سال تک رہا۔

9.3.4 دامودر سین (Damodarasena)

رودر سین کے بیٹے دیوا کر سین کے بعد اس کا چھوٹا بھائی دامودر سین اس کا جانشین ہوا۔ اگر وہ اپنے والد کی حکومت کے خاتمے سے دو

سال پہلے پیدا ہوا تھا، تو ممکن ہے وہ اپنے بڑے بھائی کا جانشین ہو۔ دیواکر سین کی موت کے وقت (شاید اس کے 23ویں سال حکومت میں)، اس کی عمر 17 سال ہو گی اور وہ اپنے بڑے بیٹے دیواکر سین کے تخت پر فائز ہوا۔ اسی طرح، پربھاوتی گپت بھی کچھ عرصے کے لیے اپنے درمیانی بیٹے دامودر سین کی سرپرست رہی ہو گی۔ میراسی (Mirasi)، دامودر سین اور پرورسن کو ایک ہی شخص سمجھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ دامودر سین نے تخت پر فائز ہونے کے وقت اپنے اجداد پرورسین کا نام اپنالیا تھا۔ اس کے ذریعہ جاری کردہ کسی تانبے کے کتبے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ تاہم یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے صرف ایک دہائی یعنی 420عیسوی تک حکومت کی۔

9.3.5 پرورسین دوم (Pravarasena–II)

دامودر سین کے بعد اس کا چھوٹا بھائی پرورسین دوم واکاٹک خاندان کا حکمراں بنا۔ واکاٹک حکمرانوں میں، صرف اسی نے سب سے زیادہ تعداد میں کتبات جاری کیے۔ اب تک اس کے تقریباً بیس کتبات ملے ہیں جن میں سے انیس تانبے کی پلیٹوں پر ہیں اور ایک چٹانی کتبہ ہے۔ اس کا واحد معروف چٹانی کتبہ اس کی والدہ پربھاوتی گپت کی یاد میں، اس کی گمنام بہن کے ذریعے رام ٹیک میں لکھوایا گیا۔ اپنے والدین کے برعکس، پرورسین دوم شیو تھا۔ اس کے تانبے کے کتبوں میں کہا جاتا ہے کہ اسے بھگوان شمبھو کی عطا سے اپنی بادشاہی میں کریت یوگ قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

بیلوراتانبے کا کتبہ اس کے گیارہویں سال جلوس میں راجدھانی نندی وردھن سے جاری کیا گیا تھا۔ ان کے سولہویں سال میں جاری ہوا منڈل تانبے کا کتبہ دارالحکومت پرورپور سے جاری کیا گیا تھا۔ اس لیے ایسا مانا جاتا ہے کہ اس نے گیارہویں سے سولہویں سال جلوس کے درمیان میں پرورپور نامی شہر بسا کر کسی وقت اسے اپنا دارالحکومت بنایا۔ پرورپور کی شناخت پاونار سے ہوئی ہے جو وردھا ضلع کے قریب واقع ہے۔ مہاراشٹر کے بھنڈارا ضلع میں پونی نامی جگہ سے پرورسین دوم کے 32ویں سال کی تانبے کی پلیٹ حاصل ہوئی ہے جس سے اس کے دور حکومت کی تازہ ترین تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے حصول کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے کم از کم یقینی طور پر 32 سال حکومت کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا دور حکومت 455عیسوی تک رہا۔

9.3.6 نریندرسین (Narendrasena)

پرورسین دوم کے بعد اس کا بیٹا نریندرسین 455عیسوی میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور حکومت کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ اس کے بارے میں جاننے کے لیے ہمیں اس کے بیٹے پرتھوی سین دوم کے تانبے کی تختیوں کا سہارا لینا ہوگا۔ اس کے والد پرورسن دوم کی مانڈھل تانبے کی تختی نمبر 1109 سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام غالباً نریندرراج تھا اور اس کی والدہ اور پرورسین دوم کی اہلیہ کا نام اگیاک بھٹاریکا تھا۔ اپنے دور حکومت میں پرورسین دوم نے اپنے بیٹے ولی عہد نریندرسین کی شادی کنتل راج کی بیٹی اجیت بھٹاریکا سے کرائی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اس شادی کی کچھ سیاسی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اپنے خاندان کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے اس نے اپنے پڑوسی کنتل راج کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کیے ہوں۔ تانبے کی تختیوں میں کہا گیا ہے کہ کوسل، میکالا اور مالوہ کے بادشاہ نریندرسین کے حکم کا

احترام کرتے تھے۔نریندر سین کے بعد کے دور حکومت کے مشکل حالات کے پیش نظریہ حقیقت قابل قبول نظر نہیں آتی۔کافی ثبوت کی عدم موجودگی میں،تانبے کے کتبوں کی یہ تفصیل ہمیشہ مشکوک رہے گی۔

9.3.7 پرتھوی سین دوم (Prithivishena–II)

اگیاک بھٹاریکا سے پیدا ہوا نریندر سین کا بیٹا پرتھوی سین دوم 480عیسوی میں واکاٹک خاندان کا اگلا حکمران بن گیا۔اس نے غالباً یہ پہلی کوشش اپنے وتسگلم شاخ کے رشتہ داروں کے خلاف کی تھی کیونکہ یہ اس کے والد نریندر سین کے دور حکومت میں ہی واکاٹک سلطنت کا کچھ حصہ وتسگلم شاخ کے تحت آگیا تھا۔پرتھوی سین دوم کے بعد،واکاٹک خاندان کی مرکزی شاخ کے کسی حکمران کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔غالباًان کے بیٹے اس عہدے کے وارث ہونے کے اہل نہیں تھے۔لہذا،یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی موت کے بعد،واکاٹکوں کی سب سے بڑی(نندی وردھن)شاخ،وتسگلم شاخ کے حکمران ہری سین کی سلطنت میں ضم ہوگئی۔اجنتا کے سولہویں غار کے کتبے میں،ہری سین کو کنتل،اونتی،کلنگ،کوسل،تریکوٹ،لات اور آندھرا کا مالک کہا گیا ہے۔یہ اسی وقت ممکن ہوتا جب ریاستوں اور مرکزی شاخ کے وسائل پر اس کا کنٹرول قائم ہوجاتا۔

9.4 واتسگلم شاخ (The Vatsagulma Branch)

1939عیسوی میں واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ کے بارے میں معلومات ملنے کا آغاز واشم تانبے کی پلیٹ کی دریافت سے ہوا۔اس کے حصول سے پہلے واکاٹکوں کی اس شاخ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔اگرچہ واکاٹکوں کی اس شاخ کا شجرہ نسب اجنتا کے سولہویں غار کے کتبہ میں دیا گیا ہے۔لیکن مضمون مبہم ہونے کی وجہ سے اس سے متعلق معلومات ادھوری رہ گئیں۔19ویں صدی میں جب بھگوان لال اور بلر نے اس مضمون کی تدوین کی توان کا خیال تھا کہ اس مضمون میں واکاٹک کی مرکزی شاخ کا نسب نامہ دیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ہی دانشوروں نے واکاٹک کی تاریخ اپنے اپنے انداز میں لکھنا شروع کردی۔1939عیسوی میں وِندھیاشکتی دوم کے واشیم تانبے کے کتبے اور میراسی کے ذریعے،اجنتا کے غار نمبر16کے کتبے کے مضمون کے نظر ثانی شدہ متن کے ذریعہ یہ واضح ہوگیا کہ اجنتا کے اس سولہویں غار کا کتبہ ان وکاٹکوں نے لکھا تھا جن کا مرکزی شاخ سے کوئی تعلق نہیں۔وقت کے ساتھ ساتھ واکاٹکوں کے وتسگلمشاخ سے متعلق دیگر شواہد حاصل کرکے،اس شاخ سے متعلق ہماری معلومات میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ان میں وندھیاشکتی دوم کے بیٹے دیوسین کا حصے بورالا کتبہ (شک سموت380)، دیوسین کی بیدر تانبے کی پلیٹ اور اس کے پوتے ہری سین کی تھالنر تانبے کی پلیٹ وغیرہ اہم ہیں جن کے ذریعے واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ کی تاریخ مزید واضح ہوئی ہے۔

9.4.1 سروسین اول (Sarvasena–I)

سروسین اول،پرورسین اول کا بیٹا،واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ کا بانی تھا۔اس کا نام اس کے بیٹے وندھیاشکتی دوم کی واشیم تانبے کی پلیٹ اور اس کے جانشینوں کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔اس کی سلطنت شمال میں وندھیاپہاڑی سلسلے سے جنوب میں دریائے گوداوری تک پھیلی

ہوئی تھی۔ اس کے روی نامی کاتب کا نام اجنتا کے سولہویں غار کے کتبہ میں ملتا ہے جس نے اس علاقے پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں اس کی مدد کی۔ اس کاتب کی اولادیں کئی نسلوں تک واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ میں اسی عہدے پر فائز رہیں اور مکمل وفاداری کے ساتھ ان کی خدمت کی۔

9.4.2 وِندھیاشکتی دوم (Vindhya Shakti–II)

سروسین اول کے بعد اس کا بیٹا وندھیاشکتی دوم حکمراں بنا۔ اجنتا کے سولہویں غار کے کتبہ میں اسے 'وندھیاسین' کہا گیا ہے۔ اس کی واشیم تانبے کی پلیٹ میں اس کے 37 ویں سال کی تاریخ ملتی ہے۔ یقیناً اس نے طویل عرصے تک حکومت کی تھی۔ اس کے دورِ حکومت کا تعین 355-400 عیسوی کیا گیا ہے۔ اپنے والد اور دادا کی طرح اس نے بھی 'دھرم مہاراج' کا خطاب اختیار کیا۔ اس کے واشیم تانبے کی پلیٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ضلع نانِدی کٹ ضلع میں واقع ایک گاؤں کا عطیہ دیا تھا۔ یہ تانبے کی پلیٹ وتسگلم سے جاری کی گئی تھی۔ اس نانِدی کٹ کی شناخت موجودہ ریاست مہاراشٹر میں نانِدیڑ سے کی گئی ہے۔ اس لیے یہ واضح ہے کہ اس عرصے تک مراٹھواڑہ خطہ ان کے زیر تسلط آچکا تھا۔ اجنتا کے کتبہ میں، کنتل کے حکمران پر اس کی فتح کے بارے میں معلومات موجود ہیں۔ راشٹر کوٹ بادشاہ منانک کی اولاد، اودھیہ کے پانڈر نگ پلی تانبے کی پلیٹ میں، منانک کو کنتل کا حکمران کہا گیا ہے۔ اس بنیاد پر میراسی کا خیال ہے کہ اس دور میں کنتل علاقے پر راشٹر کوٹوں کی حکومت تھی اور اس وقت راشٹر کوٹ بادشاہ منانک، وندھیاشکتی دوم کا ہم عصر تھا۔

9.4.3 پرورسین دوم (Pravarasena–II)

وِندھیاشکتی دوم کے بعد، اس کا بیٹا پرورسین دوم اس کا جانشین بنا۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں کافی معلومات نہیں ہیں۔ اجنتا کے سولہویں غار میں لکھا ہے کہ وہ اپنی بہترین اور فیاض حکمرانی کے لیے مشہور تھا۔ اس کے ساتھ اس کے پوتے دیوسین کی بیدر کے تانبے کی پلیٹ میں اسے 'مہاراج' کہا گیا ہے۔ اجنتا کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وفات کے وقت اس کا کم عمر بیٹا اس کا جانشین تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے زیادہ عرصے حکومت نہ کی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اپنی زندگی میں بہت دیر سے بیٹے سے نوازا گیا ہو۔ اس کا دورِ حکومت 400-425 عیسوی یعنی تقریباً 25 سال مانا گیا ہے۔

9.4.4 سروسین دوم (Sarvasena–II)

پرورسین دوم کا وارث اس کا آٹھ سالہ بیٹا تھا۔ اجنتا کے کتباتی متن میں اس کا نام مٹ گیا ہے۔ سروسین دوم وتسگلم شاخ کا ایک طاقتور حکمران تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں اس نے اپنی آبائی سلطنت کو برقرار رکھنے کے ساتھ، کنتل کے کدمب حکمرانوں سے بھی اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔ سروسین دوم کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ لیکن کدمب کے حکمران سنگھ ورمن کی مندری تانبے کی پلیٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ 'مہاراج سروسین نے ان کی تاجپوشی کر کے اسے عزت بخشی تھی۔' اس سروسین کی شناخت سروسین دوم سے کی گئی ہے، جو واکاٹک خاندان کی وتسگلم شاخ کا حکمران تھا۔ وتسگلم شاخ میں سروسین نام کے دو حکمران تھے۔ پہلا وتسگلم شاخ کا بانی سروسین اول تھا، جس کا دورِ حکومت 325-355 عیسوی تک سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا، پرورسین دوم کا بیٹا سروسین دوم، جس کا دور

حکومت 425-455عیسوی مقرر کیا گیا ہے۔ان دو حکمرانوں میں سے صرف سرو سین دوم ہی اس کا ہم عصر یا قریبی ہم عصر رہا ہو گا۔

اگرچہ کدمب حکمران سمہاورمن کی ابتدائی تاریخ 490ء مقرر کی گئی ہے، تاہم، اگر اس کے مدگیری تانبے کی پلیٹ میں مذکور سرو سین کو واکاٹک حکمران سرو سین دوم کے برابر کیا جائے، تو بھی دونوں کے درمیان 35 سال کا وقفہ ہے۔ چونکہ کدمبوں کی تاریخوں کا ابھی تک مکمل طور پر پتہ نہیں چل سکا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کتبات میں تمام حکمرانوں کی تاریخیں حکمران بادشاہ کے سال کے مطابق دی گئی ہیں۔اس طرح، اگر یہ مان لیا جائے کہ مدگیری تانبے کی پلیٹ کا سرو سین وتسگلم شاخ کا حکمران تھا، تو اس سے کدمبوں کی تاریخ کا بھی مستقل طور پر تعین کیا جا سکتا ہے۔ سرو سین دوم کا دور حکومت 425-455عیسوی تک تقریباً 30 سال متعین کیا گیا ہے۔

9.4.5 دیو سین (Devasena)

اپنے والد سرو سین دوم کے بعد، دیو سین نے 455ء میں اس کا جانشین بنا۔یہ نام واکاٹکوں کی مرکزی شاخ کے ساتھ ساتھ وتسگلم شاخ میں بھی اتنا ہی مشہور تھا۔واضح ہے کہ آریہ سوامل دیو، جسے ہستے بورالا کتبہ سے جانا جاتا ہے، جس نے دیو سین کے دور میں سدرشن جھیل کی کھدائی کی تھی، اصل میں سوراشٹر کے علاقے کا رہنے والا تھا جہاں اصل سدرشن جھیل واقع تھی۔غالباً اسی وجہ سے اس نے اس کتبہ میں اس علاقے میں رائج شک سموت کی تاریخ بھی استعمال کی ہے جو کہ دیگر وکاٹک کتبات میں نہیں ملتی۔دیو سین کا دور حکومت 455-480عیسوی مانا گیا ہے۔

دیو سین نے اپنی بیٹی کی شادی وشنو کنڈن حکمران مادھوورمن دوم جناشریہ کے ساتھ کی تھی جس کا بیٹا وکرمندرورمن پیدائش سے ہی خود کو وشنو کنڈن اور واکاٹک دونوں سے منسلک سمجھتا تھا۔دیو سین نے سیاسی سمجھ بوجھ کے مقصد سے یہ شادی وشنو کنڈن خاندان میں کی تھی۔شاید اپنے ہم عصر مرکزی شاخ کے حکمران نریندر سین اور کدمبوں کے خلاف اپنے خاندان کی حیثیت کو مضبوط کرنے اور وشنو کنڈنوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس نے ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کیے تھے۔نریندر سین کے تخت پر فائز ہونے کے وقت جانشینی کے سوال پر تنازعہ کھڑا ہو گیا تھا جس میں ابتدا میں نریندر سین جانشینی کا عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا لیکن کچھ عرصے بعد اس کے کچھ رشتہ داروں نے اس کی ریاست کے کچھ حصے چھین لیے تھے۔یہ رشتہ دار کوئی اور نہیں بلکہ وتسگلم شاخ کا حکمران دیو سین ہی تھا۔دیو سین کے حصے بورالا کتبہ میں سدرشن جھیل کی تعمیر کا ذکر ہے۔یہ کتبہ خاص تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔سب سے پہلے اس میں افسر سوامل دیو کا نام ملتا ہے۔غالباً یہ وہی سوامل دیو ہے جس کا تذکرہ ان کے پانچویں دور حکومت کے بیدر کے تانبے میں آیا ہے۔دوسری بات یہ کہ اس کتبہ میں، دیگر واکاٹک کتبات کے مقابلے میں، دی گئی تاریخ شک سموت 380 یعنی 458عیسوی ہے۔واکاٹک تاریخ میں اس تاریخ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔واکاٹکوں کے تمام کتبے جو اب تک حاصل ہوئے ہیں ان میں تاریخیں صرف حکمران بادشاہ کے سن جلوس کے مطابق ہیں۔یہ کتبہ نہ صرف دیو سین کی تاریخ کا تعین کرنے میں مدد کرتا ہے بلکہ تمام واکاٹک حکمرانوں کی تاریخ کا تعین کرنے میں بھی مدد کرتا ہے۔تیسرا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واکاٹک حکمرانوں نے بھی عوامی فلاح کے کاموں میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔چوتھا، ہم جانتے ہیں کہ سدرشن جھیل کی موریہ دور

سے لے کر گپت دور تک کی اپنی ایک تاریخ ہے۔اس کی اہمیت کی وجہ سے ہی شمالی دکن کی جھیلوں کے لیے سدرشن کا نام مشہور ہوااور واکاٹکوں نے بھی یہی نام اپنے دور حکومت میں بنی جھیلوں کو دینا مناسب سمجھا۔ راماٹیک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پربھاوتی گپت کی یاد میں کھدوائی گئی جھیل کا نام بھی سدرشن رکھا گیا۔

9.4.6 ہری سین (Harisena)

دیو سین کے بعد اس کا بیٹا ہری شین 480ء میں اس کا جانشین ہوا۔اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بہادر اور اولوالعزم حکمران تھا اور اس نے سلطنت کی تمام سمتوں میں فتح حاصل کی تھی۔کنہیری (Kanheri) سے ہری سین کی فتح کی نشاندہی کرنے والے کچھ کتباتی ثبوت ملے ہیں جن میں اس کی 'اپرانت' کی فتح کا بھی ذکر ہے۔اس کی بنیاد پر یہ مانا جاتا ہے کہ کچھ عرصے کے لیے ہری سین نے اپرانت پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔اس وقت جنوبی کوسل پر شربھ نامی بادشاہ کی حکومت تھی جس نے اپنے نام پر اس علاقے میں شربھ پوری حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی۔ ممکن ہے کہ شربھ کے دور حکومت میں ہری سین نے اس علاقے پر حملہ کیا ہو۔اس نے مہاراشٹر کے خاندیش کے ذریعے لات علاقے کے لیے اپنی فاتحانہ مہم کا آغاز کیا ہوگا کیونکہ یہ علاقہ پہلے ہی واکاٹکوں کے کنٹرول میں تھا۔ تریکوٹ کا ذکر غالباً شمالی کونکن پر حکومت کرنے والے تیر کوٹ خاندان کے حکمرانوں کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ ان کے زوال کا دور تھا۔ ویا گرسین نامی آخری تیر کوٹ حکمراں نے تقریباً 492 عیسوی تک اس علاقے پر حکومت کی۔ ممکن ہے کہ ہری شین نے اس کی نازک صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اس علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے لیا ہو۔ کنتل پر اس وقت کدمبوں کی حکومت تھی۔ معلوم رہے کہ ہری سین کے دادا سرو سین دوم نے کدمبوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی تھی۔ہری سین کے والد دیو سین نے کدمب ریاست کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اجنتا کتبے کے بیشتر حصے کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے ہری سین کی فتوحات کی واضح تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔تاہم یہ ممکن ہے کہ کنتل کی فتح میں ہری شین نے اپنے والد دیو سین کی مدد کی ہو۔میرا سی کا خیال ہے کہ ہری سین کے حملے کے نتیجے میں کلنگ اور آندھرا میں سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کے نتیجے میں نئی ریاستیں وجود میں آئیں۔

ان کا ماننا ہے کہ ہری شین کے دور میں ہی تقریباً 498 عیسوی میں گنگ خاندان کی بنیاد کی علامت گنگ سموت شروع ہوا، جن کے عروج میں ہری شین نے شاید اہم کردار ادا کیا تھا۔اس وقت آندھرا ملک پر کم از کم 470-71 یا 478-79 عیسوی سے لے کر تقریباً 518 تک ہری سین کے بہنوئی مادھوور من دوم جناشریہ کی حکومت تھی۔ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ ہری شین نے اس دور میں آندھرا میں اپنے ہم عصر شا لنکاین خاندان کے حکمراں کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے رشتے دار وشنو کنڈن مادھوور من دوم کو آندھر ریاست سونپ دی۔

یہ سچ ہے کہ ہندوستان کی تمام ریاستوں میں واکاٹک ریاست ہری سین کی موت (تقریباً 510ء) کے وقت سب سے زیادہ طاقتور تھی۔اس نے اپنے دور حکومت میں نہ صرف اپنی آبائی سلطنت کو برقرار رکھا بلکہ پرتھوی سین دوم کی موت کے بعد اس کے کمزور جانشینوں کی سیاسی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے مرکزی شاخ کی ریاست کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔یقیناً اس کی اہمیت پرور سین اول

سے کسی بھی طرح کم نہیں تھی۔ وہ فن کے بہت بڑے سرپرست تھا۔اس کی واحد معروف پالنیر تانبے کی پلیٹ میں برہمنوں کو گاؤں عطیہ کرنے کا ذکر ہے۔اس کا بدھ مت کی طرف خاص جھکاؤ تھا۔وہ واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ کا آخری حکمران تھا۔اس کے بعد واکاٹک سلطنت کی باقیات پر مختلف خاندان ابھرے۔ وشنوکنڈن حکمران واکاٹکوں کی وتسگلم شاخ سے متعلق تھے لہذا یہ ممکن ہے کہ واکاٹک سلطنت کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو واکاٹکوں کا جانشین سمجھتے ہوئے ان کی سلطنت کو کچھ عرصے کے لیے اپنے کنٹرول میں لے لیا ہو۔ سوامی راج کی نگردھن تانبے کی کتبے سے، جس میں کلچوری-چیدی سموت 322 درج ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرکار چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں،واکاٹک مرکزی شاخ کے علاقے مہشمتی کے کلچوریوں کے پہلے معلوم حکمراں کرشن راج کے قبضے میں آگئے، جس نے اس علاقے پر اپنے سامنت مقرر کر رکھے تھے۔اس طرح تقریباً تین صدیوں تک (اندازتاً 260 سال) حکومت کرنے والی طاقتور واکاٹک سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

واکاٹک حکمرانوں کی فہرست

1. وندھیاشکتی اول (250-275عیسوی)
2. پرویریاپرورسین اول (275-335عیسوی)
3. گوتمی پتر
4. سروسین اول (325-355عیسوی)
5. رودرسین اول (335-355عیسوی)
6. وندھیاسین یاوِندھیاشکتی دوم (355-400)
7. پرتھوی سین اول (355-385عیسوی)
8. پرورسین دوم (400-425عیسوی)
9. رودرسین دوم (385-395عیسوی)
10. سروسین دوم (425-455عیسوی)
11. دیواکرسین (395-410عیسوی)
12. دامودرسین (410-420عیسوی)
13. پرورسین دوم (420-455عیسوی)
14. دیوسین (455-480عیسوی)
15. نریندرسین (455-480عیسوی)
16. ہری شین (480-510عیسوی)

9.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ واکاٹک خاندان کی تاریخ سے واقف ہوئے جو کہ ستواہنوں کے بعد جنوبی ہندوستان کا سب سے طاقتور حکمراں خاندان تھا۔ واکاٹک حکمرانوں کے بارے میں معلومات ان کے کتبوں اور پرانوں کے ذریعے ملتی ہے۔ اس کی بنیاد وندھیاشکتی نے رکھی جو کہ اس کا نام نہ ہو کر اس کا لقب تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پرورسین حکمراں بنا۔ اس نے اپنی سلطنت اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ اس طرح واکاٹکوں کی دو شاخیں نندی وردھن-پرورپورا شاخ اور وتسگلم شاخ وجود میں آئی۔ پہلی شاخ کے خاتمے کے بعد دوسری شاخ وتسگلم کے حکمراں نے پورے واکاٹک علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس شاخ کا آخری معلوم حکمراں ہری سین تھا۔ واکاٹکوں کے گپتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات تھے اور ان کی مدد سے گپت حکمراں چندر گپت دوم مغربی شکوں کو شکست دے سکا۔ بہر کیف واکاٹک خاندان نے تیسری صدی عیسوی کے نصف سے چھٹی صدی عیسوی کے نصف تک دکن کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔

9.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

تانبے کی پلیٹ	:	تانبے کی ایسی تختی جس پر تحریر کندہ کی جاتی تھی۔
نندی وردھن	:	غالباً موجودہ ناندیڑ
وتسگلم	:	غالباً واشیم

9.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

9.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. واکاٹک خاندان کا بانی کون ہے؟
2. واکاٹک خاندان کا دور حکومت بتایئے۔
3. واکاٹک خاندان کی تقسیم کس حکمراں کے دور میں ہوئی؟
4. پرورسین کے اس بیٹے کا نام بتایئے جو حکمراں نہیں بنا۔
5. واشیم تانبے کی پلیٹ کس حکمراں سے منسوب ہے؟
6. واکاٹکوں کے کس کتبے میں سدرشن جھیل کی تعمیر کا ذکر ہے؟
7. واکاٹکوں کی بڑی شاخ کا دارالحکومت کہاں واقع تھا؟
8. واکاٹکوں کی ذات اور گوتر کیا تھے؟
9. اجے متر شاستری کے مطابق وندھیاشکتی کا ابتدائی مقام کہاں تھا؟
10. رودرسین اول کس کا عبادت گزار تھا؟

9.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. وندھیاشکتی اور سلطنت کے قیام پر نوٹ لکھیے۔
2. پرور سین اول پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. پرتھوی سین اول پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. پربھاوتی گپت کی نیابت پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. سرو سین اول پر ایک نوٹ لکھیے۔

9.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ابتدائی حکمرانوں پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
2. نندی وردھن-پرور پورا شاخ کے بارے میں تفصیلی طور بتایئے۔
3. واتسگلم شاخ کے عروج پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

9.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Altekar, Anant Sadashiv and Ramesh Chandra Majumdar eds., *Vākātaka-Gupta Age*: *circa 200–550 A.D.* (first edn.), Motilal Banasidas, Delhi, 1986.
2. Keay, John, *India*: *A History from the Earliest Civilisations to the Boom of the Twenty-First Century*, Harper Press, London, 2010.
3. Nilakanta Sastri, K.A., *The Illustrated History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, 2012.
4. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India*: *From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson Education, New Delhi, 2008.
5. Thapar, Romila, *The Penguin History of Early India from the Origins to AD 1300*, Penguin Books, New Delhi, 2002.

اکائی 10۔پلوّ خاندان

(Pallavas)

اکائی کے اجزا

10.0	تمہید
10.1	مقاصد
10.2	مآخذ
10.3	سمہاوشنو
10.4	مہیندرورمن اول
10.5	نرسمہاورمن اول
10.6	مہیندرورمن دوم
10.7	پرمیشورورمن اول
10.8	نرسمہاورمن دوم
10.9	پرمیشورورمن دوم
10.10	نندی ورمن دوم
10.11	دنتی ورمن
10.12	نندی ورمن سوم
10.13	نرپتنگاورمن
10.14	اپراجتاورمن
10.15	اکتسابی نتائج
10.16	کلیدی الفاظ
10.17	نمونہ امتحانی سوالات
10.18	تجویز کردہ اکتسابی مواد

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

10.0 تمہید (Introduction)

پلوؔ خاندان نے جنوبی ہند پر تیسری سے نویں صدی عیسوی تک حکومت کی۔اس خاندان کی ابتدا کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے ستواہنوں کے دور حکومت میں علاقائی سردار کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں اور ستواہنوں کی طاقت کمزور پڑتے ہی انہوں نے اپنی خو د مختاری کا اعلان کر دیا۔روایتی طور پر پلوؔ خاندان کا بانی 'بپ دیو' تھاجو 'آندھرا پتھ' (Andhrapatha)اور 'تونڈئی منڈلم' (Tondaimandalam)دونوں کا حکمراں تھا۔ایسامانا جاتاہے کہ پلووں کا عروج تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں ہوا۔سمدر گپت کی ''پریاگ پر شستی''میں اس کی جنوبی مہم کے ضمن میں جس ''وشنو گوپ''کاذکر ہے ،اسے پلوؔ حکمراں تسلیم کیا جاتاہے۔لگ بھگ دو صدیوں تک قبائلی طاقت کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں پلووں کی طاقت میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔اب وہ ایک طاقتور حکمراں خاندان کے طور پر نمودار ہوئے اور اپنے ہم عصر چالوکیوں کی طرح جنوب میں اپنا اقتدار جمانے کی کوششوں میں لگ گئے۔پلووں نے کانچی کو اپنی راجدھانی بنا کر موجودہ ہندوستان کے جنوبی سرے تک اپنی حکومت کی توسیع کی۔پانڈیہ، چیرا، چولا، گنگا، نولمبا، چالوکیہ اور راشٹر کوٹ، پلووں کے ہمعصر تھے اور ان میں سے کچھ ان کے ماتحت بھی رہ چکے تھے۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ

- پلوؔ خاندان کے بارے میں جانکاری کے ماٰخذ کو سمجھ سکیں گے۔
- پلوؔ خاندان کی سیاسی تاریخ کو سمجھ سکیں گے۔
- ہمسایہ ریاستوں سے پلوؔ خاندان کے سیاسی تنازعات کو سمجھ سکیں گے۔
- پلووں کی فتوحات اور ریاست کی وسعت کا جائزہ لے سکیں گے۔
- پلوؔ ریاست کے زوال کے پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔

10.2 مآخذ (The Sources)

پلوؔ حکمرانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے متعدد ادبی اور آثاری مآخذ موجود ہیں۔ادبی (Literary)ذرائع میں سنسکرت زبان اور متن طرز تحریر میں لکھی گئی 'مت ولاساپر ہسنم' (*Mattavilasaprahasanam*)، اونتی سندری (*Avantisundari*)اور تمل زبان میں تصنیف کردہ سیکیلر (Sekkizhar)کی پیریا پُرانم (*Periya Puranam*)جیسے ادبی متون موجود ہیں۔آثاری (Archeological)مآخذ میں مندروں کی دیواروں پر کندہ حجری کتبے، متعدد تانبے کے کتبے، کانچی پورم (Kanchipuram)میں ان کے ذریعے تعمیر کردہ 'کیلاش ناتھ' (Kailashnatha)مندر اور 'مالاپورم کے پنچ رتھ مندر (*Pancharatha*)اور ساحل پر بنے ہوئے مجسمے وغیرہ شامل ہیں۔'کساکڈی' (Kasakudi)اور 'ویلورپلایم'

(Velurpalaiyam)تانبے کے کتبوں میں پلووں کے حکمراں خاندان کے شجرے اور پلوّ حکمرانوں کے عطیوں کے بارے میں تفصیلی معلومات درج ہے۔ان کے علاوہ بھی دیگر ادبی ذرائع اور کتباتی شواہد سے پلووں کے دور حکومت پر اہم معلومات حاصل ہوتی ہے۔اس کے علاوہ بھی پلووں کو جاننے کے لیے ان کے عہد کے سکے بھی آثاری ماٰخذ کے طور پر موجود ہیں۔ یہ سبھی ماٰخذ پلووں کی تاریخ کے اکثر پہلوؤں کی از سر نو بازیافت میں مدد کرتے ہیں۔

10.3 سمہاوشنو (Simhavishnu)

سمہاوشنو(575تا600ء)پہلا خود مختار پلوّراجا تھا۔ابھی تک ہمیں اس کے عہد حکومت سے متعلق کوئی کتبہ نہیں حاصل ہوا ہے۔ سنسکرت میں تحریر کردہ"ڈانڈن"کی تصنیف اونتی سندری(*Avantisundari*)سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سمہاوشنو،گنگا حکمراں دروی نیتا(Durvinita)اور چالوکیہ راجا وشنوردھن(Vishnuvardhana)کا ہم عصر تھا۔اس نے جنوبی ہندوستان کے پانڈیوں(Pandyas)، چولوں(Cholas)،مالووں(Malavas)اور کالابھروں(Kalabharas)یا کلبھری راجاؤں سے جنگیں لڑیں۔سمہاوشنو نے کانچی پر دوبارہ قبضہ کرکے اسے اپنی خود مختار ریاست کی راجدھانی بنایا۔اس نے اپنی ریاست کی حدود کو کاویری ندی کے کنارے چولوں کی مثلث نما زرخیز زمین تک وسیع کردیا۔اس کے عہد میں واتاپی(موجودہ بادامی)کے چالوکیوں سے تصادم کا آغاز ہوا۔وہ وشنو کا عقیدت مند تھا اور مہابلی پورم میں اس نے وشنو کے اوتار"وراہ"(Varaha)کے نام پر غاروں کو کٹوا کر"وراہ غار مندر"تعمیر کروایا۔ وہ بذات خود ایک ادیب اور علم و ادب کا قدر دان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دربار میں سنسکرت کے مشہور شاعر اور"کیرتارجنیہ"(*Kiratarjunyam*) کے مصنف"بھاراوی"(Bharavi)کی سرپرستی کی۔

10.4 مہیندرورمن اول (Mahendravarman–I)

مہیندرورمن اول(600تا630ء)سمہاوشنو کا بیٹا اور جانشیں تھا۔اس کے عہد میں چالوکیوں اور پلووں کے درمیان تنازعات باقاعدہ جنگوں تک پہنچ گئے جو کہ تقریباً150 سال تک مستقل جاری رہے۔ مہیندرورمن اول کا ہم عصر چالوکیہ راجا پلاکیشن دوم (Pulakeshin–II)بھی اپنی قلم رو کی توسیع کا بے حد خواہش مند تھا۔اس نے شمالی ہند کے طاقتور حکمراں پشیہ بھوتی خاندان کے سمراٹ ہرش کو شکست دے کر جنوب میں آگے بڑھنے سے روک دیا۔اس عظیم فتح سے حوصلہ پاکر پلاکیشن دوم نے پلووں پر چڑھائی کردی۔ابتدا میں وہ کامیاب رہا اور اس نے پلووں سے"وینگی"(Vengi)کا علاقہ چھین کر اس پر اپنے بھائی وشنوردھن(Vishnuvardhana)کو گورنر مقرر کردیا۔وشنوردھن نے آئندہ زمانے میں وینگی کے چالوکیہ کے نام سے ایک نئے حکمراں خاندان کی بنیاد ڈالی۔اس کے بعد پلاکیشن نے جنوب میں پلووں کے دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کیا۔اس مہم میں اسے"گنگا"(Ganga)حکمرانوں کی مدد بھی حاصل ہوئی۔ پلووں کو چالوکیوں اور گنگوں کی مشترکہ طاقت کا بیک وقت سامنا کرنا پڑا۔"ایہول"(Aihole) کتبے کے مطابق پلاکیشن نے پلوّ حکمراں کو شکست دی اور راجدھانی کا محاصرہ کرلیا۔دوسری طرف"کشاکڈی"(Kasakudi)کتبے کے مطابق کئی لڑائیوں کے بعد مہیندرورمن

'پلالور'(Pallalur) کی جنگ میں دونوں کو ہرانے میں کامیاب ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہو سکا لیکن وینگی کا علاقہ کھونے کے علاوہ زیادہ تر نقصان پلووں کو ہی اٹھانا پڑا۔ جنگ کے بعد دونوں فریقین اپنی اپنی جگہ واپس لوٹ گئے۔ میندر ورمن کو مختلف فنون میں دلچسپی تھی۔ اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح اس نے بھی اپنی ریاست میں غاروں اور چٹانوں کو کاٹ کر مندر بنوانا شروع کیا۔ ابتدائی زندگی میں وہ جین مت کا پیروکار تھا لیکن بعد میں ''اپّار''(Appar) سوامی کی ترغیب سے وہ شیومت کا عقیدت مند ہو گیا۔ اس نے مختلف شیو مندر اور وشنو مندر تعمیر کرائے ۔ سنسکرت ادب میں طنزو مزاح کے موضوع پر ''مت ولاسا پرہسنم'' (*Mattavilasaprahasanam*) کی تصنیف اسی سے منسوب ہے۔ اسے 'وچتر چتر'، 'مالّ' اور 'گن بھر' جیسے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

10.5 نرسمہاورمن اول (Narsimhavarman–I)

10.5.1 پلوّاور چالوکیہ (Pallavas and Chalukyas)

میندرورمن کے بعد اس کا لائق بیٹا نرسمہاورمن اول (630تا668ء) اس کا جانشیں ہوا۔ اس نے چالوکیوں کے ہاتھوں اپنے باپ کی شکست کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور ایک طاقتور فوج تیار کرنا شروع کر دی۔ یہ بات چالوکیہ حکمراں پلاکیشن دوم کو پسند نہیں آئی اور اس نے پہل کرتے ہوئے دوبارہ پلووں کے علاقے پر دھاوا بول دیا۔ کانچی کے نزدیک ''کُرم''(Kuram) گاؤں میں ملکارجنا مندر (Malikarjuna Temple) سے ملے کئی کتبوں میں ان جنگوں کی تفصیل ملتی ہے۔ ان کتبوں کے مطابق نرسمہاورمن اول نے آندھرا پردیش کے کرنول ضلع میں واقع پریلا (Pariyala)، اننت پور ضلع میں سُرامنا (Suramna) اور تمبرم کے نزدیک منی منگلم (Manimangalam) کی جنگوں میں پلاکیشن کو شکست دی۔ پلوّ فوجوں نے چالوکیوں کی راجدھانی واتاپی تک بھاگتی ہوئی چالوکیہ فوجوں کا تعاقب جاری رکھا اور کئی مقامات پر انہیں شکست سے دوچار کیا۔ پلاکیشن نے اپنے آپ کو واتاپی کے مضبوط قلعے میں محصور کر لیا اور کافی دنوں تک پلوّ حملوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ شدید مزاحمت کے باوجود نرسمہاورمن نے 642ء کے آس پاس واتاپی فتح کر لیا اور اس کی حکومت کے اختتام یعنی تقریباً 13 برسوں تک اس پر پلووں کا قبضہ رہا۔ چالوکیوں کے خلاف اپنی عظیم الشان فتح کو یادگار بنانے کے لیے نرسمہاورمن نے ''واتاپی کونڈا'' یعنی ''واتاپی کے فاتح'' کا لقب اختیار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ پلوّ سپہ سالار ''پرنجو تھی''(Paranjothi) واتاپی سے ہزاروں سکوں کے علاوہ گنیش کا مجسمہ لے کر کانچی پہنچا تھا، جو کہ ہندوستان میں غالباً گنیش کا سب سے پہلا مجسمہ تھا۔

10.5.2 پلوّاور پانڈیہ (Pallavas and Pandyas)

نرسمہاورمن کی حکومت کا دوسرا اہم واقعہ پلوّ اور پانڈیہ حکمرانوں کی جنگ تھا۔ پانڈیہ خاندان کا چوتھا حکمراں اری کیسری نرورمن (Arikesri Naravarmana)، نرسمہاورمن کا ہم عصر تھا۔ اس نے کالابھروں اور چیروں پر فتح حاصل کی۔ اس کی شناخت نیدومرن (Nedumaran) کے طور بھی کی جاتی ہے جس نے چولا شہزادی اور بعد میں نینار سنت بننے والی ''منگیر کرسیار''

(Mangayarkkarasiyar) سے شادی کی۔ نراور من نے پلوؤں کے علاقے پر حملہ کیااور شروعات میں اسے کچھ کامیابی بھی ملی لیکن بعد میں پلوؔ فوجوں نے اس کو اسی کے علاقے میں واپس کھدیڑ دیا۔

10.5.3 سیلون سے جنگ (War with Ceylon)

کشا کڈی کتبے کے مطابق نرسمہاورمن کے عہد میں سیلون (موجودہ سری لنکا) کے سیاسی حالات معمول پر نہ تھے۔ تخت کے قانونی وارث مانونا(Manavanna) کو اس کے مخالف نے سیلون سے چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مانومانے سمہاورمن کے پاس کانچی میں پناہ لی۔ پلالور کی جنگ میں وہ چالوکیوں کے خلاف پلوؤں کی طرف سے لڑا۔ چالوکیوں کی شکست کے بعد سمہاورمن نے ایک بڑی فوج اس کے ہم راہ کی جس سے وہ سیلون کا تخت دوبارہ حاصل کر سکے۔ پلوؔ فوجوں کے مکمل تعاون کے باوجود مانوناا پنی پہلی کوشش میں ناکام رہا لیکن دوسری کوشش میں اسے کامیابی ملی۔ اس نے سیلون کے دوسرے لمبکنا(Lambakanna) شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔

10.5.4 ہوین سانگ کا دورہ (Visit of Hiuen Tsang)

شمالی ہند کے سمراٹ ''ہرش وردھن'' اور مرکزی ہندوستان کے چالوکیہ راجا پلا کیشن دوم سے ملنے کے بعد چینی سیاح ہوین سانگ نے کانچی کا دورہ کیا۔ اس نے پلوؤں کی راجدھانی میں بدھ مت، جین مت، شیومت اور وشنومت کے وہاروں اور مندروں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی یہاں کی لوگوں کی سچائی، ایمان داری اور عقل مندی کی تعریف کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ کانچی سے عموماً جہاز لنکا جاتے تھے۔ نرسمہاورمن نے بہت سے القاب اختیار کیے ان میں سے ایک مالّن بھی ہے۔ اپنے والد کی طرح اس نے بھی غاروں اور چٹانوں کو کاٹ کر بہت سے مندر بنوائے اور مالا پورم کو ایک شاندار شہر اور بندرگاہ کے طور پر ترقی دی۔

10.6 مہیندرورمن دوم (Mahedravarman–II)

نرسمہاورمن کے بیٹے کی حیثیت سے مہیندرورمن دوم (668تا670ء) نے پلوؔریاست کا تخت سنبھالا لیکن اسے چالوکیہ حکمراں وکرمادتیہ اول کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ صرف دو سال کی قلیل مدت تک اس کی حکومت برقرار رہ سکی۔ اس کے بعد پرمیشورورمن اول (670تا680ء) پلوؔریاست کا لائق جانشین ہوا۔

10.7 پرمیشورورمن اول (Parmeshvaravarman–I)

10.7.1 پلوؔاور چالوکیہ (Pallavas and Chalukyas)

پلا کیشن دوم کے بعد وکرمادتیہ اول (Vikramaditya– I) چالوکیہ ریاست کا وارث ہوا۔ وہ پلوؤں کے ہاتھوں اپنے والد کی شکست اور راجدھانی واتاپی کی غارت گری کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ واتاپی ابھی تک پلوؤں کے قبضے میں تھا۔ وکرمادتیہ نے سب سے پہلے پلوؤں کو شکست دے کر واتاپی سے بے دخل کیا اور چالوکیہ ریاست کے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ حاصل کیے۔ اس کے بعد اس نے پلوؤں کے علاقے

کی طرف پیش قدمی کی اور ان کی راجدھانی کانچی کا محاصرہ کر لیا۔اسی دوران پلوؔ حکمراں مہیندر ورمن دوم انتقال کر گیا اور اس کی جگہ پرمیشورورمن اول نے تخت حکومت سنبھالا۔ چالوکیہ حکمراں وکرمادتیہ نے بالآخر کانچی فتح کرلیا اور اندرونی قلعے کے اندر داخل ہو گیا لیکن پلوؔ حکمراں پرمیشورورمن فرار ہونے میں کامیاب رہا۔ وکرمادتیہ نے کانچی کو تاخت وتاراج کیا اور اس کے بعد اس نے مزید جنوب کی طرف پیش قدمی کی۔اریور (Uraiyur) (موجودہ تروچیراپلی) کے نزدیک کاویری ندی کے کنارے پر اس کی فوجوں نے قیام کیا اور فتح کا جشن منایا۔ اسی دوران کانچی سے بھاگا ہوا پرمیشورورمن آندھرا میں اپنے اتحادیوں کے پاس گیا اور عسکری تعاون حاصل کر کے چالوکیہ فوجوں پر اچانک دھاوا بول دیا۔اریور سے بمشکل دس میل کی دوری پر واقع پیرولانلور(Peruvalanallur) میں دونوں فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔آخرکار پرمیشورورمن کو جنگ میں فتح حاصل ہوئی اور اس نے راجدھانی کانچی پر دوبارہ قبضہ کر کے چالوکیہ فوجوں کو وہاں سے مار بھگایا۔ وکرمادتیہ اول ناکام ونامراد واتاپی واپس پہنچا۔

10.7.2 پلوؔاور گنگا (Pallavas and the Gangas)

گنگا حکمرانوں اندرورمن سوم اور گنزنوا، پرمیشورورمن کے ہم عصر تھے۔ حالانکہ اندرورمن کے دعوے کے مطابق پلوؔ حکمرانوں سے اس نے متعدد جنگیں لڑی تھیں اور ان پر فتح حاصل کی، لیکن پلووں کی جانب سے ان جنگوں کے کوئی شواہد موجود نہیں ہیں۔البتہ گنگوں کے چالوکیوں کی فوج میں شامل ہونے کے بارے میں اطلاع ملتی ہے۔پرمیشورورمن شیو کا بے حد عقیدت مند تھا۔اس نے اپنی ریاست میں پتھروں سے بہت سے شیومندر تعمیر کرائے۔مالاپورم میں اس نے ایک گنیش مندر کی بھی تعمیر کرائی تھی۔

10.8 نرسمہاورمن دوم (Narsimhavarman–II)

پلوؔ ریاست کا اگلا جانشیں ''نرسمہاورمن دوم''(680تا720ء) تھا جو عام طور پر راج سمہا(Rajasimha) کے نام سے مشہور ہوا۔اس کے عہد میں کوئی قابل ذکر جنگ نہیں ہوئی لیکن راجدھانی میں سخت قحط پڑا۔ بعض ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے باعث راجا بھی تقریباً تین سال تک راجدھانی سے باہر رہا۔اس کا عہد علوم وفنون اور ادب کی ترقی کا دور تھا۔پلووں کے درباری شاعر دنڈن(Dandin) نے اپنے ادبی شاہکار ''اونتی سندری''(*Avanti Sundari*) میں اس عہد سے متعلق معلومات درج کی ہیں۔راج سمہا ایک عظیم معمار تھا ۔ اس نے کانچی میں کیلاش ناتھ مندر(Kailashnatha Temple) اور مالاپورم میں سمندر کے کنارے، ساحلی (shore)،ایشورا(Isvara) اور مکند (Mukunda) مندروں کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر مندر بھی تعمیر کرائے۔کانچی کا کیلاش ناتھ مندر دراوڑی طرز تعمیر(Dravidian Architecture) کا بہترین نمونہ اور شاہکار ہے۔

10.9 پرمیشورورمن دوم (Parmesvaravarman–II)

نرسمہاورمن دوم کے بعد اس کا بیٹا پرمیشورورمن دوم (720تا731ء) پلووں کا حکمراں بنا۔کاشاکڈی تانبے کے کتبات کے مطابق پرمیشورورمن نے بہسپتی کے ذریعے بنائے گئے اصولوں پر عمل کیا اور کائنات کی حفاظت کی۔یہ حفاظت کس طرح اور کس سے کی، اس

بارے میں کوئی معلومات درج نہیں کی گئی۔ کتبوں میں اسے ''کلی''یعنی تاریکی کو سزا دینے والے اور ''منو'' کے اصولوں پر عمل کرنے والے کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ چالوکیوں اور گنگوں کے مشترکہ حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے پر میشور ورمن مارا گیا۔

10.10 نندی ورمن دوم (Nandivarman–II)

ادیندرم (Udayindram) تانبے کے کتبے کے مطابق نندی ورمن دوم، پر میشور ورمن دوم کا بیٹا تھا، لیکن کاشاکڈی کتبے کے مطابق پر میشور ورمن کے بعد سمہاوشنو خاندان کی حکومت میں ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ سمہاوشنو کے ایک بھائی بھیماورمن تھے اور نئے حکمراں نندی ورمن دوم (731تا795ء) کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ اس تبدیلی کے اسباب غیر واضح ہیں اور مورخین نے اس کی مختلف تاویلیں پیش کی ہیں۔ ممکن ہے کہ راج سمہا کا بیٹا اتنا چھوٹا ہو کہ تاریخ کے اس اہم موڑ پر حکومت سنبھالنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ حالات ایسے تھے کہ شمال میں چالوکیہ حکمراں پلووں سے بدلا لینے کے لیے تیار بیٹھے تھے اور جنوب میں پانڈیہ پلووں پر حملہ کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ کانچی کے ویکنٹھ مندر کے مجسموں سے معلوم ہوتا ہے کہ نندی ورمن دوم کی تاج پوشی کے وقت وزرا، بڑے بڑے تاجر اور ماہرین فنون موجود تھے۔

10.10.1 پلوّا اور پانڈیہ (Pallavas and the Pandyas)

پلووں اور پانڈیوں کے درمیان اقتدار کے حصول کے لیے ہونے والی جنگوں کے اسباب درج ذیل ہیں:

- کونگوناڈو (Kongunadu) خطہ کبھی پلوّا تو کبھی پانڈیہ حکومت کے ماتحت رہتا تھا۔ دونوں ریاستیں اس پر اپنا دعویٰ کرتی تھیں اس لیے جنگ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔
- پر میشور ورمن کا بیٹا پانڈیہ راجا کے پاس پناہ گزیں تھا جس نے پانڈیوں کو نندی ورمن کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ جس وقت نندی ورمن، نندی پورم قلعے میں مقیم تھا عین اسی وقت پانڈیہ راجا اپنی پوری عسکری طاقت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو گیا۔ چوں کہ نندی ورمن کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا اس لیے وہ قلعے میں محصور ہو کر رہ گیا۔ پلووں کا ایک دیرینہ باج گزار آدتیہ چندرن اپنی پوری فوج کے ساتھ پہنچا اور پانڈیوں کا مقابلہ کیا۔ ابتدا میں پانڈیوں کو کچھ کامیابی ملی لیکن بالآخر پلووں نے انہیں مار بھگایا۔

10.10.2 شمال کی جانب پیش قدمی (March towards the North)

نندی ورمن نے اشومیدھ یگیہ (گھوڑے کی قربانی) کی ادائیگی کی خواہش کے پیش نظر اپنا گھوڑا شمال کی جانب بھیجا۔ شاہی گھوڑا وینگی ریاست پہنچا جہاں مشرقی چالوکیہ حکمراں وشنووردھن سوم نے نندی ورمن کی ماتحتی قبول کی لیکن اس کے باج گزار پر تھوی ویا گرہ نے نندی ورمن کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ادے چندرن کو وہاں بھیجا گیا اس نے انہیں شکست دی اور کامیاب ہو کر پلوّا راجا کے لیے بہت سی دولت اور مال غنیمت لے کر واپس آیا۔

10.10.3 پلوّاور چالوکیہ (Pallavas and the Chalukyas)

جس وقت پانڈیوں نے نندی پورم قلعے پر قبضہ کیا اس وقت نندی ور من اس کے اندر تھا۔ وقت کا بہترین استعمال کرتے ہوئے چالوکیہ راجا وکرمآدتیہ دوم اپنی فوج کے ساتھ کانچی پہنچا اور اس پر قابض ہو گیا۔ فن کے عاشق کے طور پر اس نے پلووں کی راجدھانی میں کسی طرح کی کوئی تباہی نہیں مچائی بلکہ مندروں اور برہمنوں کو عطیات دیے۔ لیکن حالات اس وقت یکسر مختلف ہو گئے جب اودے چندرن نے نندی ور من کو بچایا۔ نندی ور من نے اسی وقت اپنی راجدھانی کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر وکرمآدتیہ دوم کو مار بھگایا۔ جب کیرتی ور من دوم نے اپنے والد کے بعد 757ء میں چالوکیہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے پلووں پر دوبارہ چڑھائی کی لیکن اس بار نندی ور من دوم کو پانڈیوں اور گنگوں کی مدد حاصل کی تھی اس لیے وہ انہیں جنگ میں شکست دینے اور کیرتی ور من کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح چالوکیوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

10.11 دنتی ور من (Dantivarman)

10.11.1 پلوّاور راشٹر کوٹ (Pallavas and the Rashtrakutas)

دنتی درگ کے اندر اتنی صلاحیت تھی کہ وہ پلووں کی مدد سے چالوکیہ خاندان کی راکھ پر راشٹر کوٹ حکومت کی تعمیر کر سکے۔ نندی ور من کی شادی دنتی درگ کی بیٹی سے ہوئی تھی اور دونوں کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ کرشنا اول نے دنتی درگ کی جانشینی اختیار کی اور 758 سے 772ء تک حکمرانی کی۔ اور ایسا لگتا ہے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی ناچاقی نہیں ہوئی۔ نندی ور من دوم کی لگ بھگ پوری زندگی لڑائی اور میدان جنگ میں گزری۔

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

کرشنا کے دور حکومت تک کوئی مسئلہ نہیں تھا اور ان کے دوستانہ مراسم بدستور قائم تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ کرشنا نے گووندا کو اپنا جانشیں منتخب کر لیا تھا۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد راشٹر کوٹ تخت پر بیٹھا۔ راجا کا چھوٹا بھائی دھرو بھی حکومت کا شدید خواہش مند تھا اور سیاسی رجحان بھی اس کے حق میں تھے۔ اس موقع پر دونوں بھائیوں نے پڑوسی ممالک سے عسکری تعاون حاصل کیا اور جانشینی کی جنگ شروع کر دی۔ ظاہر سی بات ہے دھرو کی مخالفت میں پلوّ راجا دنتی ور من نے گووندا کا ساتھ دیا لیکن جب دھرو نے جانشینی کی جنگ جیت لی اور حکومت کا تاج (780 تا 794ء) اپنے سر پر رکھا تو پلووں کے تعلقات راشٹر کوٹوں سے کشیدہ ہو گئے کیوں کہ دھرو اپنے بھائی کے مددگاروں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا دنتی ور من کو راشٹر کوٹ راجاؤں سے تین جنگیں لڑنی پڑیں۔

پلوّاور راشٹر کوٹ: پہلی جنگ (Pallava–Rashtrakuta: The First War)

جب 780ء میں دھرو کی تاج پوشی ہوئی تو سب سے پہلے اس نے اپنے بھائی گووندا کے حامیوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ وینگی حکومت پر قابض ہونے کے بعد اس نے پلووں کی راجدھانی کانچی کی طرف پیش قدمی کی۔ دنتی ور من اور دھرو کا کوئی موازنہ نہیں تھا لہٰذا وہ دھرو سے جنگ ہار گیا۔ دھرو نے بہت سا مال غنیمت جمع کیا اور دنتی ور من کو باج گزار کے طور پر حکومت کرنے کی اجازت دی۔

پلوّاور راشٹر کوٹ: دوسری جنگ (Pallava–Rashtrakuta: The Second War)

راشٹر کوٹ حکمراں دھروونے تیسرے بیٹے گووندا کو اپنا وارث مقرر کر دیا اور انتقال کر گیا۔ گووندا سوم کی تاج پوشی اس کے سب سے بڑے بھائی کمبار سا پر بہت گراں گزری۔ کچھ زمیندار بھی گووندا کے خلاف کمبار سا کی حمایت کر رہے تھے۔ اس لیے گووندا بھی دشمن سے ہاتھ ملانے والوں کو کچلنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ حالانکہ راشٹر کوٹوں کی جانشینی کی جنگ میں دنتی ورمن کے رول کے بارے میں یقینی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کانچی پر گووندا کے حملے کے اسباب واضح نہیں ہیں۔ شاید سیاسی خلفشار کا فائدہ اٹھا کر دنتی ورمن نے لگان کی ادائیگی نہیں کی تھی۔ اس کے اسباب جو بھی ہوں ہم جانتے ہیں کہ گووندا نے پلوّ راجدھانی پر 803 میں حملہ کیا جس کے نتیجے میں دنتی ورمن نے گووندا کی حکومت دوبارہ تسلیم کی اور اپنا خراج ادا کیا۔

پلوّاور راشٹر کوٹ: تیسری جنگ (Pallava–Rashtrakuta: The Third War)

راشٹر کوٹ راجا گووندا کا زیادہ تر وقت جنگ میں گزرا۔ جنوبی طاقتوں پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کے بعد وہ شمال کی طرف متوجہ ہوا۔ جس وقت اس نے شمال پر فوج کشی کی جنوب کی تمام طاقتیں، گنگا، پلوّ، چیرا، چولا اور پانڈیہ یکجا ہو گئیں اور شاید اقتدار پر قابض ہونے کے لیے انہوں نے کچھ سازش کی۔ جب گووندا کو اس کی اطلاع ملی تو وہ جنوب کی طرف واپس پلٹ آیا اور یکے بعد دیگرے انہیں ہرا کر اپنی طاقت اور بالادستی کو ثابت کیا۔ دنتی ورمن نے شاید دوبارہ اس کی ماتحتی قبول کرنے اور لگان ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پلوّ خطہ ارض پر اپنی بالادستی برقرار رکھتا ہے۔

10.11.2 پلوّاور پانڈیہ (Pallavas and the Pandiyas)

پانڈیہ راجامار اور من راج سمہا کا بیٹا ور گنا اول اس کا جانشیں ہوا۔ دوسرے راجاؤں کی طرح نیا راجا بھی اپنی ریاست کی توسیع میں دلچسپی رکھتا تھا۔ جب اس نے تھاگادر (Thagadur)(تمل ناڈو کا موجودہ دھرمپوری) پر حملہ کیا تو پانڈیوں کے خلاف دنتی ورمن نے وہاں کے راجا کی مدد کی۔ نتیجتاً جب وراگن تھاگادر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو فطری طور پر اس نے اپنی توجہ دنتی ورمن کی طرف مبذول کی۔ راشٹر کوٹوں کے ساتھ جھگڑوں کے باعث دنتی ورمن پہلے سے ہی پریشانیوں میں گرفتار تھا۔ اب حالات مزید خراب ہو گئے اور چولا خطے پر پانڈیوں نے قبضہ کر لیا۔ ورگنا نے پورے چولا خطے اور کچھ پلوّ علاقوں کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اس طرح دنتی ورمن کو پانڈیوں کے لیے بھی کچھ علاقوں کو چھوڑنا پڑا ساتھ ہی راشٹر کوٹوں کو خراج کے طور پر ایک خطیر رقم بھی ادا کرنی پڑی۔

10.12 نندی ورمن سوم (Nandivarman–III)

نندی ورمن سوم (825تا850ء)، دنتی ورمن کا بیٹا اور جانشیں تھا۔ یہ کدمب شہزادی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے عہد کے ادبی شاہکار ''نندی کالمباگم'' (Nandi Kalambagam) میں اس کی شجاعت اور عسکری صلاحیتوں کی تعریف کی گئی ہے۔ نندی ورمن اپنے ہارے ہوئے علاقوں کو راشٹر کوٹوں سے واپس لینا چاہتا تھا اس لیے اپنے اقتدار کی شروعات میں اس نے اموگھ ورش

(Amoghavarsha) کے خلاف پیش قدمی کی۔اموگھ ورش امن میں دلچسپی رکھتا تھا اس لیے اس نے گنگا حکمراں اور پلوّ نندی ورمن سے شادی بیاہ کے رشتے قائم کیے۔اس طرح نندی ورمن نے پلوّ خاندان کے گم شدہ وقار کو کچھ حد تک دوبارہ حاصل کیا۔اب نندی ورمن باج گزار نہیں تھا بلکہ ایک خود مختار حکمراں بن چکا تھا۔اس طرح راشٹر کوٹوں اور پلووں کے درمیان کچھ مدت تک امن وآشتی قائم رہی۔

10.12.1 پلوّ اور پانڈیہ (Pallavas and the Pandiyas)

نندی ورمن کی حکومت کے چھٹے اور دسویں سال کے درمیان کچھ مدت کے لیے یہ جنگ ہوئی۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح پانڈیوں نے پلووں کے چولا علاقوں پر قبضہ کیا اور ٹونڈئی منڈلم میں داخل ہوئے۔ جب نندی ورمن راشٹر کوٹوں سے جنگ کر رہا تھا تو پلووں کے چولا باج گزاروں نے خراج دینے سے انکار کر دیا تھا۔اور شاید خود کو آزاد قرار دے دیا تھا۔ تخت وتاج کے خواہش مند نندی ورمن کے چھوٹے بھائی کو چولوں اور پانڈیوں کا تعاون اور تائید حاصل تھی۔ان ہی اسباب کی بنیاد پر نندی ورمن شمال سے فتح یاب ہو کر لوٹنے کے فوراً بعد اپنی شان دار فوجوں کو لے کر جنوب کی طرف بڑھا۔'نندی کا لمبکم' میں اس جنگ کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ نندی ورمن نے مختلف مقامات پر چیرا، چولا اور پانڈیہ حکمرانوں کے اتحاد کو شکست دی۔آخری لڑائی 'تلارو' (Tellaru) میں ہوئی جس میں ان تمل طاقتوں کو مجموعی طور پر بہت نقصان پہنچا۔اس نے پانڈیہ فوجوں کو صرف اپنے علاقوں سے باہر ہی نہیں کھدیڑا بلکہ پانڈیہ خطوں کی سرحد تک ان کا پیچھا کیا۔اس جنگ سے نندی ورمن ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو کہ اس کا باپ پانڈیوں کو ہار گیا تھا۔ گویا نندی ورمن ایک لائق سپاہی تھا جو پلوّ حکومت کے کھوئے ہوئے خطوں اور وقار کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

10.13 نرپتنگاورمن (Nriputungavarman)

نندی ورمن کے بیٹے کی حیثیت سے نرپتنگاورمن (850تا882ء) پلوّ تخت پر بیٹھا۔یہ راشٹر کوٹ راجا اموگھ ورش کی بیٹی ''شنگ '' کا بیٹا یعنی اس کا نواسا تھا۔ نرپتنگا نے اپنے نانا کے نام کو برقرار رکھا۔ تیس سے قدرے زائد طویل مدت تک اس کی حکومت رہی۔اسے اپنی سیاسی زندگی میں جنوبی پڑوسیوں اور پانڈیوں سے بھی جنگ کرنی پڑی۔

10.13.1 پلوّ اور پانڈیہ (Pallava–Pandiya)

دو پانڈیہ راجا، پلوّ حکمراں نرپتنگا کے ہم عصر تھے۔ان میں سے ایک سری مارا سری ولبھ (830تا862) تھا جس کو اس کے والد نندی ورمن نے تلارو میں شکست دی تھی اور دوسرا اس کا بیٹا اور جانشیں ورگنا دوم (862تا880) تھا۔اس لیے نرپتنگاورمن کو پانڈیوں کے ساتھ دو جنگیں لڑنی پڑیں۔ جب اس وقت کے دوسرے راجاؤں کی طرح نرپتنگاورمن تخت پر بیٹھا تو پانڈیہ راجا سری مارا سری ولبھ تلارو میں ہوئی شکست کا پلوّ راجا نندی ورمن سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ سری مارا سری ولبھ اور نرپتنگا کے درمیان کمبا کونم (Kumbakonam) یعنی موجودہ کوداملکو (Kudamaukku) کے پاس خونریز جنگ ہوئی جس میں پانڈیوں کو فتح حاصل ہوئی، لیکن ارسلار ندی کے کنارے لڑی گئی اریچل (Arichil) کی جنگ میں پلوّ راجا نرپتنگا نے اپنی شکست کا بھرپور انتقام لیا اور پانڈیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ نرپتنگا کی

جاری کردہ بہور (Bahour) تانبے کی پلیٹوں سے اس کی فتح کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دونوں فریقین کے مابین کچھ مدت تک مصالحت رہی اور امن قائم رہا۔ اسی دوران پانڈیہ حکومت میں کچھ خلفشار برپا ہو گیا۔ مایا پانڈیہ، سری مارا سری ولبھ سے اقتدار کو چھیننا چاہتا تھا جس کو اس نے وہاں سے بھگا دیا۔ یہ مایا پانڈیہ سیلون کے راجا کے یہاں پناہ گزیں ہو گیا۔ پانڈیہ حکومت کے موجودہ حالات کو غنیمت سمجھتے ہوئے سیلون کے راجا نے ایک بڑی فوج اکٹھا کر لی اور پانڈیوں پر حملہ کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ ان سیاسی تبدیلیوں کے پیش نظر سری مارا نے پلوّ نرپتنگا کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ نرپتنگا نے درکار عسکری تعاون فراہم کیا جس کی وجہ سے سری مارا سیلون کی فوجوں پر فتح یاب ہوا۔

10.14 اپراجتاورمن (Aparajitavaraman)

879ء میں نرپتنگا اتنا بوڑھا ہو گیا کہ اس نے تخت حکومت اپنے بیٹے اپراجتاورمن (879-897ء) کے سپرد کر دیا۔ سری مارا کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ورگنا سوم نے پانڈیہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ کچھ مدت تک اس نے بھی پلووں سے دوستی برقرار رکھی، لیکن یہ دوستی بہت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ کمزور ہوتی ہوئی پلوّ حکومت سے اسے اپنے علاقوں میں توسیع کا موقع ملا۔ سرحدی علاقوں میں چھیڑ چھاڑ کے ساتھ اس نے پلووں کے متعدد علاقے ہتھیا لیے۔ پلوّ حکمراں اپراجتاورمن میں اتنی طاقت نہیں تھی جو پانڈیہ طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ مسلسل حملوں سے کھیتی باڑی اور تجارت کو بھی نقصان پہنچ رہا تھا اور خزانے کی آمدنی بھی کم ہو رہی تھی۔ اس صورت میں اس نے اپنے اتحادیوں اور ماتحت جاگیرداروں سے مدد مانگی۔ اپراجتاورمن کے نانا ہونے کے ناطے گنگا راجا پرتھوی پتی نے اس کی پوری مدد کی۔ پلووں کے جاگیردار چولا راجا وجیالیہ کے بیٹے اور جانشیں آدتیہ چولا نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ تیروپورم بیم (Thirupurambiyam) کے پاس پلوّ اور ان کے اتحادیوں اور پانڈیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔

اس جنگ میں حالانکہ گنگا راجا پرتھوی پتی مارا گیا پھر بھی پلووں کو فتح حاصل ہوئی۔ اپنی کمزوریوں کے باعث اپراجتاورمن ان حالات سے مستفید نہ ہو سکا۔ اپنی مدد کے بدلے اسے چولوں کو تنجاور سے حکومت کرنے کا حق اور ان کی خود مختار حیثیت تسلیم کرنی پڑی، ساتھ ہی کافی سارے مفتوحہ علاقے ان کے حوالے کرنے پڑے۔ پرتھوی پتی کی موت اور پھر جانشینی کے جھگڑوں کی وجہ سے گنگا حکمراں بھی ان سیاسی حالات سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ پانڈیہ بھی دو صدیوں تک دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے کے لائق نہیں رہے۔ ان حالات میں چول حکمراں آدتیہ چولا نے اس سیاسی خلا کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ پلووں کے پورے ٹونڈئی منڈلم پر قبضہ کر لیا۔ مفتوحہ پانڈیہ علاقے بھی اس کی ریاست میں شامل ہو گئے، اس طرح چولا خاندان جنوبی جزیرہ نما میں ایک عظیم طاقت بن گیا اور اس خطے میں عظیم چولا ریاست کی بنیاد پڑی۔ پلوّ خاندان کے لوگ چولا ریاست میں ایک طویل مدت تک اعلیٰ مناسب پر فائز رہے، لیکن تھیروپورم بیم کی جنگ کے بعد ان کی خود مختار حیثیت ختم ہو گئی۔ یہ جنگ اس لیے بھی اہم ہے کیوں کہ اس کے بعد پلووں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور ان کی ریاست کے کھنڈروں پر چولوں نے اپنی عظیم ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح چولا نویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی کے اختتام یعنی چار صدی سے زائد عرصے تک جنوبی ہند کے سیاسی منظر نامے پر حاوی رہے۔

10.15 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

پلوّ خاندان کے بعد کے حکمرانوں میں سمہاوشنو(575تا600ء) نے نسبتاً زیادہ دنوں تک حکومت کی اور اس کے دور اقتدار میں بہت سے واقعات رونما ہوئے۔اس نے چولوں ، پانڈیوں اور ان کے اتحادیوں سے جنگیں لڑیں۔ٹونڈئی منڈلم علاقے سے کالبھروں کے عارضی اقتدار کا خاتمہ کیااور جنوب میں دریائے کاویری کے ڈیلٹاتک اپنی ریاست کی توسیع کی۔یہ اونی سمہاکے نام سے بھی مشہور ہوا۔اس کے بیٹےاور جانشیں مہیندرورمن اول(600تا630ء) کا شمار بھی اہم راجاؤں میں ہوتاہے۔اوائل زندگی میں یہ جین مذہب کا پرجوش عقیدت مند تھالیکن ایک شیوسنت اپّار سوامی کی ترغیب وتحریک پر شیوکا پرستار بن گیا۔یہ شمالی ہند کے عظیم فرمانرواہرش وردھن کا ہم عصراور اس کی طرح ایک اچھاڈرامانویس، موسیقاراور شاعر تھا۔اس نے ایک ڈرامامت ولاساپرہسنا(*Mattavilasa Prahasanam*)طنزومزاح کے موضوع پر تخلیق کیااور کچھ مآخذ کے مطابق ''پڈوکوٹائی''(Pudukkotai) کے منظوم کتبوں کی تصنیف سے بھی اس کا تعلق تھا۔متّ ولاسا، گن بھرا، وچتراچِتا جیسے متعدد القابات مہیندرورمن کی قابلیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس نے فن تعمیر میں غاروں کو کاٹ کر بنائے گئے مختلف طرز متعارف کرائے۔کہا جاتاہے کہ مہیندرورمن اول کو چالوکیہ حکمراں پلا کیشن دوم کے ہاتھوں زبردست شکست کا سامنا کرناپڑا جس کے نتیجے میں وینگی کا علاقہ چالوکیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔پلا کیشن نے اپنے سوتیلے بھائی وشنووردھن کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جس نے وینگی کے مشرقی چالوکیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔مہیندرورمن اول کے بیٹےاور جانشیں نرسمہاورمن اول(630تا660ء) کو پلوّ حکمرانوں میں سب سے عظیم حکمراں سمجھا جاتاہے۔اسے مہاملا(Mahamalla) بھی کہا جاتا تھا۔پلا کیشن دوم کے دوسرے حملے کو ناکام بنانے اسے قتل کرنے اور چالوکیہ راجدھانی واتاپی پر قبضہ کرنے کا سہرا اسی کے سر ہے۔اس فتح کے بعد اس نے واتاپی کونڈا(واتاپی کا فاتح) کا لقب اختیار کیا۔چالوکیوں کے ساتھ جنگ میں اسے لنکا کے شہزادے مانوم کا تعاون حاصل ہوا۔بدلے میں اس نے مانوم کی سری لنکا کا راجابننے میں مدد کی۔اس کے دور حکومت میں تقریباً642ء میں ہیون سانگ نے کانچی کا دورہ کیا تھا۔نرسمہاورمن اول ادب وفن کا دلدادہ تھا۔اس نے تری چراپلی اور پڈوکوٹائی جیسے مقامات پر غاروں کو کاٹ کر مندر بنوائے۔تاہم اس کو اصل شہرت مہابلی پورم کے رتھ مندروں جیسے دھرم راج رتھ مندر، دشراج رتھ مندر وغیرہ کی تعمیر کی وجہ سے حاصل ہوئی۔مہاملاپورم کا نام اس کے بانی مہاملایعنی نرسمہاورمن اول کی یاد میں رکھا گیا ہے۔

مہیندرورمن دوم(668تا670ء) کی حکومت بہت کم دنوں تک رہی کیوں کہ چالوکیہ راجاوکرمادتیہ نے اس کا قتل کردیا تھا۔ نرسمہاورمن کے پوتے پرمیشورورمن اول(670تا680ء) کے دور حکومت میں پلوّاقتدار کو دھچکہ لگا۔وہ اپنی راجدھانی(کانچی) چالوکیہ راج وکرمادتیہ اول کو ہار گیا لیکن ایسا معلوم ہوتاہے کہ اس نے جلدی ہی اسے واپس حاصل کرلیا۔اس کے بیٹے اور جانشیں نرسمہاورمن دوم (680تا720ء) کے دورِ حکومت میں امن اور خوشحالی قائم رہی۔اسے راجاسمہا بھی کہا جاتاہے۔کانچی میں مشہور کیلاش ناتھ مندر کے علاوہ اس نے مہاملاپورم میں ساحلی، مکنداور ایشور مندر کی تعمیر کروائی۔اس نے چین کے دربار میں بھی اپنا سفیر بھیجا تھااور اس کے دور اقتدار میں بحری تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔اگلے راجاپرمیشورورمن دوم(728تا731ء) نے چالوکیوں اور گنگوں کے مشترکہ حملے کا مقابلہ کیا

اور مارا گیا۔ چوں کہ تخت کا کوئی موروثی جانشیں نہیں تھا اس لیے وزرا کی کونسل نے خاندان کے ہم جدی فرد (سمہاوشنو کے چھوٹے بھائی بھیما ورمن کی اولاد) کو تخت نشین کیا جس نے نندی ورمن دوم (731تا795ء) کی حیثیت سے حکومت کی۔ اس کے دور حکومت چالوکیہ راجا وکرمادتیہ دوم نے دوبارہ حملہ کیا اور پلووں کی راجدھانی پر قبضہ کر لیا لیکن کانچی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ اس نے کانچی میں ویکنٹھ پیرومل (Vaikunthaperumal) مندر کی تعمیر کروائی۔ نندی ورمن کو جیسے ہی پانڈیوں سے فرصت ملی وہ چالوکیوں کی طرف پلٹا اور انہیں واپس لوٹنے اور وینگی کے چالوکیوں کو اپنی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگلے چالوکیہ حکمراں کیرتی ورمن کو بھی اس نے شکست دے کر مار ڈالا جس سے واتاپی کے چالوکیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور چالوکیوں کی جگہ راشٹر کوٹ خاندان کی حکومت کی شروعات ہوئی۔ کچھ ہی سالوں بعد پلووں اور راشٹر کوٹوں کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ابھرتی ہوئی پانڈیہ طاقت کا بھی مقابلہ کرنا پڑا، جس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے۔ 'تلارو' اور 'اریچل' میں انہوں نے پانڈیوں کو شکست فاش دی۔ پانڈیوں کے ساتھ آخری جنگ تری پورم بیم میں ہوئی جس میں گنگوں اور چولوں نے پلووں کا ساتھ دیا اور وہ پانڈیوں کو حتمی شکست دینے میں کامیاب رہے لیکن اس جنگ سے پلووں کی طاقت بھی ختم ہو گئی اور ان کے باج گذار چولوں نے انہیں ہی اکھاڑ پھینکا۔ پلووں کے آخری راجا اپراجتا ورمن کو آدتیہ چولا نے دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں شکست دے کر پلوّ خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

10.16 کلیدی الفاظ (Keywords)

سی۔یو۔کی (SiYuKi)	:	ہیون سانگ کی لکھی ہوئی سفر کی روداد یا احوال نامہ
اشومیدھا	:	گھوڑے کی قربانی (بھینٹ) والا یگیہ، جسے صرف چکرورتی شہنشاہ ہی کر پاتے تھے۔
شیومت	:	ہندومت کا اہم فرقہ جس میں شیو کو اعلیٰ ترین مان کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔
ٹونڈئی منڈلم	:	آندھرا پردیش کے جنوبی حصے اور تمل ناڈو کا شمالی حصہ

10.17 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

10.17.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ابتدائی پلوّ راجا کس خاندان کے ماتحت تھے؟
2. روایتی طور پر پلوّ خاندان کا بانی کون تھا؟
3. سمدر گپت کی جنوبی مہم میں وشنو گوپ سے کون مراد لیا جاتا ہے؟
4. پلووں کے ہم عصر دو حکمراں خاندانوں کے نام بتائیے۔
5. مت ویلاساپرہسنم (*Mattavilasa Prahasanam*) کس زبان میں تحریر کی گئی؟
6. سیکیلر کی تصنیف کا نام بتائیے۔

7. کشاکڈی اور ویلور پالیم کتبے کس حکمراں خاندان سے متعلق ہیں؟
8. مالاپورم میں وراہ سوامی غار مندر کس نے تعمیر کروایا؟
9. نرسمہاورمن اول کے دور حکومت میں کس چینی سیاح نے پلوّراجدھانی کا دورہ کیا؟
10. نرسمہاورمن اول کس دوسرے لقب سے بھی جانا جاتا تھا؟

10.17.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. پلوّعہد کے ماخذ پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. میندرورمن اول کے بارے میں بتائیے۔
3. پرمیشورورمن اول کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
4. پلوّاور راشٹر کوٹ جنگوں کے بارے میں بتائیے۔
5. تیروپورمبیم (Thirubarmbiyum) کی اہمیت مختصراً بیان کیجیے۔

10.17.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پلووں کے بارے میں ہیون سانگ کی بیان کردہ تفاصیل کی وضاحت کیجیے۔
2. پلوّریاست کے استحکام میں نرسمہاورمن اول کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
3. نندی ورمن دوم کے بارے میں ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔

10.18 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Aiyangar, S.K., and Nilakanta Sastri, K.A., 'The Pallavas', in R.C. Majumdar, K.K. Dasgupta eds., *A Comprehensive History of India, Volume III, Part 1: A.D. 300–985*, Indian History Congress/People's Publishing House, New Delhi, 1960.
2. Cadambi, Minakshi, *Administration and Social Life Under the Pallavas*, University of Madras, Madras, 1938.
3. Iyengar, Raghava R., *Perumbanarruppatai, A Commentary*, Annamalai University Press, Chidambaram, 1949.
4. Kulke, Hermann, and D. Rothermund, *A History of India*, Routledge, 2001.
5. Prasad, Durga, *History of the Andhras up to 1565 A.D.*, P.G. Publishers, Guntur, 1988.
6. Sathianathaier, R., 'Dynasties of South India', in R. C. Majumdar and A.D. Pusalkar eds., *The Classical Age*: *History and Culture of Indian People*, third edn., Bharatiya Vidya Bhavan, pp. 255–75, 1970.
7. Sircar, D.C., 'Genealogy and Chronology of the Pallavas', in R.C. Majumdar and

A.D. Pusalkar eds., *The Classical Age*: *History and Culture of Indian People*, third edn., Bharatiya Vidya Bhavan, pp. 275–290, 1970.

8. اے۔ایل۔ باشم/مترجم ایس غلام سمنانی، ہندوستان کا شاندار ماضی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

9. ڈی۔ڈی۔ کوشامبی/مترجم بال مکند ملسیانی، قدیم ہندوستان کی تہذیب وثقافت تاریخی پس منظر میں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

10. محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

11. کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹنا گر، جنوبی ہند کی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

12. جھا، ڈی۔این، قدیم ہندوستان۔ایک تعارفی خاکہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 11۔ چالوکیہ خاندان

(Chalukyas)

اکائی کے اجزا

11.0	تمہید
11.1	مقاصد
11.2	چالوکیہ خاندان کا ابتدائی پس منظر
11.3	چالکیوں کے ابتدائی حالات آغاز وارتقا
11.4	واتاپی کے چالوکیہ حکمران
11.5	مغربی چالوکیہ یا کلیانی کے چالوکیہ
11.6	مشرقی چالوکیہ یا وینگی کے چالوکیہ
11.7	مذہبی عقیدت مندی
11.8	تعمیری سرگرمی
11.9	فوجی حکمت عملی
11.10	نظم ونسقِ حکومت
11.11	بیرونِ ممالک سے سفارتی تعلقات
11.12	سکوں کا چلن اور نظامِ زر
11.13	زبان وادب کی سرپرستی
11.14	اکتسابی نتائج
11.15	کلیدی الفاظ
11.16	نمونہ امتحانی سوالات
11.17	تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید (Introduction)

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے دوران جنوبی ہندوستان کے دکنی علاقوں کو ''دکشنا پتھ'' یا ''دکن'' کہا جاتا تھا۔ اسی ''دکشنا پتھ یا دکن'' کا ایک مشہور علاقہ واتاپی یعنی موجودہ بادامی ہے۔ جو فی الحال موجودہ ریاست کرناٹک کا ایک اہم حصہ ہے۔ ''واتاپی'' کے مقام پر چالوکیہ خاندان کے اولین حوصلہ مند حکمرانوں نے اپنی ریاست کی مضبوط بنیاد رکھی اور ''واتاپی'' موجودہ ''بادامی'' کو اپنا دارالحکومت (راجدھانی) بنایا۔ اس کا شمار جنوبی ہندوستان کی مضبوط ترین ریاستوں میں کیا جاتا ہے۔ بادامی کی چالوکیہ ریاست تقریباً دو سو برسوں تک قائم رہی اور انتہائی تزک واحتشام سے فرمانروائی کرتی رہی۔ بیشتر مورخین کا ماننا ہے کہ وجے نگر ریاست کے عروج میں آنے سے پہلے چالکیہ خاندان جنوبی ہندوستان کی سب سے اہم، مضبوط اور طاقتور ریاست تھی۔ طویل مدت تک اس نے جنوب پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔ بعد میں کچھ ناعاقبت اندیش حکمرانوں کی آپسی چپقلش کے باعث رفتہ رفتہ کمزور ہوئی اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد یہ مضبوط حکومت تین خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ دو ریاستیں جلد ہی انتشار کا شکار ہو گئیں۔

بادامی کے چالوکیہ حکمرانوں نے جنوبی ہندوستان پر اپنی حکمرانی کے دیرپا اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ انہوں نے علم وادب، تہذیب وتمدن کے ساتھ فنونِ لطیفہ، آرٹ اور کلچر کو بھی فروغ دیا تھا۔ فنونِ لطیفہ کی تعمیر وترقی میں انہوں نے وہ عمدہ شاہکار نمونے چھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر اس عہد کے حکمرانوں کی دلچسپیوں اور ماہر کاریگروں کی عمدہ صناعی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا طرزِ تعمیر ایک جداگانہ فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اکائی میں ہم چالوکیہ ریاست کے قیام، استحکام اور عروج وزوال کے ساتھ ان کے اولوالعزم حکمرانوں کے کارناموں اور ماہر کاریگروں کی صناعیوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- چالوکیہ خاندان کے پس منظر کو جان سکیں گے۔
- چالوکیہ خاندان کے آغاز وارتقا کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے
- چالوکیہ خاندان کے اہم حکمرانوں کے کارناموں کا جائزہ لے سکیں گے۔
- چالوکیہ حکمرانوں کی تعمیری سرگرمیوں سے واقف ہو سکیں گے۔
- چالوکیہ حکمرانوں کے فنی مہارتوں اور کاریگری کو جان سکیں گے۔
- چالوکیہ ریاست کے انتشار وزوال کی وجوہات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- ہندوستانی تہذیب وتمدن کے فروغ میں چالوکیہ حکمرانوں کے کردار پر بحث کر سکیں گے۔

11.2 چالوکیہ خاندان کا تعارف (Introduction to Chalukya Dynasty)

چھٹی صدی عیسوی سے لے کر بارہویں صدی عیسوی تک جنوبی ہندوستان پر چالوکیہ خاندان کے حکمرانوں نے مضبوط ریاست کی بنیاد ڈالی اور واتاپی (موجودہ بادامی) کو جو فی الحال ریاستِ کرناٹک کا حصہ ہے اپنا پایۂ تخت بنایا۔ آگے چل کر یہ حکومت کئی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان خود مختار ریاستوں اور ان کے مقامِ حکمرانی کی بنیاد پر مورخین نے انہیں تین زمروں میں بانٹا ہے۔ بادامی کے چالوکیہ: یہ وہ ابتدائی چالوکیہ ہیں جنہوں نے واتاپی (بادامی) کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا۔ ان کا دور اقتدار چھٹی صدی عیسوی سے 642ء یعنی اس خاندان کے عظیم حکمراں پلاکیشن دوم کے انتقال تک مانا جاتا ہے۔ مغربی چالوکیہ: دراصل یہ بادامی کے چالکیوں کے وہ جانشیں تھے۔ جنہوں نے دسویں صدی عیسوی کے بعد کلیانی کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا۔ انہیں "کلیانی کے چالوکیہ" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مشرقی چالوکیہ: پُلکسین دوم کے انتقال کے بعد اس خاندان کے کچھ افراد نے جنوبی ہندوستان کے مشرقی علاقے "وینگی" کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اسی وجہ سے ان کو مشرقی چالوکیہ یا "وینگی کے چالوکیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا اقتدار اس علاقے میں گیارہویں صدی عیسوی تک قائم رہا۔ آیئے اب ہم مجموعی طور پر چالوکیہ ریاستوں کے قیام اور استحکام کا جائزہ لیتے ہیں۔

11.3 آغاز اور ابتدائی حالات (Emergence and Early Conditions)

چالوکیہ حکمرانوں کے ابتدائی حالات اور ان کے خاندانی پس منظر کے بارے میں بہت زیادہ واضح ثبوت دستیاب نہیں ہیں۔ غالباً ان کا تعلق کرناٹک کے مقامی کناریوں (Kanarese) سے تھا۔ جو برہمن مذہب اور ان کے پجاریوں کے زیر اثر تھے۔ ایک روایت کے مطابق جس کا ذکر بلہن نے اپنی "وکرمانک دیوچرت" میں کیا ہے۔ کہ "چالوکیہ اس سورما نسل سے تعلق رکھتے تھے جسے "برہما" نے دنیا کو بے ایمانی اور دغابازی سے پاک کرنے کے لیے اپنی ہتھیلی سے تخلیق کیا تھا۔" آر۔ پی۔ ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ ان کا خاندان اصلاً ایودھیا سے تعلق رکھتا تھا۔ بعد میں وہ جنوب کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔ ان کے خیال میں چالوکیہ شمالی ہندوستان کے چھتری نسل سے تعلق رکھتے تھے اور ہرتی پتر ان کے اجداد میں سے تھے۔ اوپیندر سنگھ نے لکھا ہے کہ مغربی چالوکیہ خود کو برہمن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خود کو "مانویہ گوتر" کے ہرت پوتر نسل کا بتلاتے ہیں۔ ونسنٹ اسمتھ کا خیال ہے کہ چالوکیہ چاپوں سے تعلق رکھنے والے ایک غیر ملکی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا وہ غیر ملکی تھے۔ ممکن ہے وہ راجپوتانہ کے راستے ہجرت کر کے دکن پہنچے ہوں۔ اس کے برعکس مغربی چالکیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ "مانویہ گوتر" سے تعلق رکھنے والے ہرت پوتروں کی نسل سے ہیں جو برہمن تھے۔ بہر حال چالوکیہ چھٹی صدی عیسوی میں جنوبی ہندوستان کی سرزمین پر اپنی بہادری کا سکہ جمانے والا ایک طاقتور خاندان تھا جس کی کئی اہم شاخیں تھیں۔ اکثر مورخین کا ماننا ہے کہ چالوکیہ ریاست کی بنیاد جے سمہا (جے سنگھ) نے رکھی تھی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے رن راگ کی رہنمائی میں اس کی ریاست کی حدود میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ رفتہ رفتہ چالکیوں نے جنوبی ہندوستان کے اس علاقہ پر جسے "دکشناپتھ" کہا جاتا تھا ایک مضبوط حکومت قائم کر لی۔ ان کی یہ حکومت تقریباً 200 سالوں تک برقرار رہی۔ اس ریاست کو مضبوط، مستحکم، اور وسیع کرنے میں کئی اہم حکمرانوں کی دور اندیشی، بہادری، اولوالعزمی اور فوجی حکمتِ عملی شامل رہی ہے۔

11.4 واتاپی کے چالوکیہ (The Chalukyas of Vatapi)

چالوکیہ خاندان کا پہلا قابل ذکر حکمراں پلا کیشن اوّل (535-566) تھا۔ جو رن راگ یا رانا رنگ (Ranaranga) کا جانشین بنا۔ اس کی بیوی درلبھ دیوی ''باپورا'' خاندان کی شہزادی تھی۔ پلا کیشن اول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت حوصلہ مند، بہادر اور پُر کشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے کدمب حکمرانوں کی ماتحتی کا جوا اتار پھینکا اور اپنے باپ سے وراثت میں ملی ریاست کو نہ صرف مضبوط و مستحکم کیا بلکہ اس کی سرحدوں کو بھی کافی وسیع کیا۔ اس کی حکومت میں جنوبی ہند کے آندھرا پردیش کا زیادہ تر حصہ اور کرناٹک کا پورا علاقہ شامل تھا۔ اس نے واتاپی (موجودہ بادامی) ضلع بیجاپور کو اپنا پایۂ تخت اور اپنی راجدھانی بنانے کا فیصلہ کیا۔

پلا کیشن اول نے دکن کے علاقہ میں جدید طرز کی ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی بنیاد ڈالی اور مالا پربھا کی وادی میں واتاپی کے مقام پر جسے بادامی بھی کہا جاتا ہے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کروایا۔ محلِ وقوع کے اعتبار سے یہ قلعہ نہایت مضبوط اور مستحکم ہونے کے ساتھ حفاظتی نقطۂ نظر سے دریاؤں اور پہاڑیوں سے گھرا تھا۔ واتاپی (بادامی) اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ علاقہ جنوبی ہندوستان کے ایک مشہور مذہبی مقام ''مہاکوتہ'' اور اہم تجارتی مرکز ایہول (Aihole) کے قریب واقع تھا۔ لہٰذا مذہبی اور تجارتی طور پر بھی کافی اہمیت کا حامل تھا۔

بادامی کے پہاڑی قلعہ سے ایک حجری کتبہ دریافت ہوا ہے۔ جس میں پلا کیشن اول کی تخت نشینی کا سال شک سن 465 مطابق 543ء درج ہے۔ بادامی کے قلعہ میں نصب اس کتبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ''شروتا''، ''ہرنیہ گربھا''، ''اگنیش توما'' اور ''آشومیدھ یگیہ'' (گھوڑے کی قربانی) ادا کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ ہندوستان میں ''آشومیدھ یگیہ'' ادا کرنے کا اختیار صرف خود مختار راجاؤں اور مہاراجاؤں کو ہی حاصل ہوتا تھا۔ اس قربانی کو ادا کرنے کے بعد پلا کیشن اوّل باقاعدہ خود مختار راجا بن گیا۔ اسے چالوکیہ خاندان کا پہلا خود مختار اور آزاد حکمراں اور چالوکیہ حکومت کا حقیقی بنیاد گزار اور بلا شرکتِ غیر حقیقی حکمراں تصور کیا جاتا ہے۔ اس کتبے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس نے ''ولبھیشور'' کا خطاب اختیار کیا تھا۔

پلا کیشن اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کیرتی ورمن (596-97-566-67ء) اس کا جانشیں بنا۔ اس نے کوکن کے موریوں، بن واسی کے کدمباؤں اور نل واڑی (بستر) کے نلاؤں کو شکست دے کر چالوکیہ ریاست کو مزید مضبوط، وسیع اور مستحکم کیا۔ اس نے گوا کا کچھ علاقہ سے ''ریوتی دیپ'' کہا جاتا تھا بھی فتح کر لیا تھا۔ ان فتوحات کا اثر یہ ہوا کہ کدمبا حکمرانوں کے کچھ باج گزاروں نے جو ان کو سالانہ ٹیکس دیتے تھے ان کو دینا بند کر دیا اور چالکیہ حکمرانوں کے باجگزار بن گئے۔ انہوں نے اپنی وفاداری چالوکیہ حکمرانوں سے وابستہ کر لی۔ ان باجگزاروں نے نہ صرف چالکیوں کی ماتحتی قبول کی بلکہ ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات اور رشتہ داریاں بھی قائم کر لیں۔

آر۔ پی۔ ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ ''کچھ لوحی شہادتوں کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی فوجوں کو شمال میں مگدھ (بہار) اور ونگ بنگال تک لے گیا تھا، مگر اس بات کی دیگر شواہد سے تصدیق نہیں ہوتی ہے کہ اس نے بہار اور بنگال پر فوج کشی کی تھی۔'' یہ بات وثوق کے ساتھ کہی

جاسکتی ہے کہ شمالی کرناٹک کا پورا علاقہ اس کے کنڑول میں آگیا تھا۔ کرشنا جھنڈار کر کا کہنا ہے کہ کیرتی ورمن 567ء میں تخت پر بیٹھا اور تقریباً 25 سال اس نے جنوبی ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ کیرتی ورمن کے انتقال کے وقت اس کے بیٹے نابالغ اور چھوٹے تھے۔ چنانچہ اسکے بھائی منگلیش نے اس کا فائدہ اٹھایا اور راج گدی پر قابض ہو گیا تھا۔

منگلیش یا منگل راج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بہادر، حوصلہ مند، قابل اور باہمت حکمراں تھا۔ اس نے اپنے بھتیجوں کو اقتدار سے بے دخل کر کے نائبِ ریاست کے طور پر اقتدار سنبھال لیا۔ جلد ہی اپنی قابلیت اور حوصلہ مندی سے اس نے کئی اہم مہمیں سر کیں اور اہم اعزازات حاصل کیے۔ اس نے چالوکیہ ریاست کی توسیع کا سلسلہ جاری رکھا۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی کے بقول ''اس نے ریوتی دیپ (موجودہ ریڑی ضلع رتناگری) کو حاصل کر لیا تھا۔'' اس نے شمالی دکن کے کلاچوری حکمراں بدھ راج (جو گجرات، خاندیش اور مالوہ کا راجا تھا) پر بھی قابو حاصل کیا تھا۔ 600ء میں کلاچوری حکمراں کے خلاف ہوئی جنگ میں اسے بہت سارا مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔ مہاکوتہ کے ستونی کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے گنگاؤں، پلووں چولوں، اور کدمباوؤں پر بھی تسلط قائم کیا تھا۔ اس نے ''ارونا پراکرما''، ''راناوکرم'' اور ''پرم بھاگوت'' جیسے القاب اختیار کیے تھے۔

تاہم منگلیش کی زندگی کے آخری ایام درباری ریشہ دوانیوں کی نذر رہا۔ وہ چالوکیہ حکومت کے موروثی وارث پُلکسین دوم کے بجائے اپنے بیٹے سندر ورما کو گدی پر بٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے درباریوں نے اس کی پُر زور مخالفت کی۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے کو تخت نشین کرنے میں ناکام رہا۔ منگلیش کی اس کوشش کے نتیجے میں ریاست میں خانہ جنگی کے حالات پیدا ہو گئے۔ بالآخر منگلیش کے بھتیجے پلاکیشن دوم نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے جنگ میں شکست دے کر قتل کر دیا۔ پداوادو گرو کتبے کے مطابق یہ واقعہ سن 610ء میں پیش آیا تھا۔ بعد ازآں اس نے راجا ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ پلاکیشن دوم کے دور میں چالوکیہ ریاست کو مزید عروج اور کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اس نے اپنے دور حکومت میں کئی اہم کارنامے انجام دیے۔ کئی کامیاب لڑائیاں لڑیں اور سب میں فتح یاب رہا۔ اس کے دورِ حکومت میں چالوکیہ حکومت نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ اس نے اپنی ریاست کے آس پاس کے علاقوں پر بھی غلبہ حاصل کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔ یہی وجہ ہے کہ پلاکیشن دوم کو جنوبی ہندوستان کا اہم ترین حکمراں تصور کیا جاتا ہے۔ پلاکیشن دوم نے اپاپنک اور گووند جیسے باغیوں کو شکست دے کر کدمباؤں کی راجدھانی ''ونواسی'' کو تاخت و تاراج کر دیا۔ کرناٹک کے جنوبی ساحلی علاقوں پر حکمرانی کرنے والے الوپاؤں اور جنوبی کرناٹک کے گنگوں کو اپنی فرماں روائی تسلیم کرنے پر بھی مجبور کیا تھا۔ بعد ازاں اس نے ٹال کاڈ (میسور) کے گنگاؤں سے ازدواجی رشتہ بھی قائم کیا اور ان سے شادی بیاہ کا معاہدہ کیا۔ پلاکیشن دوم نے کوکن کے موریاؤں کو شکست دے کر جدید ''ایلی فینٹا'' پر قبضہ کر لیا۔ گجرات اور مدھیہ پردیش کے علاقوں میں رہنے والے لتاؤں، مالاؤں اور گوجروں کو بھی مغلوب کیا۔

پلاکیشن دوم کا سب سے بڑا جرأت مندانہ قدم شمالی ہند کے ایک بڑے راجا ہرش وردھن کو نربدا کے قریب شکست دے کر جنوبی ہند پر اس کی پیش قدمی پر روک لگانا تھا۔ اس مہم کے بعد اس نے ہرش وردھن کو دکن کی جانب پیش قدمی کرنے سے روک دیا تھا۔ دریائے نربدا کو دونوں ریاستوں کے درمیان سرحد کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ ان کامیابیوں کے بعد پلاکیشن دوم مہاراشٹر پر جس میں 99 ہزار گاؤں تھے

قابض ہوگیا۔اس کی ان فتوحات کااثر یہ ہوا کہ دکن کے مشرقی علاقوں، کوشل اور کلنگ کے راجواڑے بھی اس سے خوف زدہ رہنے لگے۔ان علاقوں کو جیت کر وہ پشٹ پور موجودہ (پٹھاپورم) کے قلعہ کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قابض ہوگیا۔ جب چالوکیہ ریاست کی سرحدیں غیر معمولی طور پر بڑھ گئیں تو پلا کیشن دوم نے تقریباً615ء میں مشرقی علاقوں کا انتظام اپنے چھوٹے بھائی وشنوور دھن وشم سدھی کے سپرد کیا۔اس کے بھائی نے بھی اپنے زیر انتظام علاقوں میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی ریاست کو مزید وسیع اور مستحکم کیا۔ پلا کیشن کی کامیابیوں کی شہرت رفتہ رفتہ بلندیوں پر پہنچ گئی۔

چالکیوں کی پلووں سے پرانی چپقلش تھی۔ مال غنیمت، عزت، دولت، شہرت اور ارضی وسائل پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول حاصل کرنے کے معاملات پر وہ آپس میں ہمیشہ دست و گریباں رہے تھے۔ کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقع دوآب کے علاقہ پر دونوں اپنا تسلط جمانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔پلو حکمران بار بار تنگ بھدرا کو پار کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، جو دکن اور اس کے جنوب کے علاقوں کے مابین ایک قدرتی تاریخی سرحد کی حیثیت رکھتا تھا۔اپنی ابتدائی کامیابیوں سے حوصلہ پاکر پلا کیشن دوم نے اپنے ہم عصر پلو راجا مہیندر ورمن کے علاقوں پر حملہ کردیا۔ چالوکیہ فوجیں پلووں کی راجدھانی کانچی پورم کے قریب بلالور تک پہنچ گئیں۔ پلووں نے اپنے شمالی علاقے پلا کیشن دوم کے حوالے کردیا اور اپنی ریاست کی خاطر امن وامان کا سودا کیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد آندھرا کے ساحلی علاقے بھی چالکیوں کے باج گزار ہوگئے۔

پلا کیشن دوم نے شمال کا جیتا ہوا پورا علاقہ اپنے بھائی وشنوور دھن کے حوالے کردیا، جہاں وہ اس کے نائب کی حیثیت سے حکمرانی کرتا رہا۔ لیکن پلا کیشن کی وفات کے بعد اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا اور دکن کے مشرقی علاقوں میں ایک نئی ریاست کی داغ بیل ڈالی جسے تاریخ میں وینگی (Vengi) کی چالوکیہ ریاست یا ''مشرقی چالوکیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔ 642ء میں پلا کیشن نے پلووں پر دوبارہ حملہ کیا۔اس وقت مہیندر ورمن کا بیٹا نرسمہاورمن (630-662) پلووں کا حکمراں تھا۔اس نے نہ صرف پلا کیشن کے حملے کا منہ توڑ جواب دیا بلکہ چالوکیہ ریاست کے مرکزی علاقوں پر دھاوا بول دیا۔اکثر مورخین کا ماننا ہے کہ غالباً اسی تصادم میں پلا کیشن دوم مارا گیا تھا۔ پلووں نے چالوکیہ ریاست کو تاخت وتاراج کرکے ان کی راجدھانی کو لوٹ لیا۔اس طرح نرسمہاورمن نے بادامی پر قبضہ کرلیا۔اس نے ''واتاپی کونڈا'' یا واتاپی کا فاتح کا خطاب اختیار کیا۔

پلا کیشن دوم کی وفات کے بعد اس کے پانچوں بیٹوں (1) چندر آدتیہ، (2) آدتیہ ورمن، (3) وکرما آدتیہ، (4) جے سمہا، (5) آمیرا کے درمیان راج گدی کو لے کر اختلاف پیدا ہوا۔ان سب نے اس ریاست کو پانچ حصوں میں بانٹنا چاہا۔ لیکن پلا کیشن دوم کے تیسرے بیٹے وکرما دتیہ نے چالکیہ ریاست کو منتشر ہونے سے بچالیا اور 642ء میں خود راجا بننے میں کامیاب ہوا اور اپنے تمام بھائیوں کو شکست دے کر اپنی حکومت کو منظم کرنے کی کوشش کی اور کامیاب رہا۔اس طرح پلا کیشن دوم کے انتقال کے بعد وکرما دتیہ ورمن چالوکیہ حکومت کا سربراہ بنا اور سنہ 655-56ء سے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔اس نے اپنے بھائی جے سمہاورمن اور اپنے نانا بھوی کرما کی مدد سے چالوکیہ ریاست کے ان کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ حاصل کرلیا۔ جو نرسمہاورمن نے اس کے والد سے چھین لئے تھے۔ رفتہ رفتہ دیگر سابقہ باج گزار ریاستوں کے

حکمرانوں نے بھی اس کی اطاعت قبول کرلی۔آندھراپردیش کے ساحلی علاقوں اوراس کے مضافات میں ابتدا سے ہی اس کی حکمرانی کے ثبوت پائے جاتے ہیں۔وکرمآدتیہ اوراس کی مشترکہ فوج نے نرسمہاورمن اوّل کے بیٹے مہیندرورمن دوم کو کرناٹک کی جنگ میں شکست دے دی۔ اس کے بعد چالوکیہ فوجیں پرمیشورورمن کی سرکوبی کے لیے کانچی پورم اوراس کے گردونواح تک پہنچ گئی۔پرمیشورورمن کوراہ فراراختیار کرنی پڑی۔وکرمادتیہ نے پلوں کے حریف پانڈیوں سے دوستانہ معاہدہ کیااور مغربی گنگاؤں سے ازدواجی تعلقات قائم کیے۔اس نے ایک گنگاشہزادی سے شادی بھی کی۔بالآخر680ءمیں اس کی وفات ہوگئی۔

وکرم آدتیہ کی وفات کے بعداس کا بیٹاونےآدتیہ اس کا جانشیں بنا۔اس کے دور حکومت کو امن وشانتی کا دور مانا جاتاہے۔اس نے ''یودھامل''،''سہارشیکا''اور''ستیہ شری''کے القاب اختیار کیے تھے۔کہاجاتاہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ کئی محاذوں پران کے شانہ بشانہ لڑ چکا تھا۔اس نے پلووں،کلابھروں،چیروں اور کلاچوریوں کوشکست دینے میں اپنے والد کا ساتھ دیا تھا۔678ءکے کولہاپور کے کتبے سے معلوم ہوتاہے کہ اس نے لنکااور کمیرا کے راجاؤں کو بھی شکست دی تھی۔692ءمیں اس نے چین سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے چینی دربار میں اپناایک سفیر بھی بھیجا تھا۔696ءمیں اس کی وفات ہو جاتی ہے۔وکرم آدتیہ کی وفات کے بعداس کا بیٹاوجے آدتیہ چالوکیہ تخت وتاج کاوارث بن جاتاہے۔کہاجاتاہے کہ اپنے باپ کے دور میں اسے شمالی ہند کی ایک مہم پر بھیجا گیا تھاجہاں اسے قید کرلیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد کسی طرح قید خانہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوااور چالوکیہ ریاست میں آکر تختِ شاہی پر قابض ہوگیا۔اس نے پلوحکمراں پرمیشورورم کے خلاف محاذآرائی کی اوراسے ٹیکس دینے پر مجبور کیا۔733ءمیں اس کاانتقال ہوگیا۔

وجے آدتیہ کے بعداس کا بیٹاوکرم آدتیہ اس کا جانشیں بنا۔اس نے اپنے خاندان کے دیرینہ دشمن کانچی پورم کے پلووں پر چڑھائی کی اور کامیاب ہوا۔کہاجاتاہے کہ اس نے کانچی پورم پر تین کامیاب حملے کیے تھے۔پہلا اپنی شہزادگی کے دور میں ،دوسراجب وہ بادامی کی چالوکیہ ریاست کا حکمراں بناتیسرااپنے بیٹے کیرتی ورمن دوم کی رہنمائی میں۔وجے آدتیہ کادور شاندار مندروں کی تعمیر کے لیے جاناجاتاہے۔اس کے عہد میں پٹّدکل میں دو بڑے مندر ''ویروپکش''اور ملک ارجن مندر(ترلوکیشور مندر)اس کی دوبیویوں لوکمہادیوی اور ترلوکادیوی کے ذریعہ بنوائے گئے تھے۔یہ دونوں مندر یونیسکو کی عالمی میراث(World Heritage)میں شامل دھروہر ہیں۔

746ءمیں کیرتی ورمن دوم اپنے والدوکرم آدتیہ دوم کا جانشیں بنا۔اس کی ریاست کوراشٹر کوٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مسلسل خطرہ لاحق رہااور بالآخر راشٹر کوٹوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔کیرتی ورمن اوراس کے باج گزارگنگا حکمراں شری پُرش کی پانڈیا حکمراں مار اور من راج سمہااول سے کانگو کے علاقہ کولے کر جوگنگاؤں کی ریاست سے متصل تھا جھڑپ ہوگئی۔کاویری ندی کے کنارے ون بائی کے مقام پر کیرتی ورمن کو شکست ہوگئی۔کیرتی ورمن دوم بادامی کی چالوکیہ ریاست کاآخری حکمراں تھا۔اس کے بعد تقریباً220 سالوں تک مغربی چالوکیہ اقتدار سے باہر رہے۔973ءمیں اس خاندان کی حکمرانی کو چالوکیہ حکمراں تیلپ دوم نے از سرِنو منظم کیا۔جنہیں تاریخ میں مغربی چالوکیہ یاکلیانی کے چالوکیہ کہاجاتاہے

11.5 کلیانی کے چالوکیہ (The Chalukyas of Kalyani)

کلیانی کے چالوکیہ جنہیں مغربی چالوکیہ بھی کہا جاتا ہے تقریباً 220 سالوں کے طویل عرصے کے بعد اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔تاریخی دستاویز اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس ریاست کی تجدید اور احیاء نو کا سہرا اس کے ایک حوصلہ مند راجا "تَیلَپ" کے سر جاتا ہے۔تاریخی دستاویزات کے حوالے سے۔آر۔پی۔ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ "تَیلپ کا مورثِ اعلیٰ کیرتی ورمن دوم کا کوئی چچا تھا جس کا نام معلوم نہیں ہے"،لیکن کرشنا بھنڈارکر کا ماننا ہے کہ "تَیلَپ کسی دوسری بالکل غیر اہم شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔"ان کا ماننا ہے کہ "تَیلَپ اور اس کے جانشیں قدیم چالکیوں کی طرح ہریتی کو اپنا مورث تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی مانویہ گوتر سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں۔

بہر حال تَیلپ دوم نے سن 973ء میں راشٹر کوٹ حکمراں "کرشنا سوم" کی بالادستی قبول کرنے سے انکار کیا اور چالوکیہ حکومت کو دوبارہ قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔اس نے چالوکیہ ریاست کے تمام مقبوضہ علاقوں کو دوبارہ حاصل کیا۔تَیلَپ دوم کے ذریعہ قائم کی گئی حکومت کو "مغربی چالوکیہ خاندان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔انہیں تاریخ میں کلیانی کے چالوکیہ بھی کہا جاتا ہے۔اس مغربی چالوکیہ خاندان نے آنے والے وقت میں جنوبی ہندوستان پر تقریباً ڈھائی سو سالوں تک حکومت کی۔ان کے سب سے اہم حریف چولا حکمراں اور وینگی کے مشرقی چالوکیہ خاندان کے افراد تھے۔ستیہ شری(997-1008ء) سومیشور(1042-1068ء) اور وکرم آدتیہ چہارم(1076-1126ء) وغیرہ مغربی چالوکیہ خاندان کے اہم حکمراں تھے۔جنہوں نے آنے والے وقت میں جنوبی ہندوستان پر اپنی حکمرانی کے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

تیلپ دوم (Tailapa–II)

تَیلپ دوم(973-997) نے جس کا نام "آہومل" تھا "نرمدی تَیلپ اور "ستیہ شری کل تِلک" کا لقب اختیار کیا۔اقتدار میں آنے سے قبل وہ راشٹر کوٹ راجاؤں کا ایک جاگیر دار تھا۔پرمار حکمرانوں کے ہاتھوں مانیہ کھیت کی تباہی کے بعد جب افراتفری پھیلی تو تَیلَپ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور بڑی شدت اور بہادری کے ساتھ راشٹر کوٹ راجا کرکادوم پر حملہ کر دیا۔کرکادوم یا تو لڑائی میں مارا گیا یا بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا۔اس سے تَیلَپ کی قوت اور وقار میں اضافہ ہوا۔اس کے بعد تَیلَپ نے راشٹر کوٹوں کے وارث "اندر چہارم" اور اس کے باج گزار پنچال دیو کو دریائے گوداوری کے دامن میں شکست دے دی۔چولاؤں کی آپسی رسہ کشی اور جانشینی کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر تیلپ انہیں بھی ہرانے میں کامیاب ہوا۔اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے چولا حکمراں اُتھمتھا کو شکست دی تھی۔اس نے اور بھی کئی کامیاب جنگیں لڑنے کا دعویٰ کیا ہے اور بالآخر ایسی ہی ایک خوں ریز معرکہ آرائی میں مارا گیا۔الغرض تقریباً 24 سال حکومت کرنے کے بعد 997ء میں تَیلپ کا انتقال ہو گیا۔

تَیلپ کے بعد اس کا لڑکا ستیاشری تختِ شاہی پر بیٹھا اس کے دورِ حکومت(997-1008ء) میں چولا فوجوں نے راجاراج اول کی قیادت میں چالوکیہ ریاست پر کئی زبردست حملے کیے اور بڑی تباہی مچائی۔ستیہ شری نے اس قتل وغارت گری کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور خود کو سنبھالے رکھا۔موقعہ ملتے ہی اس نے چولا سلطنت کے جنوبی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ستیہ شری کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا وکرم

آدتیہ پنجم (1008-1015ء)اس کی گدی پر بیٹھااور لمبے عرصہ تک حکومت کی۔اس کے دور میں بھوج پرماروں نے چالکیوں پر حملہ کر دیا اور وکرمادتیہ پنجم کو شکست دے کر چالکیوں سے اپنی پرانی دشمنی کا بدلا بھی لے لیا۔وکرمادتیہ کے بعد اس کا بھائی جے سمہادوم (جے سنگھ دوم) (1015-1042ء)جوجگ دیک مل کے نام سے بھی مشہور تھااس کا جانشین بنا۔اس نے کئی اہم محاذوں پر چالوکیہ ریاست کا نہ صرف کامیاب دفاع کیابلکہ بھوج حکمرانوں کے حوصلوں کو بھی پست کیا۔اس کا عہد تعلیمی،تہذیبی وثقافتی ترقی کے لیے مشہور ہے۔ سنسکرت کا مشہور شاعر ودی راج (Vadiraja) اور مشہور کنڑدانشور درگا سمہااس کے ہم عصر تھے۔جے سنگھ 1042ءتک چالوکیہ ریاست کی گدی پر براجمان رہا۔

سن 1042ء میں جے سنگھ دوم کی جگہ اس کا بیٹا سومیشور (1042-1068) تخت پر بیٹھا۔اسے ترلوکی مل،آہو مل کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔چوں کہ اس کے والد جے سنگھ دوم نے چالوکیہ ریاست کی کھوئی ہوئی طاقت کو کافی حد تک بحال کر دیا تھا۔لہٰذا سومیشور اول کو اپنے خاندانی دشمنوں چولوں اور پرماروں کے خلاف معرکہ آرائی اور چالوکیہ ریاست کی توسیع اور استحکام کا اچھا موقعہ ملا۔ مسلسل فوجی کاروئیوں سے بھوجوں کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔سومیشور نے اس سے فائدہ اٹھایا۔اس نے مالوہ،مانڈو اور دھار کو تاخت وتاراج کر دیا۔پرمار راجا مقابلے کی تاب نہ لا سکااور اجین بھاگ گیا۔چالوکیہ فوجوں نے اجین کو بھی تہہ و بالا کر ڈالا۔راجا جے سنگھ پرمار کے دور میں چالکیوں سے پرماروں کے تعلقات میں کسی حد تک بہتری آئی۔سومیشور اول نے جے سنگھ کی تخت نشینی میں بھی مدد کی تھی۔اس کے علاوہ اس نے پاس پڑوس کی ریاستوں کے کئی اہم علاقوں پر زبردست حملے کیے اور کامیاب بھی رہا۔اس نے کانچی پورم پر جو چولا سلطنت کا اہم گڑھ تھا دھاوا بولا۔ان لڑائیوں میں اس کے بہادر بیٹے وکرمادتیہ ششم بڑی مہارت اور جواں مردی کے ساتھ اس کا ساتھ دیا تھا۔جنوبی علاقوں کو زیر کرنے کے بعد شمال میں گنگا کے دوآب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی جہاں پرتی ہاروں کی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔پرتی ہاروں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔جب وہ ہندوستان کے وسطی علاقوں سے گزر رہا تھا تو چندیلوں یا کچھپ گھاٹوں نے بھی مزاحمت نہیں کی۔راشٹر کوٹ راجہ تو اس کی آمد کے خوف سے غاروں میں پناہ لینے پر ہی اپنی اور اپنی ریاست کی عافیت سمجھی۔اس طرح سومیشور اول کے عہد میں چالوکیہ ریاست کافی مضبوط ہو گئی تھی۔جس کے اثرات ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بھی محسوس کئے جانے لگے تھے۔

سومیشور اول نے کلیان (نظام کی ریاست میں موجودہ کلیانی) کے مقام پر ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔اسے بہترین عمارتوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے ایک خوش حال شہر بنایااور پھر اسے اپنی راجدھانی بنانے کا اعلان کیا۔اس نے 1042 سے 1068 تک حکومت کی۔1068 میں سخت بخار میں مبتلا ہوااور اس کی وفات ہو گئی۔سومیشور اول کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا سومیشور دوم جسے بھوؤ نیک مل بھی کہتے ہیں جو گداگ کے آس پاس کے علاقوں کا انتظام سنبھالتا تھا مغربی چالوکیہ ریاست کی گدی پر بیٹھا۔اس کی تخت نشینی بہت ہی پر امن طور ہوئی تھی۔لیکن اسے اپنے چھوٹے بھائی وکرمادتیہ ششم کی مخالفتوں کا مسلسل سامنا کرنا پڑا۔بالآخر 1076ء میں سومیشور دوم کو اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔وکرمادتیہ ششم (1076-1126ء) کو تری بھون مل بھی کہا جاتا تھا۔اسے مغربی چالکیوں کی تاریخ میں سب سے اہم حکمراں مانا جاتا ہے۔اور اس کے عہد حکومت کو چالوکیہ۔وکرما عہد بھی کہا جاتا ہے۔اسی کے عہد میں ہی وکرم سمپت کا آغاز ہوا تھا۔

اس کا دورِ حکمرانی بھی کافی طویل رہا ہے۔ اس نے کوکن کے راجا جے کشن اور دیگر جنوبی حکمرانوں پر اپنی بہادری کی دھاک بٹھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چول حکمراں راجاویر راجیندر صلح کرنے پر مجبور ہوا اور اپنی لڑکی کی شادی جے کشن سے کر دی۔ جنوب میں دریائے کاویری سے لے کر مرکزی ہندوستان میں دریائے نرمدا تک اس کی ریاست پھیلی ہوئی تھی۔ وکرمادت کا عہدِ حکومت علوم و فنون کے فروغ کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ سنسکرت کے نامور کشمیری مصنف بلہن کا وہ مربی تھا جس نے اس کی فوجی کارروائیوں کو "وکرم دیوچرت" کے ذریعہ لازوال بنادیا ہے۔ اس نے وگیانیشور کی بھی سرپرستی کی تھی جس نے ہندوؤں کے فیملی قوانین پر "مِتاکشرا(*Mitakshra*)" جیسی شہرۂ آفاق کتاب لکھی۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں وکرمادتیہ کو اپنے چھوٹے بھائی جے سنگھ کی بغاوت کا سامنا کرا پڑا جسے اس نے بنواسی صوبے کا حاکم بنایا تھا۔ جے سنگھ کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی ریشہ دوانیاں ناکام ہو گئیں۔ اس کے علاوہ اس نے چول راجا اور ہوئیسلا راجا وشنو وردھن کے حملوں کو بھی ناکام بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ 1126ء میں اس کی وفات ہو گئی اور اس کا بیٹا سومیشور سوم مغربی چالوکیہ کی گدی پر بیٹھا۔ راجا بننے کے بعد اسے ہوئیسلا حکمراں وشنو وردھن کے حملے کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس نے نہایت بہادری سے اس کے حملے کو ناکام کر دیا۔ اسے وینگی کے چالکیوں کی مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وہ اپنے باپ سے وراثت میں ملی ریاست کو بچانے میں کامیاب رہا۔ اس نے "تری بھُون مل" اور "بھولوک مل" کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سنسکرت کا بہترین عالم تھا ایک عمدہ کتاب "مان سو لاس" تحریر کیا ہے جس میں کئی اہم موضوعات شامل ہیں۔ سومیشور سوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جگ دَیک مل (1138-1151ء) تختِ شاہی پر متمکن ہوا۔ وہ ایک قابل ذکر شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے ہوئیسلوں اور پرماروں کے حملوں کا منہ توڑ جواب دیا اور ان کے کچھ علاقے بھی چھین لیے۔ جگ دیک مل ایک پڑھا لکھا قابل حکمراں تھا۔ اسے موسیقی سے کافی لگاؤ تھا اس نے سنسکرت زبان میں موسیقی کی ایک کتاب "سنگیت چد منی" تحریر کیا ہے۔

جگ دیک مل کے بعد تَیلپ سوم مغربی چالوکیہ کی راج گدی پر بیٹھا۔ اس کے دور سے ہی چالوکیہ ریاست کا زوال شروع ہوا۔ کاکتیہ خاندان کے حکمراں پرولا دوم (Prola–II) نے جنگ میں اسے شکست دے کر اسے قید کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالوکیہ حکومت کے دیگر باج گزار جاگیر داران کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہوئسلوں نے بھی اس کے علاقوں پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ بالآخر وجّل دوم کلاچوری نے چالوکیہ ریاست کو اپنی باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے کافی نقصان پہنچایا اور 1157ء میں کلیانی پر قابض ہو گیا۔ تَیلپ سوم جان بچا کر انّی گیری (ضلع دھارواڑ) کی طرف کوچ کر گیا۔ آخر کار ویر نرسمہا ہوئیسلا کے ہاتھوں 1202ء میں مار دیا گیا۔ جگ دَیک مل سوم (1183-1203ء) تیلپ سوم کا جانشیں بنا۔ اس کے عہد میں چالوکیہ ریاست برائے نام ہی باقی تھی۔ جنوبی کلاچوری قائد وجّل دوم نے کلیانی پر قبضہ کر کے چالوکیہ ریاست کو کھوکھلا کر دیا۔ جس کے بعد وہ دوبارہ ابھر نہ سکے۔ سومیشور چہارم (1184تا1200ء) مغربی چالوکیہ حکومت کا آخری حکمراں تھا۔ اس نے اپنے آبائی علاقوں کا ایک حصہ دوبارہ حاصل کرنے کی کامیاب کوشش کی لیکن اسے زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس نے انّی گیری (ضلع دھارواڑ) کو اپنی راجدھانی بنا کر 1189ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد کے حالات کا علم نہیں۔ مورخین کا قیاس ہے کہ دیوگیری کے یادوؤں اور دوار سمدر کے ہوئیسلوں کے خلاف دو محاذوں پر اپنی باقی ماندہ ریاست کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔

11.6 وینگی کے چالو کیہ (The Chalukyas of Vengi)

مشرقی چالو کیہ جنوبی ہند کے وہ حکمراں تھے جنہوں نے موجودہ آندھرا پردیش کے زرخیز اور فوجی اہمیت کے حامل علاقہ کو اپنی حکمرانی کے لیے منتخب کیا اور "وینگی کو اپنی راجدھانی بنایا۔ انہیں وینگی کے حکمراں یا مشرقی چالو کیہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ساتویں صدی عیسوی سے لے کر 1130ء تک جنوبی ہندوستان کے آندھرا پردیش اور اس کے قرب جوار کے علاقوں پر حکومت کی۔ 1130ء سے 1189ء تک یہ ریاست چولا حکمرانوں کے زیرِ تسلط ان کی باج گزار ریاست کے بطور برقرار رہی۔ بعد ازآں ہوئیسلوں اور یادوؤں نے اس علاقہ کو تاخت و تاراج کیا اور اس پر قابض ہوگئے۔ مشرقی چالکیوں نے جنوب پر تقریباً پانچ سو سالوں تک حکومت کی۔ جس میں مختلف نشیب وفراز آئے۔ انتہائی زرخیز اور فوجی اہمیت کے حامل علاقوں پر قبضہ نے دکن کی سیاسی، سماجی اور معاشی تاریخ میں اس خاندان کو کافی اہمیت حاصل ہوئی۔ اگرچہ مشرقی چالو کیہ بادامی کے چالکیوں کے ہم نسل اور خاندانی قرابت دار تھے تاہم وینگی کے علاقوں پر کنٹرول کو لے کر ان میں آپسی معرکہ آرائی اور چپقلش بھی جاری رہی۔ وینگی کا علاقہ مغربی چالکیوں اور چولوں کے بیچ بھی مخاصمت کا باعث رہا تھا۔

وینگی کی چالو کیہ ریاست کے قیام کا واقعہ یہ ہے کہ بادامی کے چالو کیہ حکمراں پلا کیشن دوم (608-644ء) نے ابتدائی کامیابیوں سے حوصلہ پاکر اپنی فتوحات کا سلسلہ جنوب کے مشرقی علاقوں کی طرف بڑھایا۔ کلنگ کا راجا اس کی آمد کی خبر سن کر خوفزدہ ہوگیا۔ اور پشٹ پور (موجودہ پٹھاپورم) کا قلعہ اسے بنا مقابلے کے حاصل ہوگیا۔ جب اس کی ریاست کی حدود غیر معمولی طور پر بڑھ گئیں تو مشرقی علاقوں کا انتظام اپنے بھائی "کُبج وشنوور دھن وِشَم سدّھی" کے سپرد کیا اور اسے ان علاقوں میں اپنا نائب مقرر کیا۔ وشنوور دھن نے اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں فتوحات کے ذریعہ کچھ مزید اضافہ کیا۔ پلا کیشن دوم کی وفات کے بعد اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور وینگی کو اپنی راجدھانی بنایا۔ بعد ازآں وینگی کے مشرقی چالکیوں کی کئی نسلوں نے اس علاقہ پر نویں صدی عیسوی کے وسط تک حکومت کی۔ مشرقی چالکیوں کی نسل میں کئی اولوالعزم اور حوصلہ مند حکمراں ہوئے جو اپنی فوجی صلاحیت کے لیے مشہور تھے۔ جن میں وجے آدتیہ دوم، (تقریباً 799تا843ء) وجے آدتیہ سوم (844تا888ء) قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے مخالف راشٹر کوٹوں، گنگوں، اور دیگر ہم عصر طاقتوں کے خلاف کامیاب جنگوں میں فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کے مفتوحہ علاقوں میں گجرات بھی شامل تھا۔ وجے آدتیہ سوم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے پلووں اور پانڈیوں کو شکست دیا تھا اور ایک چولا راجا کو پناہ بھی دیا تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس نے گنگوں راشٹر کوٹوں اور کلاچوریوں اور جنوب کے کھوسلوں پر بھی فتح پائی تھی۔

ان کے علاوہ مشرقی چالو کیہ ریاست میں کئی اور حکمراں گزرے ہیں لیکن ان کا دور بہت مختصر رہا ہے۔ اوپیندر سنگھ نے لکھا ہے کہ "کچھ حکمراں تو محض چند مہینوں یا چند دنوں کے لیے ہی تخت پر بیٹھے تھے۔"، مشرقی چالکیا خاندان میں مندرجہ ذیل حکمراں گزرے ہیں۔ وشنو وردھن (624تا 641ء) جے سمہاجے سنگھ (641تا671ء) اندر بھترکا (673ء) وشنو وردھن دوم (673تا 682ء) منگی یوراج (682تا706ء) جے سنگھ دوم (706تا718ء) وشنو وردھن سوم (719تا 755ء) وجے آدتیہ اول (755تا772ء) وشنو

وردھن چہارم (772تا808ء)وجے آدتیہ دوم (808تا847ء)وشنووردھن پنجم(847تا849ء) وجے آدتیہ سوم (848تا 892ء)بھیم اول (892تا 921ء)وجے آدتیہ چہارم (921)امّا اول، وجے آدتیہ پنجم (921تا927ء)وکرم آدتیہ دوم (927تا928ء)یودامل928تا935ء)چالوکیہ بھیم (935تا947ء)امّا دوم (947تا 970ء)دنمیا(970تا 973ء)جٹ چوڑا بھیم(973تا1000ء)شکتی ورمن اول(1000تا1011ء)ومل آدتیہ(1011تا1018ء)راجاراج نریندر(1018تا1061ء) شکتی ورمن دوم(1061تا1063ء)اور وجے آدتیہ ہفتم(1063تا1068تااور1072تا1075ء۔وجے آدتیہ ہفتم مشرقی چالوکیہ حکومت کاآخری حکمراں تھا۔آپسی خانہ جنگی کے باعث یہ ریاست کمزور ہو گئی۔1073ء میں دہلا کے چھیدی راجالیس کرن دیو نے وینگی پر حملہ کر دیا۔وجے آدتیہ ہفتم کو اپنی راج گدی چھوڑنی پڑی۔1075ء میں اس کی وفات کے ساتھ مشرقی چالوکیہ ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

11.7 مذہب (Religion)

بادامی کے اکثر چالوکیہ حکمراں برہمن مت کے سچے دل سے عقیدت مند تھے۔ برہمنوں کا احترام کرتے تھے۔ لیکن دیگر مذاہب کے ساتھ بھی ان کے خوشگوار تعلقات تھے۔ وہ مذہبی رواداری کے اہم اصولوں کے بھی پابند تھے۔چالوکیہ حکمرانوں کے دور میں جنوبی ہندوستان(دکن) میں جین مت خوب پروان چڑھا تھا۔ایہول کتبے کے جین مصنف روی کیرتی جس نے جینیندر کا جین مندر بھی تعمیر کروایا تھا کہتا ہے کہ اس نے چالوکیہ حکمراں پُلکسین دوم سے بلند ترین اعزاز واکرام حاصل کیے تھے۔وجے آدتیہ اور وکرمادِتیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے متعدد مشہور جین عالموں کو کئی گاؤں جاگیر میں عطا کیے تھے۔اس عہد میں جنوبی ہند میں موجود بدھ خانقاہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ بدھ مذہب کے ماننے والے بھی اس ریاست میں موجود تھے۔یہ اور بات ہے کہ ان کی تعداد کم تھی۔ مشہور چینی سیاح یوان چوانگ لکھتا ہے کہ ''وہاں پر سو سے زائد بدھ خانقاہیں موجود ہیں۔بدھ مذہب کے ماننے والوں کی تعداد جن میں دونوں فرقوں (ہنایان اور مہایان) کے ماننے والے شامل تھے تقریباً پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔راجدھانی کے اندر اور باہر اشوک کے تعمیر کردہ پانچ تپؑ (استوپ) بھی موجود ہیں''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالوکیہ ریاست اور اس کے حکمراں برہمن مت کے عقیدت مند ہونے کے باوجود مذہبی رواداری کے سچے پاسدار تھے۔ لیکن برہمن مت اور پرانوں کے تینوں اہم دیوتا برہما، وشنو اور شیوا بھر کر مزید نمایاں ہو گئے تھے۔جن کی شان میں ''واتاپی''(بادامی) اور پٹّدَکل(بیجاپور) میں شاندار عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں ۔یگیہ اور دیگر مذہبی رسمیں اپنی تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ انجام دی جاتی تھیں ۔ اشومیدھ یگیہ،واجپیہ،اور راجسویہ یگیہ کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

11.8 تعمیری سرگرمیاں (Building Activities)

چالوکیہ حکمراں فنِ تعمیر کے سرپرست تھے۔انہوں نے بہت سے غاری مندر تعمیر کروائے جن پر مذہبی اور سیکولر دونوں طرز کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔وہ ان مندروں میں خوبصورت روغنی تصویریں بھی بنواتے تھے۔چالکیوں کے بنوائے مندر ''وسارا''کا بہترین نمونہ ہیں۔اس طرزِ تعمیر کو دکنی طرزِ تعمیر،'کرناٹکا اور دراوڑی' چالوکیہ طرزِ تعمیر بھی کہا جاتا ہے۔اس طرزِ تعمیر میں دراوڑی اور ناگری طرزِ تعمیر کی

خوبصورت آمیزش نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنی ریاست میں مختلف مقامات پر شاندار مندر بنوائے ہیں ۔ جن میں ایہول مندر، لاڑھ خان مندر (سوریہ مندر)، درگا مندر، ہچی مالیگڑی مندر قابل ذکر ہیں ۔ انہوں نے برہمن مت کے تینوں اہم دیوتا (برہما، وشنو، اور شیو) کے اعزاز میں نہایت شاندار اور اعلیٰ درجے کی عمارتیں بنوائیں۔ بادامی اور بیجاپور کے مندر ان کی تعمیری سرگرمیوں اور فنی مہارتوں اور دستکاریوں کا عمدہ اور شاہکار نمونہ ہیں۔ بیجاپور (پٹّدکل) کے مندر کو یونیسکو نے اپنی عالمی میراث (World Heritage) میں شامل کیا ہے۔

یہاں پر تقریباً دس مندر ہیں جو مختلف طرزِ تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان مندروں میں سے چار نا گری طرز پر، چھ دراوڑی طرز پر بنائے گئے ہیں۔ ''ویروپکش''، ''سنگ میشور'' اور ''پاپ ناتھ'' جنوبی ہند کے شاندار مندر ہیں ان میں سے اولین دو مندر دراوڑی طرزِ تعمیر پر جب کہ تیسرا مندر نا گری طرز تعمیر پر بنایا گیا ہے۔ یہ مندر شاندار مزین کرسی پر بنائے گئے ہیں۔ جس کا نقشہ کئی اضلاع کے تاروں پر مشتمل ہے۔ ان کی چھت پر نیم گاؤدم مینار ہے۔ جس پر آرائش کے لیے ظرف نمادر (ولز) بنایا گیا ہے۔ چالوکیہ عہد میں تعمیر کیے گئے کئی ایسے مندر آج بھی موجود ہیں جنہیں ٹھوس چٹانوں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ منگلیش کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں چٹانوں کو تر شوا کر شاندار مندر تعمیر کروائے تھے جو فنِ تعمیر کے انتہائی شاندار نمونے ہیں۔ چالوکیہ حکمرانوں نے فنِ سنگ تراشی کے ساتھ فنِ مصوری کی بھی سرپرستی کی تھی۔ ان کی مصوری کے شاندار نمونے جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی لکھتے ہیں کہ ''اجنتا کے معروف و مشہور غاروں کی روغنی تصویریں شاید قدیم چالوکیہ راجاؤں کے دور کی ہی یادگاریں ہیں۔''

11.9 فوجی نظام (Military System)

چالکیوں کی فوجی تنظیم کافی عمدہ تھی۔ جس میں پیدل، گھوڑ سوار، ہاتھی سوار شامل تھے۔ ان کی فوج میں ایک بحری فوجی بیڑہ بھی شامل تھا۔ چینی سیاح ہیون سانگ لکھتا ہے کہ چالکیوں کی فوج میں سو کے قریب ہاتھی ہوتے تھے جنہیں جنگ سے پہلے شراب پلا کر بدمست کیا جاتا تھا۔ فوج کی دیکھ ریکھ اور انتظام کے لیے کئی طرح کے محصول لیے جاتے تھے۔ جنہیں ہیرجنکا (Herjunka) کری کولا (Kirukula) بلکوڈے (Bilkode) اور پنّیا (Pannaya) کہا جاتا تھا۔

11.10 انتظامِ حکومت (Administrative System)

چالوکیہ ریاست کو کئی صوبوں میں بانٹا گیا تھا۔ ہر ایک صوبے کو منڈل میں اور ہر منڈل کو ضلع (Vishaya) میں بانٹا گیا تھا۔ ہر ضلع بھوگ میں بٹا تھا۔ (بھوگ دس گاؤوں کے مجموعے کو کہا جاتا تھا۔) کچھ لوحی شہادتوں میں دس گاؤوں کی ایک اکائی کا ذکر ملتا ہے۔ مقامی مقدمات کا فیصلہ مقامی اسمبلیوں میں کیا جاتا تھا۔ پڑھے لکھے برہمنوں کے گروپ کو مہاجن کہا جاتا تھا۔ جس مین پڑھے لکھے برہمن شامل ہوتے تھے۔ ان کی ذمے داری اگرہار اور گھٹک کی دیکھ بھال ہوتی تھی۔

11.11 سفارتی تعلقات (Diplomatic Relations)

چالکیوں نے محض اپنی جنگی چالوں اور انتظامی حکمتِ عملی سے ہی دشمنوں پر قابو نہیں پایا۔ بلکہ ریاست کے استحکام اور اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لیے بیرونی ممالک سے سفارتی تعلقات بھی قائم کیے۔ نظام سفارت ان کی تہذیبی سرگرمی کا ایک اہم جز تھا۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی نے ایک مشہور عرب مورخ طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''پلاکیشن دوم نے ایران یا فارس کے بادشاہ خسرو دوم سے دوستانہ تعلقات قائم کیے تھے۔'' سن 625ء میں اس نے خسرو کے دربار میں خطوط اور تحفے تحائف کے ساتھ ایک سفارت بھیجی تھی۔ جس کے جواب میں خسرو نے بھی ایک سفارت چالوکیہ دربار میں بھیجی تھی۔ سنگتراشی اور فنِ مصوری کے ماہر دانشوروں کا ماننا ہے کہ اجنتا کے غار کی ایک تصویر میں اسی فارسی سفارت کے استقبال کی منظر کشی کی گئی ہے۔ پلاکیشن دوم کے عہدِ حکومت کے دوران غالباً 641ء میں نامور چینی سیاح یوانگ چوانگ ''موھولاچھا' یعنی مہاراشٹر اپہنچا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زمین زرخیز ہے۔ اس پر پابندی سے کھیتی کی جاتی ہے۔ پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندے انتہائی غیور، خوددار اور بہادر ہیں۔ اگر کوئی ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو اس کا احسان مانتے ہیں۔ اور اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا بدلہ ضرور لیتے ہیں۔ اس کے جو سورما فوج کی پہلی صف میں ہوتے ہیں وہ شراب پی کر جنگ کرتے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے ہاتھیوں کو بھی شراب پلاتے ہیں۔ اس دیش کا راجا پولوُکے شی (پلاکیشن) ہے۔ یوان چوآنگ اور بھی دیگر تفصیلات پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالوکیہ ریاست میں سفارتی تعلقات استوار کرنے پر بھی خاص دھیان دیا جاتا تھا۔ جو ان حکمرانوں کی سیاسی، ثقافتی تعلقات کی عمدہ مثال ہے۔ بیرون ممالک سے تعلقات استوار کرنے کی خاطر وزرائے خارجہ مقرر کیے جاتے تھے۔ جے سنگھ دوم کے عہد میں کنڑ زبان وادب کا ماہر دانشور درگا سنگھ وزیر خارجہ تھا۔

11.12 سکے (Coins)

بادامی کے چالکیوں نے اپنے دور اقتدار میں ایسے سکے چلائے جن پر ناگری اور کنڑ کی عظیم شخصیات کی تصویریں کندہ تھیں۔ ان کے جاری کیے گئے سکوں پر کسی مندر، ہوتی شیر، سوریا کمل کی شبیہہ کندہ ہوتی تھی۔ ان سکوں کو قدیم کنڑ میں ''ہن (Honnu) '' کہا جاتا تھا۔ ان کا وزن تقریباً چار گرام ہوتا تھا۔ سونے کے ایک سکے ''گاڈین'' کا ذکر پٹّد کل کے دستاویزوں میں آیا ہے۔ جسے بعد میں ''ورہ'' کہا گیا تھا۔ بعد میں یہ ان کا قومی نشان بن گیا۔

11.13 زبان وادب کی سرپرستی (Patronage of Language and Literature)

چالوکیہ خاندان کے اکثر حکمرانوں نے اپنے اپنے دور اقتدار میں مختلف زبانوں، ادب اور ثقافت کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ مشرقی چالکیوں نے اپنے زیر تسلط وینگی اور آس پاس کے علاقوں میں کنڑ زبان وادب کو فروغ دیا۔ ان کے بعد کے دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ تیلگو زبان وادب کی طرف مائل ہونے لگے تھے کیوں کہ تیلگو زبان کے کئی اہم محاورے کنڑ رسم الخط میں تحریر کیے جانے لگے تھے۔ مغربی چالکیوں نے بھی کنڑ زبان کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے کنڑ کو اپنی سرکاری زبان بنایا جسے بعد میں

راشٹر کوٹوں نے بھی جاری رکھا تھا۔

11.14 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے جانا کہ چالکیوں کا عہدِ حکمرانی جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عہد کرناٹک کی تاریخ میں ''سنہرے دور'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چالوکیہ حکومت کے قیام کے بعد ہی جنوبی ہند میں چھوٹے چھوٹے راج شاہی گھرانوں کی جگہ ایک بڑی اور عظیم ریاست کا تصور پیدا ہوا جس نے تاریخ کے دھارے کو ہی موڑ دیا۔ پہلی بار دریائے کاویری سے نربدا تک کا پورا علاقہ کسی ایک حکمراں کے ماتحت آیا تھا۔ اس طرز کی سلطنت کے ظہور سے ایک نئی، مضبوط اور مستحکم انتظامی ڈھانچہ وجود میں آیا۔ بیرونِ ممالک سے سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ تجارت و معیشت کو فروغ ملا۔ ایک نئے طرز تعمیر کا آغاز ہوا جسے چالوکیہ طرزِ تعمیر کا نام دیا گیا۔ ایک طرف مغربی چالوکیہ ریاست میں کنڑ زبان وادب کو فروغ حاصل ہوا۔ تو دوسری طرف مشرقی چالوکیہ ریاست میں تیلگو زبان وادب کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا۔

11.15 کلیدی الفاظ (Keywords)

دکشنا پتھ	:	دکشن کا جغرافیائی تصور جسے آج کل دکن کہا جاتا ہے۔ قدیم عہد میں دریائے نرمدا سے جنوب کا علاقہ۔
آشومیدھ یگیہ	:	وہ قربانی جسے ایک ایسا خود مختار راجہ ادا کرتا تھا جس کا حکم آس پاس کے راجہ مانتے ہوں۔
وکرمادیوچرت	:	وکرم آدتیہ پنجم کی سیرت جسے سنسکرت کے عظیم کشمیری پنڈت بلہن نے تصنیف کیا تھا
وِشَیا	:	ضلع، کسی صوبے کی اہم انتظامی اکائی
اگرہار	:	وہ زمین جو کسی برہمن کو عطا کی جاتی تھی۔ یہ زمین ہر طرح کے محصول اور ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوتی تھی۔

11.16 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.16.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. دکن کا قدیم نام کیا ہے؟
2. واتاپی یا بادامی کس ریاست میں واقع ہے؟
3. مورخین نے چالوکیہ ریاست کو کتنے زمروں میں بانٹا ہے؟
4. مشرقی چالوکیہ حکومت کی راجدھانی کہاں پر واقع ہے؟
5. وکرم دیوچرت کا مصنف کون ہے؟
6. مغربی چالکیوں کی راجدھانی کہاں پر واقع ہے؟
7. کس چالوکیہ حکمراں نے سب سے پہلے آشومیدھ یگیہ کیا تھا؟

8. چالوکیہ حکومت کا بانی کون ہے؟

9. کلیانی کی چالوکیہ ریاست کا بانی کون تھا؟

10. کلیانی کے چالکیوں کا آخری حکمراں کون تھا؟

11.16.02 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. چالوکیہ ریاست کا قیام کب اور کیسے ہوا؟ وضاحت کریں۔
2. چالوکیہ ریاست کے قیام میں پُلکشن اول کے کردار پر روشنی ڈالیں۔
3. مغربی چالوکیہ ریاست کے قیام میں تَیلپ اول نے کیا رول ادا کیا تھا؟ بیان کریں۔
4. چالکیوں کی مذہبی عقیدت مندی پر اظہارِ خیال کریں۔
5. چالکیوں کی تعمیری سرگرمیوں کا مختصر جائزہ پیش کریں۔

11.16.03 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. واتاپی کی چالوکیہ حکومت کے ابتدائی حالات بیان کیجیے۔
2. کلیانی کی چالوکیہ ریاست کے قیام اور استحکام کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3. وینگی کی چالوکیہ ریاست پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

11.17 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Gurukkal, Rajan, *Social Formations of Early South India*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Kanisetti, Anirudh, *Lords of the Deccan*: *Southern India from the Chalukyas to the Cholas*, 2022.
3. Sreekumar, P.K., *Society and Economy Under the Chalukyas of Vatapi, c. AD 500 – c. AD 800*, Dravidian University, Kuppam, 2009.
4. Suresh, K.M., *Sculptural Art of Chalukyas of Badami*, Kaveri Books, New Delhi, 2019.
5. Thapar, Romila, *The Penguin History of Early India from the Origins to AD 1300*, Penguin Books, New Delhi, 2002.
6. *The Kingdoms of the Indian Peninsula*: (*Cholas, Chalukyas and Pallavas*), *600 A.D. – 1336 A.D.*, 2007.
7. کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹناگر، جنوبی ہند کی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
8. رماشنکر ترپاٹھی، قدیم ہندوستان کی تاریخ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔

اکائی 12۔سیاست، معیشت، سماج، مذہب، اور فنون

(Polity, Economy, Society, Religion, and Art)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 جنوبی ہند میں فن تعمیر

12.2.1 پلوّ عہد کا فن تعمیر

12.2.2 چولا عہد کا فن تعمیر

12.2.3 گنگئی کونڈ چولا پورم کا مندر

12.2.4 پانڈیہ عہد کا فن تعمیر (گوپورم)

12.3 فن مصوری

12.4 دکن کا ادب

12.4.1 سنسکرت

12.4.2 تمل

12.4.3 کنڑ

12.4.4 تلگو

12.5 مذہب

12.6 اکتسابی نتائج

12.7 کلیدی الفاظ

12.8 نمونہ امتحانی سوالات

12.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید (Introduction)

جنوب اور تمل علاقے کے کچھ حصے میں ساتویں صدی سے دسویں صدی تک چٹانوں کو کھود کر مندر بنائے گئے۔ابتدائی مندر چٹانوں کو تراش کر بنائے گئے بدھ وہاروں کی نقل ہے۔متعدد عظیم الشان کندہ کی گئی تصاویر سے سجے ہوئے دھندلی روشنی والے ستونی محلات خوف اور وارفتگی میں ڈال دیتے ہیں۔چٹانی فن تعمیر کاآخری اظہار ایلورا، ایلیفنٹا اور مہابلی پورم میں دیکھا گیا۔مہابلی پورم کے پلو فن تعمیر میں ہمیں دراوڑ فن تعمیر ابتدائی حالت میں دکھائی دیتا ہے،اس لیے اس کا تفصیلی مطالعہ پلو فن تعمیر کے تحت علٰحدہ طور پر کیا جائے گا پہلے ایلورا اور ایلی فنٹا کے گفا مندروں کی تفصیل بیان کی جائے گی۔فن تعمیر کے علاوہ فن مصوری،نقاشی اور ادب میں بھی ترقی رونما ہوئی جس کا مہم اس اکائی میں کریں گے۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- مابعد گپت عہد میں کس طرح دکن اور جنوبی ہند میں دکن اور جنوبی ہندوستان کے تمدن کا نشو و نما ہوا؟ جان سکیں گے۔
- اس کے اظہار کے مختلف ذرائع کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- پلو، چالوکیہ اور چول عہد میں مختلف فنون اور فن تعمیر کے ارتقا کو سمجھ سکیں گے۔
- دراوڑ اسلوب اور طرز تعمیر کی مختلف خصوصیات کو جان سکیں گے۔

12.2 جنوبی ہند میں فن تعمیر (Architecture in South India)

ایلورا کے بودھ چٹانی وہاروں کی نقل کرتے ہوئے برہمنی مذہب کے پیروکاروں نے بھی مذہبی سرگرمیوں کی ضرورت کے مطابق ستونی محلات تراش کر بنوائے۔ایلورا میں یہ چٹانی مندر آدھے میل کے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔اس طرح کے مندروں کی اہم مثالیں ہیں۔

i. راون کی کھائی

ii. رامیشور

iii. دس اوتار

iv. کیلاش مندر

دس اوتار مندر: دس اوتار مندر پہلے کی بدھ خانقاہوں کی طرح ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ستونی برآمدہ اور گربھ گرہ ہے۔یہ مندر دو منزلہ ہے، جس میں اوپر کی منزل کی لمبائی 105 فٹ اور چوڑائی 95 فٹ ہے جب کہ ہموار چھت 44 ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ انترال کے سامنے والے دو ستونوں کے علاوہ سبھی ستون سادہ ہیں۔صرف انترال کے سامنے کے دو ستونوں پر نقاشی کی گئی ہے۔دیواروں پر

چاروں طرف ستونوں کے بیچ پُرانک ہندو دیوتاؤں کی ابھری ہوئی تصاویر ہیں، جن میں ایک طرف وشنو اور دوسری طرف شو سے منسلک تصاویر ہیں۔

راون کی کھائی: راون کی کھائی مستطیل ہے، جو 52 فٹ چوڑی اور 87 فٹ اندر کی طرف گہری ہے۔ اس پہاڑی گفا کے اندر ایک ستون والا منڈپ اور گربھ گرہ ہے، جب کہ گربھ گرہ کے چاروں طرف پردکشنا پتھ ہے۔ ستونوں کے سرے منگل گھاٹ کی شکل کے ہیں۔ یہاں کی دیوار کے ستونوں پر پروشنو اور اور شو دیوتا کی ابھری ہوئی مورتیاں کندہ کی گئی ہیں۔

رامیشور مندر: رامیشور مندر بھی راون کی کھائی کی طرح ہے اس میں بھی پردکشنا پتھ ہے، لیکن اس کے ستونوں کی لاٹ نالی دار ہے اور اوپری حصہ مسند کی قسم کا ہے۔

کیلاش مندر: پہاڑی چٹانوں کو تراش کر عمارت بنانے کے فن کا اعلیٰ نمونہ ایلورا کے کیلاش مندر میں ملتا ہے۔ اس مندر کے بنانے والوں نے قدیم روایتوں کو درکنار کرتے ہوئے چٹان کو تراش کر خود مختار مندر بنایا۔ اس مندر کا طرز تعمیر پٹڈ کل کے چالوکیہ عہد میں بنے ویروپاکش مندر کی طرح ہے، لیکن یہ اس سے دو گنا بڑا ہے۔ یہ مندر دراوڑ طرز کے منظم سلسلہ وار ارتقا کا واضح نمونہ ہے۔ یہ مندر راشٹر کوٹ راجا کرشنا اول نے بنوایا تھا۔ اس کے پاس مختلف فتوحات سے جمع کی ہوئی کثیر دولت تھی، ساتھ ہی اس میں بے پناہ مذہبی جوش و خروش تھا۔ ان وجوہات سے مندر کی تعمیر ممکن ہو سکی۔ التیکر (Altekar) کا ماننا ہے کیلاش ناتھ مندر کی تعمیر پلووں کی راجدھانی کانچی سے بلائے گئے کاریگروں نے کیا۔ کیلاش مندر کی خاصیت یہ ہے کہ اسے بنانے کے لیے چٹان کو نچلی سطح کی طرف سے کھودا ہی نہیں گیا، بلکہ کاریگروں نے چٹان کو اوپری حصے سے تراشنا شروع کیا۔ اس طرح اوپر سے نیچے کی طرف تراش کر مندر کے سبھی اجزا بنائے گئے۔

کیلاش مندر، ایلورا (وکیپیڈیا)

کیلاش مندر کا ومان ایک مساوی مربع کی کی شکل میں بنا ہے۔ 150 فٹ لمبا اور 100 فٹ چوڑا یہ ومان 25 فٹ اونچے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ چبوترے کے اوپر اور نیچے کا حصہ کافی ڈھلا ہوا ہے۔ درمیانی حصوں کے بغل کے دونوں حصوں کے بیچ میں چتر اولری یا پٹی ہے جس

میں ہاتھی اور شیروں کی خوب ابھری ہوئی تصویریں تراشی گئی ہیں۔ یہ ہاتھی اور شیر بھی وہاں پر چڑھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مندر کے برآمدے تک پہنچنے کے لیے نیچے سے سیڑھیاں دی گئی ہیں۔ منڈپ، انترال اور گربھ گرہ دوسرے مندروں کی طرح ہی ہے اور گربھ گرہ کا شکھر 25 فٹ اونچا ہے۔ مندر کا شکھر مثلث کی شکل کا ہے جب کہ وہاں کے چاروں طرف پانچ چھوٹے چھوٹے مندر ہیں۔ مندر کی مرکزی عمارت کے بعد نندی مندر بنوایا گیا، جس کے دونوں طرف 51 فٹ اونچے دو جھنڈے والے ستون ہیں جن پر ترشول قائم کیے گئے ہیں۔ دونوں ستون دراوڑ طرز کے ہیں۔ ستونوں کی بنیاد چہار پہلو یا مختلف الجہات ہے۔ اس کے اوپر ہشت پہلو لاٹ ہے۔ لاٹ کے اوپری حصے پر مسند کی شکل کا سرا ہے۔ نندی مندر کے آگے داخلہ کا دروازہ ہے، جب کہ احاطے کے اندر چاروں طرف ستونوں والا برآمدہ ہے۔ کچھ ستونوں کے راس منگل گھاٹ شکل کے ہیں۔ مندر کے مختلف حصے اس حسن و خوبی سے سے بنائے گئے ہیں کہ وہ ایک ہی عمارت کے کے غیر منقسم اجزا دکھائی دیتے ہیں۔ کیلاش مندر کے مختلف حصوں میں میں کندہ کی گئی مورتیوں سے بھی کیلاش کی شکل کو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیلاش مندر دنیا میں چٹانی سنگتراشی کا عظیم اور بے مثال نمونہ ہے۔ سارا مندر کندہ کاری سے مزین ہے۔

ایلیفنٹا : ممکن ہے کہ راشٹر کوٹ دور میں ہی ایلی فنٹا کی کچھ گفاؤں اور ان کی تعمیری تخلیقات وجود میں آئی ہوں۔ ایلیفینٹا کے گفا مندر اس فن تعمیر کی آخری حصولیابی ہیں، جس میں مجسمہ سازی فن تعمیر کا ہی حصہ ہوتی ہے۔ یہ گفا محل ایک ستونوں والا منڈپ ہے۔ ستونوں کی 6 قطاریں گفا کی چھت کو سہارا دیے ہوئے ہیں۔ گربھ گرہ مندر کے اگلے حصے سے لگا ہوا پردکشنا پتھ نہیں ہے۔ مندر کے ستون دراوڑ طرز کے ہیں جب کہ بنیادیں مربع شکل کی ہیں۔ اوپری حصہ مسند کی شکل کا ہے۔ یہ عظیم مندر تراشی ہوئی عظیم الشان مورتیوں کے لیے مشہور ہے، جس میں تری مورتی سب سے زیادہ متاثر کن ہے۔ اس کے بعد شو پاروتی کی شادی اور نٹراج کی مورتیوں کا مقام ہے۔

12.2.1 پلوّعہد کا فن تعمیر (Pallava Architecture)

جنوب بعید کے تمل علاقے میں میں جسے عہد قدیم میں دراوڑ دیش کہا جاتا تھا، پلو بادشاہوں کے عہد حکومت میں دراوڑ طرز تعمیر کی بنیاد رکھی گئی۔ پلو بادشاہوں کا عہد حکومت چھٹی سے دسویں صدی عیسوی تک تھا۔ پلو فن تعمیر کی مثالیں پلوؤں کی راجدھانی کانچی پور اور مہابلی پورم میں پائی جاتی ہیں، جب کہ کچھ نمونے تنجاور علاقے اور پڈو کوٹائی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پلو کاریگروں نے فن تعمیر کو آہستہ آہستہ فن نجاری (Carpentry) اور گفائی فن تعمیر (Cave Architecture) کے اثر سے آزاد کرانا شروع کر دیا تھا۔ اس عہد کی ابتدائی تخلیقات میں انہیں طریقوں کا سہارا لیا گیا، جنہیں بڑھئیوں اور غار کے معماروں نے اپنایا تھا، لیکن بتدریج ان طریقوں کو چھوڑا جانے لگا۔ پلو عہد کے فن تعمیر کو چار اہم طرزوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ طرز تعمیر بنیادی طور پر پلو بادشاہوں کے نام سے منسوب ہیں۔

مہندرورمن طرز تعمیر: اس طرز تعمیر کا ارتقا 600 سے 640 عیسوی کے درمیان ہوا۔ اس طرز تعمیر کے مندروں کو منڈپ مندر کہا گیا ہے۔ ان میں ایک ستونی برآمدہ اور اندر کی طرف کھود کر بنائے ہوئے ایک یا دو کمرے ہوتے ہیں۔

مامل طرز تعمیر: اس طرز تعمیر کا ارتقا پلو راجا نر سنگھ ورمن کے عہد میں ہوا۔ انہوں نے مامل کا لقب اختیار کیا تھا، اس لیے اسے مامل طرز تعمیر کہتے

ہیں۔اس طرز تعمیر کا اہم مرکز مامل پورم (مہابلی پورم) شہر تھا، جس کو نرسنگھ ورمن مامل نے قائم کیا تھا۔مامل طرز تعمیر کے تحت دو طرح کے مندر آتے ہیں، 1۔منڈپ 2۔رتھ۔

1۔ منڈپ مندر مہندر ورمن کے عہد کے منڈپوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور مزین ہیں۔ان میں خاص طور پر قابل ذکر وراہ، ماہش اور پانچ پانڈو منڈپ مندر ہیں۔یہ منڈپ مندر اپنے فن تعمیر کے لیے مشہور ہیں۔

2۔ دوسری قسم میں رتھ مندر آتے ہیں، جو واحد حجری ہیں۔ان مندروں کی خاصیت ان کے ستون ہیں، جو کہ پتھر کے شیروں کے اوپر واقع ہیں۔ستون کی لاٹ نالی دار ہے اور اوپری سرا منگل گھٹ شکل کا ہے۔واحد حجری رتھ عظیم چٹانوں کے ٹکڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے، اور لکڑی کے رتھوں کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔ان کا فن تعمیر منڈپوں جیسا ہی ہے۔

مامل طرز تعمیر، دھرم راج رتھ، مہابلی پورم (وکیپیڈیا)

مامل طرز تعمیر کے رتھ مندر ہفت پگوڈا کے نام سے مشہور ہیں۔یہ تعداد میں آٹھ ہیں جیسے دروپدی رتھ، ارجن رتھ، بھیم رتھ، دھرم راج رتھ، سہدیو رتھ وغیرہ۔ان رتھوں کا ارتقا بدھ وہار اور چیتیوں سے ہوا ہے۔ان میں سے دروپدی رتھ ایک الگ طرز کا ہے۔اس کی چھت کی شکل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لائق، دیورتھ کی نقل ہے۔وہاروں سے ترقی یافتہ مندروں میں دھرم راج رتھ قابل ذکر ہے۔یہ مندر دو حصوں میں ہے، جس میں نیچے کا حصہ ایک مربع ٹکڑا ہے اور اس سے لگا ہوا ایک ستونی برامدہ ہے، جب کہ اوپری حصہ اہرام نما شکھر ہے۔بھیم رتھ، گنیش رتھ اور سہدیو رتھ چیتیہ عمارتوں پر مبنی ہیں۔یہ مستطیل ہیں اور ان کی چھت مخروطی (ڈھلان دار) ہے، جب کہ آخر میں مثلث جھروکہ ہے۔انہیں مستطیل عمارتی حصوں کے مخروطی چھت والے شکھروں اور مثلث جھروکوں کے ڈھانچے پر بعد کے گوپورم کی تعمیر ہوئی۔یہ حیرانی کی بات ہے کہ ان چٹانوں پر تعمیر رتھ ادھوری حالت میں ہیں۔نرسنگھ ورمن مامل کی سلطنت کے خاتمے کے ساتھ ہی اس طرز تعمیر کا اختتام ہو گیا۔اس کی جگہ پر پتھر کے ٹکڑوں کی مدد سے بنائے گئے آزادانہ تعمیر شدہ مندروں کا رواج ہوا۔

راج سنگھ طرز تعمیر : پلوراجاراج سنگھ کے عہد حکومت میں ان آزاد مندروں کی تعمیر کا ارتقا ہوا،اس لیے اس اسلوب کو راج سنگھ طرز تعمیر کہا گیا ہے۔مامل پور میں ساحل سمندر پر واقع ساحلی مندر،اور کانچی کا کیلاش مندر اور ویکنٹھ پیرومل مندر اس طرز تعمیر کی بنیادی مثالیں ہیں۔ساحلی مندر کا محل وقوع غیر معمولی ہے۔مندر کا گربھ گرہ سمندر کی طرف ہے،جب کہ منڈپ،اردھ منڈپ اور آنگن مغرب کی طرف ہیں۔ساتھ ہی مغرب کی طرف دو دیوائتن (دیوتاؤں کی رہائش گاہ) جوڑے گئے ہیں، جن میں سے ایک مندر کا چھوٹا شکھر ہے۔مندر کی بنیادی عمارتیں سابقہ دھرم راج رتھ مندر سے ترقی یافتہ دکھائی دیتی ہیں۔نیچے کی منزل مربع ہے اور اوپر کا شکھر اہرام نما ہے، جس کے اوپر کے حصے نیچے کے حصے سے تدریجاً چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔مندر کے مختلف حصوں میں خوبصورت تناسب ہے۔

اسی طرز تعمیر کا کہیں زیادہ ترقی یافتہ نمونہ کانچی کا کیلاش ناتھ مندر ہے۔اس کا اہم حصہ گربھ گرہ ہے جس پر مثلث شکل کا شکھر ہے۔اس کے کچھ آگے علاحدہ طور سے بنا ہوا سبھا منڈپ ہے۔کچھ صدیوں کے بعد ان دونوں عمارتوں کو جوڑنے کے لیے درمیان میں انترال بنا دیا گیا۔یہ عمارت ایک مستطیل برآمدے میں ہے جس کے چاروں طرف اونچی دیوار ہے۔پلو فن تعمیر کی تمام خصوصیات، جیسے حجری شیروں پر بنے مضبوط ستون،اہرام نما شکھر اور چار دیواری کیلاش ناتھ مندر کو دلکشی عطا کرتی ہیں، لیکن مندر کا سب سے پُرکشش حصہ اس کا شکھر ہے۔ویکونٹھ پیرومل کے مندر میں پلو فن تعمیر کی انتہائی ترقی یافتہ صورت نظر آتی ہے۔اس مندر کا گربھ گرہ،انترال،منڈپ اور داخلہ کا دروازہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ وہ ایک ہی عمارت کے غیر منقسم اجزا دکھائی دیتے ہیں۔وہاں کا شکھر 60 فٹ اونچا ہے اور یہ چار حصوں میں بٹا ہوا ہے۔

نندی ورمن طرز تعمیر: پتھر کے ٹکڑوں سے بنے آزاد مندر طرز کا آخری مرحلہ اُن مندروں پر مشتمل ہے جو نندی ورمن اور اس کے جانشینوں کے دور میں تعمیر ہوئے تھے۔یہ مندر چھوٹے سائز کے ہیں اور صرف گزشتہ مندروں کی نقل ہیں۔طرز تعمیر میں کوئی نیاپن نہیں ہے، صرف ستون کے سروں کی ترقی ہوئی ہے۔اس طرز کے مندروں کی قابل ذکر مثالوں میں کانچی پور میں مکتیشور اور ماتنگیشور مندر،اور گڈیمللم کے پرشورامیشور مندر ہیں۔ان مندروں میں شان و شوکت کی کمی سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ بیرونی جارحیت (مغربی چالکیوں) کی وجہ سے پلو خاندان کی طاقت کمزور پڑ رہی تھی۔ان مندروں کی تعمیر دسویں صدی کے آخر تک ختم ہو گئی۔پلو فن تعمیر کی تاریخ میں بہت اہمیت ہے۔انہوں نے بودھ چیتیہ وہاروں سے وراثت میں ملنے والے فن کو ترقی دی اور ایک ایسے نئے انداز کو جنم دیا جو چولا اور پانڈیا ادوار کے دوران بام عروج کو پہنچا۔پلو فن کی خصوصیات جنوب مشرقی ایشیا تک بھی پہنچی۔یہاں کے کئی بڑے مندروں میں پلو فنکاری کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

12.2.2 چولا عہد کا فن تعمیر (Chola Architecture)

مندروں کی تعمیر کے جس دراوڑ طرز کا آغاز پلو دور میں ہوا تھا، چولا راجاؤں کے عہد میں اس میں سب سے زیادہ ترقی ہوئی۔چولا سلطنت 11ویں صدی کے پہلے نصف میں راج راج اول اور راجیندر چولا کے عہد حکومت میں اپنے عروج پر تھی۔چولا شہنشاہوں نے عظیم الشان اور شاندار مندروں کی تعمیر میں اپنی طاقت اور سطوت کا مظاہرہ کیا۔ایک مورخ کے مطابق چولا مندر-فنکاروں نے دیوتاؤں کی طرح

خواب دیکھااور ایک جوہری کے جیسے فن میں اس کااظہار کیا۔اس عہد کے فن تعمیر کی سب سے عمدہ مثال تنجاور کا برہدیشور مندر ہے، جوراج راج چولا نے تقریباً1000عیسوی میں بنوایا تھا۔ یہ ہندوستانی ماہرین فن تعمیر کے ذریعہ بنائے گئے سب سے بڑے مندروں میں سے ایک ہے۔ یہ مندر 180 فٹ لمباہے اور اس کا اہرام نما شکھر 196 فٹ اونچاہے۔اس سے مندر کی جسامت، وسعت اور اس کی تعمیر میں ہمت اور مہارت کا پتہ چلتاہے۔اس مندر کے چار حصے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ایک ہی محور (دھری) پر بنے ہیں۔ یہ حصے نندی منڈپ، اردھ منڈپ، منڈپ اور گربھ گرہ ہیں۔ پورا مندر ایک چار دیواری کے اندر بنایا گیاہے۔ مندر کا سب سے اہم حصہ گربھ گرہ اور شکھر (ومان) ہے۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیاہے۔

برہدیشور مندر، تنجاور
(وکیپیڈیا)

- **بنیاد**۔ یہ 42 مربع فٹ رقبے پر مشتمل ہے اور 50 فٹ اونچی ہے۔ اس بنیاد کو وسط میں بنے ہوئے کارنائس (Cornice) کے ذریعہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیاہے۔ان دونوں حصوں کی بیرونی شکل کئی طرح کے تعمیراتی زیب وزینت سے آراستہ ہے، جیسے شجر علم یامورتیاں
- **ومان یا شکھر کا مرکزی حصہ**۔یہ اوپر کی طرف سے جاتے ہوے پتلا ہوتا گیاہے۔ یہ اہرام نما حصہ 13 منزلوں میں بنایا گیاہے، جس میں اوپر کی منزلیں برابر چھوٹی ہوتی گئی ہیں ۔ نتیجتاً سب سے اوپر کی منزل سب سے نچلی منزل کی ایک تہائی رہ گئی ہے۔
- **سرایاکلش**۔ یہ سب سے اوپر کا حصہ ہے اور گول گنبد کی شکل میں ہے۔اس کے چاروں طرف پر دار طاقیں (niches)ہیں۔ پرسی براؤن(Persi Brown)نے واضح کیاہے کہ تنجاور کا برہدیشور مندر دراوڑی فن تعمیر کاایک شاہکار ہے اور ہندوستانی فن تعمیر کے لیے ایک معیار ہے۔

12.2.3 گنگئی کونڈچولاپورم کامندر (Gangaikoda Cholapuram Temple)

چولوں کے شاندار دور کے دوران تعمیر کیا گیادوسرا شاہکار گنگئی کونڈچولاپورم کامندر ہے۔ یہ راجیندر چولا کے ذریعہ 1025ءمیں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا طرز تعمیر تنجاور مندر سے ملتا جلتاہے، بس وسعت اور تفصیل میں تھوڑافرق ہے۔ یہ 340x110 مربع فٹ کے مستطیل میں بنایا گیاہے، لیکن اس کی چوٹی150 فٹ اونچی ہے۔اس مندر کا ومان برہدیشور مندر کی طرح تین حصوں میں منقسم ہے۔ منڈپ

تھوڑا کم اونچا ہے لیکن اس میں 150 ستون ہیں۔ اس ستونی منڈپ میں ہم آئندہ مندروں کے ہزاروں ستون والے منڈپ کا آغاز دیکھتے ہیں۔ تنجاور کے مندر میں زیادہ طاقت، توازن اور سنجیدگی ہے، جب کہ گنگئی کونڈ چولا پورم مندر میں زیادہ مادیت، خوبصورتی اور آسائش ہے۔ ان دو بڑی یادگاروں سے ثابت ہوتا ہے کہ چولا عہد میں فن تعمیر اپنے عروج پر تھا۔ ان مندروں کی تعمیر کے ساتھ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فن تعمیر کی سرگرمی کی مضبوط رفتار کمزور ہو چلی تھی۔ اس کے بعد کوئی خاص قابل ذکر مندر تعمیر نہیں ہوئے۔

گوپورم (داخلی دروازہ)، نٹراج مندر، چدمبرم (وکیپیڈیا)

12.2.4 پانڈیہ عہد کا فن تعمیر/گوپورم (Pandya Architecture/ Gopuram)

چولوں کے بعد، تمل خطے میں پانڈیوں کی حکمرانی قائم ہوئی۔ پانڈیوں کے دور میں دراوڑی طرز کی ترقی تو ہوتی رہی لیکن اس میں کوئی خاص قابل ذکر مندر تعمیر نہیں ہوا، اور نہ ہی چولوں سے وراثت میں ملنے والی عظیم روایت کو برقرار رکھنے کی کوئی مؤثر کوشش کی گئی۔ مندر کے تعمیری انداز میں اب نئے رجحانات نظر آرہے تھے۔ اب تک فن تعمیر کے ماہروں نے اپنی ہنر مندی کو مندر میں، خاص طور پر ومان میں استعمال کیا تھا، لیکن پانڈیوں کے وقت میں یہ عمل رک گیا۔ بعد کی صناعی مندر کے معاون بیرونی حصوں پر مرکوز تھی۔ اب مندر چھوٹے ہوتے تھے لیکن ان کے احاطے کے چاروں طرف بہت سی دیواریں تعمیر کی جاتی تھیں۔ یہ دیواریں تو عام طور سے بنی تھیں لیکن ان کے داخلی دروازے جنہیں گوپورم کہا جاتا تھا، عظیم الشان اور بھرپور صناعی سے آراستہ اور مزین تھے۔ پانڈیا فن تعمیر کی خصوصیت مندر کے بجائے گوپورم ہے۔

گوپورم ایک طرح کی مستطیل عمارت ہے جس کی چوٹی اوپر کی طرف چوڑائی میں آہستہ آہستہ گھٹتی جاتی ہے۔ چوٹی کی اونچائی 150 فٹ تک ہوتی ہے۔ داخلہ کا راستہ نیچے لمبائی کے درمیان ہوتا ہے۔ گوپورم کے نچلے دو حصے سیدھے اور ٹھوس پتھر سے بنے ہوتے ہیں اور وہ اوپری حصے کے لیے ٹھوس بنیاد تشکیل دیتے ہیں۔ اوپری حصہ اینٹوں اور پلاسٹر سے بنایا جاتا ہے۔ یہ اوپری حصہ اہرام نما ہے اور اس میں بہت سی

منزلیں ہیں۔اوپر کی ہر منزل اس کی نچلی منزل سے چھوٹی ہوتی ہے۔چوٹی کی چوڑائی بنیاد کی نصف ہوتی ہے۔سب سے اوپر کی منزل پر مخروطی چھت ہے جس کی دیواریں سہ رخی اور ڈھال والی ہیں۔اس طرح کی چھت کا ارتقا بدھ مت کے چیتیوں اور چیتیہ کے جھروکوں سے ہوا ہے۔ تیرو ملائی مندر، چدمبرم مندر اور کمبکونم مندر اس زمرے کی کچھ مشہور تخلیقات ہیں۔

12.3 فن مصوری (Paintings)

مصوری کے فن کو شاہی سرپرستی حاصل رہی۔ بادامی میں تیسرے غار کی چھتوں پر رانی اور ان کے ملازمین اور متعلقین کی تصاویر اتاری گئی ہیں۔پلووں کے مندروں میں پاروتی دیوی کو شوتانڈو (شو کا تباہ کن رقص) دیکھتے ہوئے بتایا گیا ہے۔اس قسم کی منظر کشی انا ملائی کے تالا گریشور مندر میں کی گئی ہے۔کانچی کے کیلاش ناتھ مندر میں سوم، اسکند اور ایک شہزادے کی تصویر متاثر کن ہے۔نویں صدی عیسوی کے سیتانوسل کے غار کے مندر کی چھتوں کے اوپر کی تصاویروں میں ایک شہزادے اور ایک شہزادی، دو ناچنے والیوں اور ایک کمل، مچھلیوں بطخوں سے بھرے ہوئے تالاب کو دکھایا گیا ہے۔یہ منظر انتہائی خوشگوار ہے، اور مصوری پر کمال حاصل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔مندر کی آرائش وزیبائش نہایت سادہ نوعیت کی ہے۔

تنجاور کے برہدیشور مندر سے چولا دور کی مصوری کا پتہ چلتا ہے۔عبادت گاہ کے اطراف چلنے کے لیے بنائے گئے راستے سے دیواروں

برہما، وشنو اور شو کی تصویر، برہدیشور مندر: چولا عہد(istock,timesofindia.com)

اور راستے سے دیواروں اور چھتوں پر کی تصاویر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ شیو، یوگادکشن مورتی، پرانتک، نٹراج اور ناچنے والوں کی تصاویر بنائی گئی ہیں ۔راج راج اول اور چولا جنگجو سپاہیوں کی تصویریں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں ۔ نفیس خدو خال آرائش و زیبائش اور جذبات سے معمور ہیں ۔ایلورا کے کیلاش ناتھ مندر کی دیواروں اور چھتوں کی تصویریں راشٹر کوٹ دور کے فن اور مصوری کے بہترین نمونے ہیں ۔ نٹراج، لنگود بھو، ودیادھر وغیرہ کی تصویریں رنگوں اور تفصیلات کے اعتبار سے بہت دلفریب ہیں اور یہ تصویریں فن سنگتراشی کا خوبصورت نمونہ ہے۔ ایلورا میں جین مت کے غار کی تصویریں دلکش اداؤں اور کھلی ہوئی آنکھوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

12.4 دکن کا ادب (Deccani Literature)

12.4.1 سنسکرت (Sanskrit)

جنوبی ہند اور دکن میں حکومت کرنے والے تمام حکمرانوں نے سنسکرت کی شاہی سرپرستی کی۔ مخصوص اغراض کے لیے برہمنوں کو اگرہاروں کے عطیہ دے کر ویدک علم اور اس کے مطالعہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ چولا راجا پرانتک اول کے دور میں وینکٹ مادھو نے رگھو ورتا دیپک کتاب لکھی۔ نویں یا دسویں صدی عیسوی میں بھوس وامن نے بودھاین سوتر کی تفسیر لکھی۔ بھگوت پران کو جنوبی ہند میں دسویں صدی عیسوی میں مرتب کیا گیا۔ بھاروی کی کیرت ارجنیا(*Kiratarjuniyam*) کو ایک ادبی شاہکار سمجھا جاتا ہے جو کہ ساتویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ بھاروی مشرقی چالکیہ حکمراں وشنوردھن اور پلو حکمراں سمہاوشنو کے دربار سے وابستہ رہا۔

ساتویں صدی عیسوی کی چالوکیہ شہزادی وجیا بھٹارکا کو ایک عظیم شاعرہ سمجھا جاتا ہے۔ مہندرورمن کی مت ولاسا پرہسنم اور شاید بھگودار چکا اس دور کی فرقہ وارانہ رقابت پر ایک طنز ہے۔ پلو نرسنگھ ورمن کے درباری شاعر دنڈن نے فصاحت اور بلاغت کے موضوع پر کاویہ درشکا کی تصنیف کی۔ یہ رسالہ ادبی تنقید نگاری کا ایک شہ پارہ ہے۔ اس کی دوسری تصنیف دش کمار چرتر ہے۔ یہ ایک نثری شاہکار ہے، جو اس عہد کے واقعات اور زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ کل شیکھر کی مکند مالا نویں صدی عیسوی کی ایک مذہبی تصنیف ہے۔

راشٹر کوٹ حکمراں اندر سوم کے ہم عصر تری وکرم بھٹ نے سنسکرت میں ایک ہی تحریر میں نثر اور نظم دونوں کا استعمال کیا۔ ایک جین شاعر سوم دیو سوری(950) نے یشس تلکا، اور نیتی واکیم رتا لکھی۔ نیتی واکیم رتا میں نثر اور نظم دونوں کو ساتھ ساتھ استعمال کیا گیا۔ فلسفیانہ ادب کے میدان میں کمارل بھٹ اور شنکر ممتاز ادیب تھے۔ کمارل نے شلوک ورتیکا، تانترا ورتیکہ اور ٹپٹیکہ تحریر کی۔ یہ تحریریں دراصل جیمنی کی میمانساشاستر اور مہرورمن کے بھاشیہ کی تفسیریں ہیں ۔ نظریہ ادویت واد کے خالق شنکر نے برہما سوتروں، اپنشدوں اور بھگوت گیتا پر تفسیریں لکھیں۔ ان تصنیفات کے علاوہ بھی متعدد برہمن مفسرین اور دانشوروں نے مختلف راجاؤں کی سرپرستی میں سنسکرت ادب کے نشوونما میں حصہ لیا۔

12.4.2 تمل (Tamil)

ساتویں صدی عیسوی تک مہابھارت اور رامائن جیسے رزمیوں کا ترجمہ تمل میں کر لیا گیا تھا۔ شیومت کی بھکتی تحریک کے زیراثر بہت سے سنت اور شاعر ساتویں اور آٹھویں صدی کے درمیان موجود رہے۔ ترونوکاراسو پہلا عظیم سنت شاعر تھا۔ نمبی اندرا مبی اور ترومندرم کے مصنف تروملار، سندر، اپراسمبھدرا اور مانیکاوسیکر امتیاز سنت شاعر تھے۔ سمبھدرا کے بھجن اعلیٰ ادبی معیار کے خیال کیے جاتے تھے۔ ترو ملار کی ترومندرم جو شیومت کے اسرار ورموز پر ایک اعلیٰ تصنیف ہے، تقریباً تیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ مانیکاواسنگر کی تروواز گم بھکتی ادب کی ایک مایہ ناز ادبی شاہکار ہے۔ وشنومت کے الواروں نے بھی بھکتی کے بھجنوں کو مرتب کیا۔ یہ مکمل 4 ہزار بھجنوں پر مشتمل ہے۔ اسے نلاہرا دیویہ پربندھم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پویاگی پے، ترووے ملی سائی اور اندال آلوار شاعر تھے۔ کل شیکھر کی ترو ملی، ترو ملوور کی ترووے مولی اہم تصانیف ہیں، بطور خاص ترووے ملی کو وشنومت کے مذہبی احکامات میں اعلیٰ درجہ کا مقام حاصل ہے۔ ناتھ منی نے تمام مذہبی احکامات کو یکجا کیا، جو تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ترو ملوور کو ایک عظیم شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں جین مت کے ایک راہب ترونکادیو نے جیوک چنتا منی لکھی۔ یہ ایک انتہائی دلکش وخوبصورت نظم ہے اسی کے انداز میں مگر بعد میں کمبن نے رامائن تصنیف کی گیارہویں صدی عیسوی کے دوران نمبی اندار نے شیومت کے احکام دوبارہ مرتب کیے۔

12.4.3 کنڑ (Kannada)

اس دور میں بادامی کے چالوکیوں کی سرپرستی میں کنڑ زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ نروپتنگا کی 850 عیسوی کی تصنیف کوی راج مارگ فصاحت وبلاغت پر ایک عظیم تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ پمپا نے آدی پران اور وکرم ارجناوجے 941 عیسوی کے قریب لکھی۔ آدی پران جین تیرتھنکروں کی سوانح عمری ہے۔ دوسری تصنیف وکرم ارجناوجے مہابھارت کے واقعے پر مبنی ہے۔ پنا نے شانتی پران لکھی۔ رنا کی تصنیف اجیت پران دوسرے جین تیرتھنکر کے بارے میں لکھی گئی۔ یہ تصنیف نظم اور نثر کا حسین امتزاج ہے۔ اسے ادب میں چمپو کی صنف سے موسوم کیا جاتا ہے۔

12.4.4 تلگو (Telugu)

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی سے تلگو زبان کا آغاز ہوا۔ چالوکیوں کے ریکارڈ میں تلگو نثر اور نظم کے نمونے موجود ہیں۔ ابتدائی ادبی تصنیف ننیا کی مہابھارت ہے، جسے محفوظ رکھا گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بہت سا تلگو ادب تلف کر دیا گیا کیوں کہ اسے زیادہ تر جین مت کے ماننے والوں نے لکھا تھا۔

12.5 مذہب (Religion)

بادامی کے اکثر چالوکیہ حکمراں برہمن مت کے سچے دل سے عقیدت مند تھے۔ برہمنوں کا احترام کرتے تھے۔ لیکن دیگر مذاہب کے ساتھ بھی ان کے خوشگوار تعلقات تھے۔ وہ مذہبی رواداری کے اہم اصولوں کے بھی پابند تھے۔ چالوکیہ حکمرانوں کے دور میں جنوبی

ہندوستان (دکن) میں جین مت خوب پروان چڑھا تھا۔ایہول کتبے کے جین مصنف روی کیرتی جس نے جینیندر کا جین مندر بھی تعمیر کروایا تھا کہتا ہے کہ اس نے چالوکیہ حکمراں پلکسین دوم سے بلند ترین اعزاز واکرام حاصل کیے تھے۔وجے آدتیہ اور وکرمادِتیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے متعدد مشہور جین عالموں کو کئی گاؤں جاگیر میں عطا کیے تھے۔اس عہد میں جنوبی ہند میں موجود بدھ خانقاہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ بدھ مذہب کے ماننے والے بھی اس ریاست میں موجود تھے۔یہ اور بات ہے کہ ان کی تعداد کم تھی۔ مشہور چینی سیاح یوان چوانگ لکھتا ہے کہ ''وہاں پر سو سے زائد بدھ خانقاہیں موجود ہیں۔بدھ مذہب کے ماننے والوں کی تعداد جن میں دونوں فرقوں (ہنایان اور مہایان) کے ماننے والے شامل تھے تقریباً پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔راجدھانی کے اندر اور باہر اشوک کے تعمیر کردہ پانچ تپ ُ (استوپ) بھی موجود ہیں''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالوکیہ ریاست اور اس کے حکمراں برہمن مت کے عقیدت مند ہونے کے باوجود مذہبی رواداری کے سچے پاسدار تھے۔ لیکن برہمن مت اور پرانوں کے تینوں اہم دیوتا برہما،وشنو اور شیوا بھر کر مزید نمایاں ہو گئے تھے۔جن کی شان میں ''واتاپی''(بادامی) اور پٹّ دَکل(بیجاپور) میں شاندار عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔یگیہ اور دیگر مذہبی رسمیں اپنی تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ انجام دی جاتی تھیں۔ اشومیدھ یگیہ،واجپیہ،اور راجسویہ یگیہ کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا

12.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- آپ نے جزیرہ نمائے ہند میں مختلف فنون اور فن تعمیر کے ارتقا کے بارے میں جانا۔
- جنوبی ہندوستان میں راشٹر کوٹ،پلو،چولا،چالوکیہ اور پانڈیہ عہد حکومت کے دوران مختلف خوبصورت مندروں اور گوپورم کی تعمیر ہوئی۔
- چٹانی فن تعمیر میں بھی پہلے سے کافی عمدگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ایک چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے ایلورا کے کیلاش مندر کی صناعی دیکھ کر اس دور کے معماروں کی ہنرمندی کا اندازہ ہوتا ہے۔علاوہ ازیں رتھ مندر،منڈپ مندر اور گوپورم میں بھی نفیس قسم کی معماری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔
- فن تعمیر کے ساتھ ساتھ فن مصوری میں بھی بہترین نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔اجنتا،ایلورا،ایلی فنٹا،برہدیشور مندر اور دوسرے مندروں میں پرانک کہانیوں سے متعلق کرداروں کی بہترین تصویر سازی کی گئی ہے۔
- ادب کے میدان میں بھی ترقی دیکھنے کو ملتی ہے۔ سنسکرت، تمل، تلگو اور کنڑ زبانوں میں وسیع تعداد میں مواد کی تخلیق ہوئی۔شاہی سرپرستی کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی ترویج واشاعت میں حصہ لیا۔

12.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

بودھ وہار : بدھ مذہب کی رہائشی عبادت گاہ

منڈپ : مندر کا بیرونی ہال،جہاں رقص یا اجتماعی عبادت کی جاتی ہے۔

انترال	:	منڈپ اور مندر کے اندرونی حصہ کا درمیانی گلیارہ۔
گربھ گرہ	:	مندر کا اندرونی خاص حصہ، جس کے اوپر ومان ہوتا ہے۔
گوپورم	:	مندر کا آرائشی ڈاخلی دروازہ
ومان	:	گربھ گرہ کے اوپر بنا ہوا لمبا سا مخروطی یا عمودی مینار
شکھر	:	ومان کی اوپری چوٹی۔
Niches	:	طاق یا محراب

12.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. پلو عہد کے فن تعمیر کے چار اہم طرزوں کے نام بتائیے۔
2. مامل طرز تعمیر کا ارتقا کس حکمراں کے عہد میں ہوا؟
3. مامل طرز تعمیر کے تحت کتنی طرح کے مندر آتے ہیں؟
4. مامل طرز تعمیر کے رتھ مندر کس نام سے مشہور ہیں؟
5. تنجاور کا برہدیشور مندر کس حکمراں نے تعمیر کرایا؟
6. کانچی کے کیلاش مندر کی کسی دو تصویروں کے نام بتایے۔
7. رگھوور تادیپک کتاب نامی کتاب کے مصنف کون ہیں؟
8. کیرت ارجنیا کا مصنف بھاروی کن حکمرانوں کے دربار سے وابستہ تھا؟
9. ترومندرم کس قسم کی تصنیف ہے؟
10. فصاحت اور بلاغت پر لکھی گئی نرپتنگا کی کتاب کا نام بتایے۔

12.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. جنوبی ہند میں فن مصوری کے ارتقا پر روشنی ڈالیے۔
2. پلو فن تعمیر کے بارے میں مختصراً بتائیے۔
3. جنوبی ہند میں سنسکرت ادب کے نشو ونما کے بارے میں بتائیے۔
4. چولا عہد کے فن تعمیر پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

5. گنگئی کونڈ چولا پورم مندر پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔

12.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

6. مندر کے فن تعمیر کی مختلف خصوصیات کے بارے میں بتائیے۔
7. جنوبی ہند میں فن تعمیر کے ارتقا پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
8. دکن میں ادب کے ارتقا پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

12.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Anuradha, V., *Development of Temple Architecture of South India*: *Southern Karnataka*, 2019.
2. Brown, Percy, *Indian Architecture*: *Buddhist and Hindu Periods*, D.B. Taraporevala Sons & Co., Bombay, 2003.
3. Das, Sisir K., *A History of Indian Literature*, *500–1399*: *From the Courtly to the Popular*, Sahitya Akademi, New Delhi, 2005.
4. Dallapiccola, Anna L., *South Indian Paintings*: *A Catalogue of the British Museum's Collections*, 2010.
5. Fergusson, James, and James Burgess, *History of Indian and Eastern Architecture: 1*, Munshiram Manoharlal, New Delhi, 1972.
6. Nilakanta Sastri, K.A., *The Illustrated History of South India*: *From Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, 2012.
7. Seth, Mira, *Indian Painting*: *The Great Mural Tradition*, Ahmedabad, 2006.
9. Singh, Upinder. *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century AD*, Pearson Education Noida, India, 2009.
10. جنوبی ہند کی تاریخ، کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹنا گر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
11. چول راجگان، کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 13۔ ہرش: ریاست، معاشرہ اور مذہب

(Harsha: State, Society, and Religion)

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید
13.1 مقاصد
13.2 مآخذ
13.3 ہرش کے عہد سے قبل سیاسی حالات
13.4 ہرش کی تخت نشینی
13.5 ہرش کے فوجی معرکے
13.6 ہرش کی سلطنت کی وسعت
13.7 انتظام حکومت
13.8 معاشرہ
13.9 مذہب
13.10 اکتسابی نتائج
13.11 کلیدی الفاظ
13.12 نمونہ امتحانی سوالات
13.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
13.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
13.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
13.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید (Introduction)

گپت خاندان کے حکمرانوں نے ایک بہت بڑی سلطنت قائم کی تھی۔ ایک سو ساٹھ سال حکومت کرنے کے بعد یہ سلطنت زوال پذیر ہو گئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کے زوال کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ظہور ہوا۔ ان ریاستوں کے سربراہ کی حیثیت گپت حکمرانوں کے جاگیرداروں کی تھی۔ مرکزی حکومت کے کمزور پڑنے کے بعد یہ خود مختار ہو گئے۔ انہوں نے آس پاس کے علاقوں کو زیر تسلط کر لیا۔ ان ہی ریاستوں میں سے ایک تھانیسر کی ریاست تھی۔ پشیہ بھوتی خاندان اس کا حکمران تھا۔ اس خاندان کا حکمراں ہرش وردھن بیک وقت تھانیسر اور قنوج کا مالک بنا۔ ان دونوں ریاستوں کے مل جانے سے ہرش کی طاقت میں مزید اضافہ ہوا۔ ہرش نے قنوج کو دارالخلافت بنا کر سلطنت کی توسیع کے لیے فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ساتویں صدی میں قنوج ہندوستان کا اہم خوبصورت اور خوشحال شہر بن گیا۔ پاٹلی پتر جواب تک اہم شہر تھا زوال پذیر ہو گیا اور اس کی اہمیت ختم ہوتی چلی گئی اور قنوج کو اہمیت حاصل ہو گئی۔ قنوج میدانی علاقے میں بلندی پر آباد تھا اور گنگا جمنا دوآبے میں دریائے گنگا کے کنارے واقع تھا جہاں سے نہ صرف مشرق و مغرب کی شاہراہوں کی نگرانی بآسانی کی جاسکتی تھی بلکہ دریاؤں کے ذریعہ تیز رفتاری سے فوجیں بھی روانہ کی جاسکتی تھیں۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہرش وردھن کی ابتدائی زندگی اور اس کے عہد کی اہم سیاسی سرگرمیوں، ملکی حالات اور فتوحات کا جائزہ لینا ہے۔
- اہم تاریخی مآخذ کے پس منظر میں ہرش کے عہد کی انتظامیہ، سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی زندگی کا مطالعہ پیش کرنا ہے۔
- ہرش کے عہد میں مذہبی حالات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔
- اس سلسلے میں قنوج کی اسمبلی اور اس کی اہمیت اور پریاگ میں منعقد تقسیم خیرات کی مجلس پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔
- عہد قدیم کے مثالی تعلیمی ادارہ، نالندہ یونیورسٹی کی تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق جانکاریاں بھی پیش کی گئی ہیں۔

13.2 مآخذ (The Sources)

13.2.1 ادبی ماخذ (Literary Sources)

بان بھٹ کی ہرش چرت: ہرش چرت، ہرش کے درباری شاعر اور نثر نگار بان بھٹ کی تصنیف ہے۔ یہ راجا ہرش وردھن کی سوانح عمری ہے۔ تاریخی واقعات کے لحاظ سے یہ سنسکرت کی سب سے پرانی تصنیف ہے۔ اس میں کل 7 ابواب ہیں۔ پہلا باب مصنف کے حالات زندگی سے متعلق ہے۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے ابواب میں ہرش کے آباء واجداد اور تھانیسر کے شاہی خاندانوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ پانچویں اور چھٹے باب میں ہرش کی جنگوں اور فتوحات کا ذکر ہے اور آخری باب میں وندھیا کے جنگلوں میں رہنے والے مختلف فرقوں کا ذکر ہے۔ بان اس تصنیف میں نہ صرف ہرش کی فوج اور اس کی مہمات کا ذکر کیا ہے بلکہ اس وقت کے مذہبی فرقوں اور گاؤں کا بھی خوبصورت منظر پیش کیا ہے۔

ہرش کے عہد کی جان کاری کے لیے یہ اہم دستاویز ہے۔دوسری اہم تصنیف کدمبری ہے۔

ہیون سانگ کا سفر نامہ: ہرش کے عہد کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ چینی سیاح ہیون سانگ کا سفر نامہ ہے۔ ہیون سانگ اپنے وطن سے 629 عیسوی میں روانہ ہوا۔ وسط ایشیا کی سیر کرتے ہوئے وہ کشمیر، بودھ گیا، سارناتھ کے راستے نالندہ پہنچا۔اس کے بعد ہرش نے اسے اپنے یہاں مدعو کیا۔ہندوستان سے واپسی تک ہیون سانگ ہرش کا مہمان رہا۔644 عیسوی میں اسے اپنے وطن جانے کی اجازت ملی۔اس نے بدھ مت کی کئی مقدس تحریریں جمع کیں اور بہت سے علوم پر عبور حاصل کیا۔واپسی پر اس نے اپنی معرکتہ الآرا سرگزشت 'سی یو کی' لکھی۔ یہ تصنیف جس میں اس کے مغربی دنیا کے مشاہدات درج ہیں ۔ ساتویں صدی کے ہندوستان کی سماجی زندگی، یہاں کے نظم و نسق اور مذاہب سے متعلق معلومات کا ذخیرہ ہے۔اے ایل باشم کا خیال ہے کہ ''ہیون سانگ فاہیان کے مقابلے دنیاداری کی زیادہ سمجھ رکھتا تھا ہرش سے اس کے تعلقات بہت قریبی تھے ہرش کو اس نے اپنے دربار میں اعلیٰ منصب عطا کر رکھا تھا۔اس اعتبار سے اس کی تحریریں فاہیان کے مقابلے میں زیادہ تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔''

اِتسنگ کا سفر نامہ: چینی سیاح اتسنگ جو 673 سے 685ء کے درمیان ہندوستان میں رہا، اپنے قیام کے دوران اس نے ہندوستانی علوم اور بدھ مت کی کتابیں جمع کیں۔ اس نے سنسکرت کے قریب چار سو مخطوطات جمع کیے۔اس نے سنسکرت میں چینی زبان کی لغت تیار کی۔اس کے علاوہ اس نے بدھ مت کے ساٹھ راہبوں کی سوانح عمری لکھی۔ان راہبوں نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا۔اتسنگ نے اس وقت کے ہندوستان کے سماجی، اقتصادی اور مذہبی حالات کی بہترین عکاسی کی ہے۔اس لحاظ سے یہ اس وقت کے ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ کا اہم ماخذ ہے۔

13.2.2 کتبات، سکے (Inscriptions and Coins)

چھٹی صدی عیسوی کے آخری نصف اور ساتویں صدی کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے آخری گپتوں، موکھاریوں میترکوں، چالوکیاؤں، بنگال اور اڑیسہ کے حکمرانوں کے زمانے کے کتبات اہم ماخذ ہیں۔اس کے علاوہ نالندہ یونیورسٹی کے باقیات اور ہرش کے زمانے کے سکے بھی اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ہرش کے زمانے کے بہت سے کتبے ملے ہیں جن سے اس عہد کی جان کاریاں ملتی ہیں۔ 631 عیسوی کا مدھوبن کا پر پلیٹ چار نسلوں تک ہرش کا شجرہ بتاتا ہے۔ سونی پت کا کتبہ ہرش کی حکومت کی تاریخ وار ترتیب کی مشکلات کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔اتر پردیش میں ملے 628 عیسوی کے بانس کھیڑا کتبہ سے ہرش کے دستخط کا نمونہ حاصل ہوا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرش ایک اچھا خطاط بھی تھا۔ گپت عہد کی اور ہرش کے عہد حکومت کی نالندہ کی مٹی کی مہریں اور کتبے اس عہد کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چالوکیہ بادشاہ پل کیسین دوم کے عہد کا ایہول منظوم کتبہ جو کرناٹک سے ملا ہے، اسے اس کے درباری شاعر روی کیرتی نے لکھا ہے۔اس میں 610 سے 642 عیسوی تک کے عہد کی جانکاری ملتی ہے۔ ریاست گجرات میں ایک کتبہ ملا ہے جو ہرش کے اصل اور عروج سے متعلق جانکاری فراہم کرتا ہے۔اس کے علاوہ اس عہد کے بہت سے سکے بھی ملے ہیں جو اس عہد کے بارے میں قابل بھروسہ جان کاری دیتے ہیں۔ یہ سکے ہرش نے پریاگ کاؤنسل میں تقسیم کیے تھے۔

13.3 ہرش کے عہد سے قبل سیاسی حالات

(Political Conditions before the Ascendance of Harshavardhana)

چھٹی صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں شمالی ہندوستان میں سیاسی ابتری پھیل گئی تھی۔ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کی وجہ سے پورے خطہ میں سیاسی اتحاد تقریباً ختم ہوگیا۔ اس وقت آخری گپت حکمرانوں، موکھاریوں، گوڑ کے ششانک اور ولبھی کے میترک حکمرانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں خود مختاری حاصل کرلی۔ ان ہی حالات میں وجود میں آئی چھوٹی سی سلطنت وردھن سلطنت نے شمالی مشرقی پنجاب کے علاقے تھانیسر پر حکومت شروع کی۔ اس کا ابتدائی حکمراں پشپ بھوتی تھا جس کی حیثیت افسانوی معلوم ہوتی ہے۔ کتبات میں ہرش وردھن کے چار اجداد کا ذکر ملتا ہے۔ وردھن خاندان نے آخری گپت حکمرانوں سے شادی بیاہ کے ذریعہ تعلقات استوار کیے۔ مہاسین گپت کی بہن آدتیہ ورمن کی رانی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت پربھاکروردھن نے اپنی پہچان ایک طاقت اور حکمراں کی حیثیت سے کرائی اور شاید دوسرے حکمراں اس سے خائف ہوں گے۔ بان نے ہرش وردھن کے باپ پربھاکروردھن کے لیے ''ہونوں کے ہرنوں کے لیے شیر'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پربھاکروردھن نے سندھ کے راجا کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے جودھپور کے علاقے میں گرجروں کی حکومت پر حملہ کیا۔ اس نے قندھار کے علاقے پر بھی کامیاب حملے کیے۔ اس دوران آخری گپت حکمراں مہاسین کو کالاچوریوں نے شکست دی۔ مالوہ پر اس وقت دیوگپت کی حکومت تھی۔ قنوج اور مگدھ پر موکھاریوں کی حکومت تھی۔ پربھاکروردھن کے عہد میں یہ سیاسی صورت حال تھی۔ اس کے بعد ہرش کی تخت نشینی ہوئی جس نے علاقے میں سیاسی استحکام پیدا کیا۔

13.4 ہرش کی تخت نشینی (Coronation of Harshavardhana)

605ء میں تھانیشور کے حکمراں پربھاکروردھن کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد تھانیشور کا تخت وتاج ہرش کے بڑے بھائی راجیہ وردھن کے حصے میں آیا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے پہلا کام ہونوں کو شکست دینے کے لیے پیش قدمی کی۔ اس میں کامیاب ہوکر ابھی وہ لوٹا ہی تھا کہ اس کو خبر ملی کہ مالوہ کے راجا نے اس کے بہنوئی گرہ ورمن پر حملہ کرکے اسے قتل کرڈالا ہے اور اس کی بہن راجیہ شری کو قید کرلیا ہے۔ یہ سنتے ہی راجیہ وردھن اپنے دشمن کو ختم کرنے کے لیے چل کھڑا ہوا۔ ہرش وردھن اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ راجیہ وردھن نے مالوہ کی فوج کو آسانی کے ساتھ شکست دے دی لیکن گوڑ کے راجا ششانک نے اسے دھوکے سے قتل کردیا اور قنوج پر قبضہ کرلیا۔ اس نے رانی راجیہ شری کو آزاد کردیا۔ رہائی کے بعد اس نے وندھیا کے جنگلوں کی طرف راہ فرار اختیار کرلی۔ ان حالات میں ہرش کا پہلا کام اپنی بہن کو مصیبت سے نجات دلانا تھا اور اس کے بعد قنوج کو ششانک کے قبضے سے چھڑا کر اس کو اس کی کرتوتوں کی سزا دینا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہرش ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستہ میں اس نے آسام کے راجا بھاسکر ورمن سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ اس نے اپنی بہن کو تلاش کیا اور اپنے فوجی کیمپ کو لوٹ آیا۔ ہرش کی فوج کی کوچ کی خبر سن کر ششانک نے قنوج چھوڑ دیا۔ اس وقت قنوج میں کوئی حکمراں نہیں تھا۔ وہاں سخت افراتفری پھیل گئی۔ بادشاہ کی بیوہ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور حکمرانی کی طرف مائل نہ ہوئی۔ چوں کہ موکھری خاندان کا کوئی وارث موجود نہ تھا اس لیے عمائدین نے ہرش کو تخت وتاج قبول کرنے کی دعوت دی۔ کچھ تکلف کے بعد وہ تخت پر بیٹھنے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے

''شیلآدتیہ'' کا لقب اختیار کیا اور خود کو بادشاہ کی جگہ ''کمار'' کہلوایا۔ اس سیدھے سادے لقب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع میں قنوج میں اس کی سیاسی حیثیت ایک سرپرست یا وقتی نگراں سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد جب اس کی سیاسی حیثیت مجتمع ہو گئی اور مخالفت کا زور گھٹ گیا تو اس نے اپنا پایہ تخت تھانیشور سے قنوج منتقل کر لیا اور تمام شاہانہ القاب کے ساتھ حکومت کرنے لگا۔ اس طرح دونوں ریاستوں کا آپس میں انضمام ہو گیا۔ قنوج کے حصول سے ہرش کی طاقت اور شہرت میں اضافہ ہوا اور آئندہ فتوحات میں اس کو آسانی ہوئی۔ تقریباً چالیس سال کی حکومت کے بعد 647ء میں ہرش کا انتقال ہوا۔ بہت جلد ہی یہاں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ اس کے بعد قنوج اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل نہ کر سکا۔

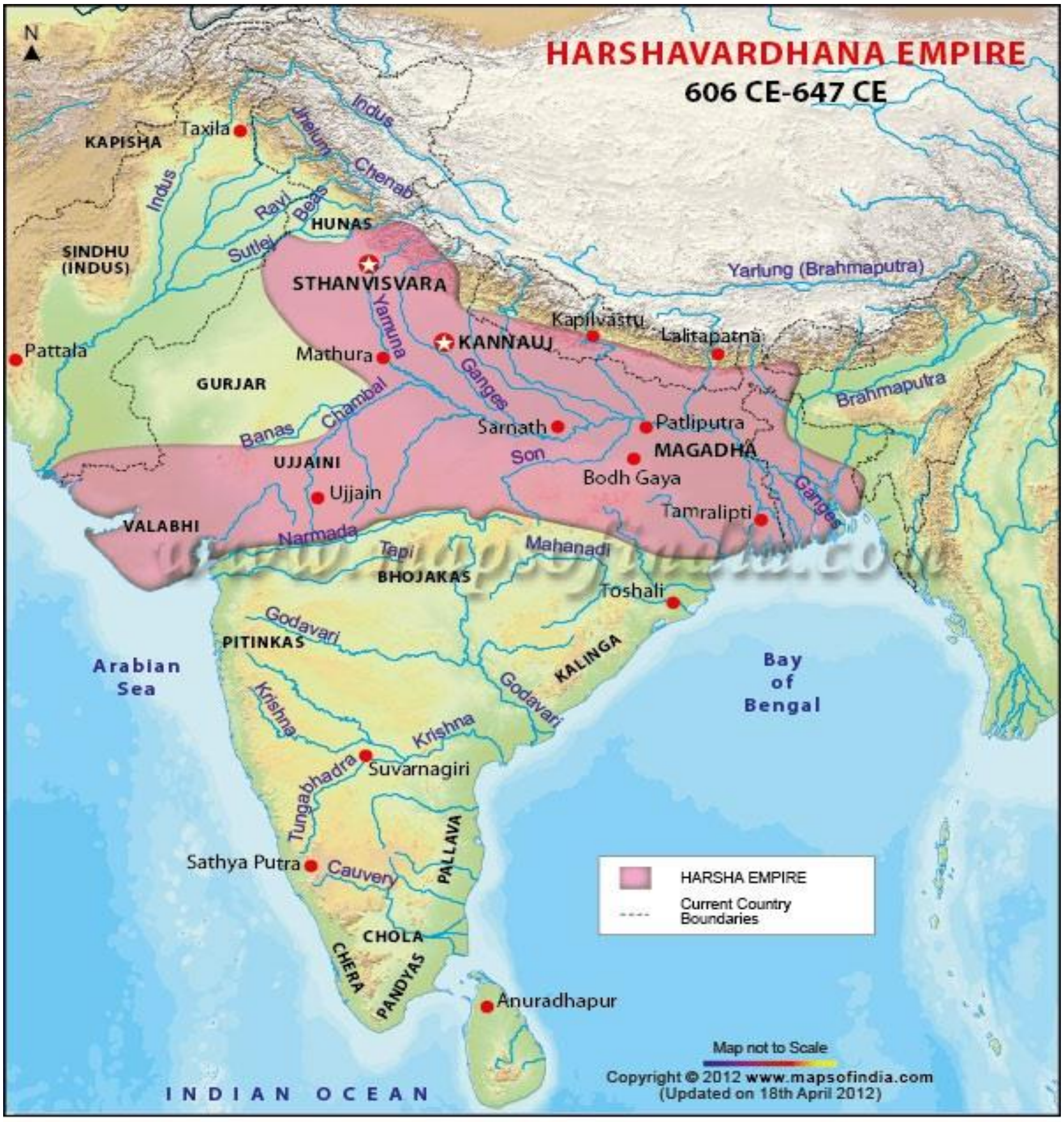

ہرش کی سلطنت، تقریباً 606-647 (میپس آف انڈیا)

13.5 ہرش کے فوجی معرکے (Harsha's Warfare)

ہرش کے فوجی معرکوں اور فتوحات کی معتبر تفصیلات ہمیں کہیں نہیں ملتیں۔ ہیون سانگ کے بیانات میں کچھ اشارے ضرور ملتے ہیں۔اس نے یہ کہیں نہیں لکھاہے کہ ہرش نے کیسے، کب اور کون سی ریاستوں کو فتح کیا۔اس سلسلے میں بان کی شہادت بھی ہرش کی فوجی کارناموں پر کوئی واضح روشنی نہیں ڈالتی۔ مختلف اطلاعات کی بنیاد پر اس کی مہمات کا ایک خاکہ ضرور تیار کیا جاسکتا ہے۔ ہرش 606 عیسوی میں تھانیشور کی گدی پر بیٹھا۔اس نے فوراً ہی گوڑوں کے خلاف پیش قدمی کی۔اس نے پریاگ جیوس(آسام) کے بادشاہ بھاسکر ورمن کے ساتھ اتحاد کیا کیوں کہ دونوں کا مشترکہ دشمن گوڑ کا راجا ششانک تھا۔ ہمیں اس کی اطلاع نہیں ہے کہ ششانک سے اس کی جنگ ہوئی کہ نہیں لیکن وہ اپنی بہن کو بچانے میں کامیاب ہو سکا اور تھانیشور اور قنوج کی بادشاہت ایک کرلی گئی۔ دراصل ہیون سانگ کی کتاب میں ہرش اور اس کے مورثوں کو قنوج کا حکمراں بتایا گیا ہے۔ بان اور ہیون سانگ دونوں ہرش کے عہد کی تفصیلات پیش کرتا ہے۔ جس میں اس نے اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کا عہد کیا۔اس کے بعد اس نے ولبھی اور گرجر حکمرانوں کے خلاف پیش قدمی کی۔ وہ دکن میں چالوکیوں سے اور مشرق میں مگدھ اور گوڑوں سے نبرد آزما ہوا۔ گجرات کے سوراشٹر میں ولبھی کے میترک مضبوط طاقت بن کر ابھرے تھے۔ ہیون سانگ نے ولبھی کے حکمراں کا نام دھروسین دوم بالادتیہ بتایا ہے جو کہ ہرش کا داماد بھی تھا، جس نے پریاگ میں ہرش کی مذہبی اسمبلی میں حصہ بھی لیا تھا۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہرش نے شادی بیاہ کے رشتوں کے ذریعہ اپنی قوت میں اضافہ کیا۔ گجرات کے بادشاہ کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بادشاہ دِدّا دوم نے ولّبھی کے حکمراں کی مدد کی تھی۔ ہرش کے عہد میں ولبھی حکمراں ایک مضبوط طاقت کی شکل میں موجود تھے۔ بان کی تفصیلات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گرجر حکمراں وردھنوں کے مخالف تھے۔ گرجر حکمرانوں کا ایک خاندان گجرات کے بروچ علاقے کے نندی پورا میں اس وقت حکومت کررہا تھا۔ یہ خاندان غالباً بعد کے دنوں میں بھی حکومت کررہا ہو گا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرجروں نے احتیاطاً کرناٹک میں بادامی کے چالوکیوں کی ماتحتی قبول کرلی تھی کیوں کہ ایہول کتبہ بتاتا ہے کہ لتا، مالوہ اور گرجر، چالوکیہ بادشاہ پل کیسن دوم کے جاگیر دار تھے۔ ہرش اپنی مشرقی مہمات میں بھی کامیاب رہا۔ ایک چینی ماخذ ہرش کے حلیف کا نام آسام کا بادشاہ بھاسکر ورمن بتاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر بنگال اور مشرقی ہندوستان میں مہم جوئی کی ہو گی۔

13.6 ہرش کی سلطنت کی وسعت (Extent of Harsha's Empire)

ہرش ایک بڑی سلطنت پر حکومت کرتا تھا۔ اس کی سلطنت کی وسعت کو دیکھتے ہوئے اسے کئی بڑے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہرش کے ''سکلو تر پتھ ناتھ'' کے لقب سے ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ تمام شمالی ہندوستان پر اس کی حکمرانی تھی۔ عالموں کی رائے میں یہ اصطلاح غیر واضح ہے۔اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا ہے کہ پورے شمالی ہندوستان پر ہرش کا قبضہ تھا۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے دورے کے وقت کی کچھ ریاستوں کا ذکر کیا ہے جس میں کشمیر، جالندھر، بیراٹ، متھرا، منی پور، سوورن گوتر دیس، کپل وستو، کامروپ، مہاراشٹر، بڑوچ، ولبھی، گربتر دیس، اجین، بندیل کھنڈ، شیو پور اور سندھ شامل ہیں ۔ یہ ریاستیں ہرش کے حدود اختیار سے باہر تھیں ۔ دوسری طرف کلو، سرہند، تھانیشور، سُرگھن، گڑھوال اور کمایون، کاشی پور، رام پور، پیلی بھیت کا علاقہ ، مشرقی روہیل کھنڈ، ایٹہ، ایودھیا، رائے بریلی، اور

پرتاپ گڑھ کے اضلاع، پریاگ، کوسامبی، شرواستی، رام نگر، کشی نگر، وارانسی، غازی پور، ویشالی، ورجی دیش، مگدھ، مونگیر، بھاگل پور، راج محل، پونڈوروردھن، سم تٹ، تامرلپتی، کرن سورن، گنجم کے بارے میں ہیون سانگ کچھ نہیں کہتا۔ اس کی یہ خاموشی بتاتی ہے کہ یہ سارے علاقے قنوج کی ریاست میں شامل تھے۔ دوسرے ذرائع سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض علاقے واقعتاً ہرش کی سلطنت میں شامل تھے۔ ہرش کی آبائی سلطنت تھانیشور، دریائے سراسوتی کی وادی اور مشرقی راجپوتانہ کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی۔ بعد میں موکھری ریاست کے انضمام کے بعد اترپردیش اور مگدھ کا کچھ حصہ بھی اس میں آگیا۔ چینی سفیر نے بھی اس کے لیے ''مگدھ کا راجا'' کالقب استعمال کیاہے۔ بانس کھیڑا اور مدھوبن کے فرامین سے ثابت ہوتاہے کہ چھتر اور شراوستی اس کی سلطنت کی انتظامی اکائی میں شامل تھے۔ چینی ذرائع سے ہی معلوم ہوتاہے کہ اڑیسہ پر اس کااقتدار تھا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیاہے کہ مشرقی ہندوستان کے دورے کے وقت ہرش نے راج محل (کنگل) کے مقام پر دربار منعقد کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتاہے کہ ہرش کی سلطنت وہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اس طرح مختلف ذرائع کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی سلطنت میں مشرقی پنجاب کا کچھ حصہ، متھرا اور منی پور کے علاوہ تقریباً کل اترپردیش اور بہار، بنگال اور اڑیسہ کے علاقے شامل تھے۔ ہیون سانگ نے ''پانچوں ہندوستان کا حکمراں'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پانچوں ہندوستان کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ان میں سوراشٹر یا پنجاب، کانیہ کبج، متھلا یا بہار، گوڑ یا بنگال، اتکل یا اڑیسہ شامل تھے۔ ہرش نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تھی لیکن چالوکیہ حکمراں پل کیسن دوم نے اسے دریائے نرمدا سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اس بات کی تصدیق اے ایل باشم نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کے ''حدود مملکت بہت ہی وسیع وعریض تھے۔''

13.7 انتظام حکومت (Administrative System)

ہرش نے اپنی سلطنت پر گپت راجاؤں کے طرز پر ہی حکومت کی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس کا نظام حکومت جاگیردارانہ نوعیت کا تھا اور مرکزیت سے خالی تھا۔ بادشاہ مقتدر اعلیٰ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے ماتحت اطاعت گزار حکمراں ہوتے تھے جو راجا یا بھوپ کہلاتے تھے۔ عام طور پر انہیں سامنت بھی کہا جاتا تھا۔ وہ مہاراجا کالقب بھی استعمال کرتے تھے۔ وہ عہدہ داروں کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کی خدمت کے صلے میں بادشاہ انہیں گاؤں اور علاقے عطا کرتا تھا۔ ہرش کی سلطنت کافی دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے سلطنت کے ان حصوں کو متحد رکھنے کے لیے کئی انتظامی مرکز قائم کیے گئے تھے۔ چنانچہ سرحدی صوبوں کا انتظام نائب السلطنت راجستھنیہ یا گورنر (لوک پال یا اُپارک مہاراج) یا جاگیردار سرداروں (سامنت یا مہاسامنت) کے سپرد ہوتا تھا۔

بادشاہ کی مدد کے لیے ایک مجلس مشاورت (منتری پریشد) ہوتی تھی۔ چینی سیاح ہیون سانگ کہتاہے کہ ''افسروں کا ایک کمیشن ملک پر قابض تھا۔'' بان بھٹ نیز اس دور کے ملے کتبوں سے ثابت ہوتاہے کہ عمال حکومت کی یہ تنظیم بہت باقاعدہ تھی۔ اس کا انتظام حکومت پر خاصا اثر تھا۔ مثال کے طور پر راجیہ وردھن کی موت کے بعد راجا کا انتخاب کرنے کے لیے منتری پریشد کی بیٹھک بلائی گئی تھی۔ راجا کے بعد حکومت کا سب سے اہم عہدہ دار وزیر اعظم تھا۔ وہ حکومت کے اہم معاملات میں بادشاہ کو مشورہ دیتا تھا۔ ہرش کے عہد میں اس عہدہ پر

بھنڈی بحال تھا۔ امن و جنگ کا بڑا وزیر مہاسند ھی گرہا دھی کرت کہلاتا تھا۔ ہرش کے عہد میں یہ عہدہ اونتی کو ملا ہوا تھا۔ فوج کے افسر اعلی کو مہابلادھی کرت کہتے تھے۔ ہرش کے عہد میں اس عہدہ پر سہنہ ناد بحال تھا۔ سپہ سالار سیناپتی، سواروں کا افسر اعلی بر دہ دَشوار، ہاتھیوں کے فوجی دستہ کا افسر کٹک کہلاتا تھا۔ ہرش کے عہد میں اس عہدہ پر اسکند گپت بحال تھا۔ ہرش کو تخت پر بیٹھتے ہی کئی دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو نئے سرے سے منظم کیا۔ ہرش کی فوج چار حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پیدل، گھوڑ سوار، ہاتھی اور رتھ۔ ہمیں اونٹ کی فوج کی بھی جانکاری ملتی ہے۔ مستقل اور عارضی سپاہی کو جاٹ بھٹ کہا جاتا تھا۔ محل کے محافظ وزیر کو مہاپرتی ہار کہا جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ہرش کی فوج ایک لاکھ گھوڑ سواروں اور ساٹھ ہزار ہاتھی سواروں پر مشتمل تھی۔ مگر یہ تعداد حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کیوں کہ موریا حکمراں جن کی جنوب کے اندرونی علاقوں کے سوا عملاً پورے ملک پر حکومت تھی، ان کے پاس صرف تیس ہزار پیدل فوج اور نو ہزار ہاتھی تھے۔ ہرش کی فوج میں اتنی بڑی تعداد میں ہاتھی اور گھوڑے اسی صورت میں ممکن ہو سکتے ہیں کہ جنگ کے زمانے میں بادشاہ تمام جاگیر داروں کو اپنا طرفدار بنانے میں کامیاب ہوا ہو۔ یہ اطلاع ہم تک پہنچتی ہے کہ جاگیر دارانہ ریاستیں شاہی فوج کے لیے پیدل سپاہیوں اور گھوڑوں کی مقررہ تعداد فراہم کرتی تھیں۔

حکومت کے دوسرے افسران میں سفیر یا ایلچی کو دوت کہتے تھے۔ ضلع کا افسر وشیہ پتی کہلاتا تھا۔ عام ماتحت افسران آئیکت کہلاتے تھے۔ انصاف کا محکمہ دنڈ تاٹک کے ذمہ تھا۔ داروغہ خاص یا نقیب مہاپرتی ہار کہلاتے تھے۔ پیداوار کے سرکاری حصہ کے وصول کنندگان بھوگ پتی کہلاتے تھے۔ محافظ خانہ کی نگرانی کا کام اکش پٹلک کرتے تھے۔ ادھیکش مختلف محکموں کے نگراں ہوتے تھے۔ چھوٹے عہدہ داروں میں منشی (لیکھک) منشی (کارُنک) ہوتے تھے۔ عام چھوٹے ملازمین یا چپراسی وغیرہ سیوک کہلاتے تھے۔ ہرش کے کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ علاقائی تقسیم پہلے کی طرح برقرار رہی۔ پوری سلطنت صوبوں یا بھکتیوں میں منقسم تھی۔ پھر صوبے کی تقسیم در تقسیم ہوتی تھی۔ ہر صوبے میں کئی ضلعے (وشیہ) ہوتے تھے۔ اس سے بھی چھوٹی اکائی پتھک ہوتی تھی۔ یہ غالباً آج کی تحصیل یا تعلقہ کے برابر ہوتی تھی۔ انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی گرام تھی۔ وشیہّ کا نظم و نسق چلانے کے لیے 20 افراد پر مشتمل ایک مجلس ہوتی تھی جسے وشیہ مہاماترا کہا جاتا تھا۔ اس انجمن کے اراکین مختلف انجمنوں اور شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھتے تھے۔ عدالتوں کی دیکھ ریکھ نیایادھی کرن اور ورمادھی کرن کے سپرد تھی۔ تاجروں اور دست کاروں کی انجمنیں ان کے مسائل اور جھگڑوں کو دور کرتی تھیں۔ محکمہ آثار قدیمہ کی دیکھ بھال پست پال کرتا تھا۔ اکشاتیاسیک محکمہ حسابات کا محاسب ہوتا تھا۔ وہ ارضیات کی منتقلی اور اس کے متعلق دیگر امور کے علاوہ دوسرے فرائض بھی انجام دیا کرتا تھا۔ دیہات کی سطح پر روزمرہ کے معاملات اور قانونی نوعیت کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لیے گرام مہاماترا کی ایک مجلس ہوتی تھی جو گرامک کی معاون ہوتی تھی۔ سماکار ارضیات کی پیمائش کا کام انجام دیتے تھے۔ دوسرے عہدیدار مثلاً گرام ادھیکش، پتالیک اور کرنی حساب کتاب اور دفتر کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

13.7.1 ٹیکس (Taxation)

ہرش کی حکومت میں آمدنی کا خاص ذریعہ اُدرنگ (زمین پر ٹیکس) تھا۔ اس کے عہد حکومت میں تین طرح کے ٹیکسوں کا ذکر ملتا ہے یعنی ''بھاگ''، ''ہرنیہ'' اور ''بلی''۔ بھاگ زمین پر ٹیکس تھا اور جنس کی شکل میں دیا جاتا تھا۔ ہرنیہ ٹیکس کو کسان اور تاجر نقد کی شکل میں دیا کرتے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ بلی لفظ سے مراد کون سا ٹیکس تھا۔ یہ غالباً راجا کو عوام سے ملنے والا تحفہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی پر بھی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ تجارتی اشیا پر ناپ اور تول کے مطابق ٹیکس لیے جاتے تھے۔ زراعتی پیداوار پر پیداوار کا چھٹا حصہ بادشاہ کے لیے تھا۔ جبری مزدوری بھی کرنی پڑتی تھی لیکن اس کے لیے اجرت دی جاتی تھی۔ ہیون سانگ ہمیں بتاتا ہے کہ ٹیکس بہت کم تھے۔ ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ شاہی زمین کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک حصہ سلطنت کے کاموں کے لیے، دوسرا حصہ وزیروں اور افسروں، عملاں کی تنخواہ ادا کرنے کے لیے مختص تھا۔ تیسرا حصہ لائق افراد کو انعام سے نوازنے کے لیے تھا۔ چوتھا حصہ مذہبی فرقوں کو خیرات دینے کے لیے استعمال میں لایا جاتا تھا۔

13.8 معاشرہ (Society)

بان بھٹ اور ہیون سانگ دونوں نے ہرش کے عہد کی سماجی زندگی کا ذکر کیا ہے۔ دونوں نے سماجی زندگی پر تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے ذریعہ پیش کردہ تفصیلات سے ہمیں سماج کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کا پتہ چلتا ہے۔

اعلیٰ اخلاقی زندگی: ہیون سانگ لکھتا ہے کہ اس وقت کے لوگ سماجی اور انفرادی زندگی میں اعلیٰ اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ سچے اور قابل بھروسہ تھے۔ وہ دھوکہ دہی اور فریب سے کوسوں دور تھے۔ شہریوں کی تعریف کرتے ہوئے ہیون سانگ لکھتا ہے: ''حق گوئی اور راست گفتاری ان کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کی گفتگو میں دیوتاؤں جیسی لطافت اور شیرینی پائی جاتی ہے۔ ان کا لب ولہجہ پاکیزہ اور دوسروں کے لیے ایک دنیاوی نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔'' وہ انصاف کے معاملے میں نہایت دیانتدار تھے۔ وہ دنیاوی زندگی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں مرنے کے بعد دنیا کی فکر زیادہ لاحق رہتی تھی۔

شہر: ہیون سانگ نے ہندوستانی شہروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ مکان مختلف قسم کے ہوتے تھے جو کہ لکڑی، اینٹ اور گوبر سے بنے ہوتے تھے۔ شہر کی گلیاں دائرہ نما اور گندی ہوتی تھیں۔ شہر کی دیواریں اینٹوں سے بنی ہوئی تھیں۔ اس نے بتایا ہے کہ بہت سے پرانے شہر تباہ ہو گئے تھے اور نئے شہر تعمیر ہو رہے تھے۔ شہر کی تعمیر مقررہ نقشے کی مطابق ہوتی تھی۔ شہر میں خوب صورت باغات بھی ہوتے تھے اور صاف شفاف پانی کے تالاب بھی۔

ذات پات: چینی سیاح ہیون سانگ نے اس عہد کے سماج کی دل چسپ منظر کشی کی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ذات پات نے ہندو سماج کو جکڑ رکھا تھا۔ برہمن مذہبی امور میں مشغول رہتے تھے اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کشتری حکمراں طبقہ تھا۔ راجا اکثر کشتری ہوا کرتا تھا۔ کشتری بھی سادہ

زندگی گزارتے تھے۔ سامنت اور پجاری عیش و عشرت میں پڑے ہوتے تھے۔ ویشیہ تجارت پیشہ ہوتے تھے۔ شودر کھیتی کے کام میں مصروف ہوتے تھے۔ اچھوت یا شودر گاؤں کے باہر رہتے تھے۔ ان کے ساتھ تفریق کا رویہ جاری تھا۔ کوڑا کرکٹ اٹھانے والے راہ چلتے وقت لکڑی پیٹتے جاتے تھے تاکہ اعلیٰ ذات کے لوگ الگ ہٹ جائیں۔ اگر غلطی سے کوئی ان سے چھو جائے تو اسے غسل کرنا پڑتا تھا اور کپڑا بدلنا پڑتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ذیلی ذاتیں تھیں ذات پات کا فرق ان کی پوشاک سے بھی ظاہر تھا۔ ہیون سانگ کے لفظوں میں کشتریہ اور برہمن اپنے پوشاک وغیرہ کے لحاظ سے صاف طور پر پہچانے جا سکتے تھے۔ وہ گھریلو اور خوش حال زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اکثر ننگے پاؤں چلتے تھے۔ وہ اپنے بال اوپر کو باندھتے تھے اور کانوں کو چھیدتے تھے۔ جسمانی صفائی کا وہ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھوتے تھے۔ استعمال کے بعد لکڑی اور مٹی کے برتنوں کو توڑ دیتے تھے۔ کھانے کے بعد وہ اپنے منہ کو مسواک سے صاف کرتے تھے اور ہاتھ منہ اچھی طرح دھو لیتے تھے۔ ہیون سانگ بتاتا ہے کہ ایک ذات کی شادی دوسری ذات میں نہیں ہوتی تھی۔ ایک ہی ذات کے مختلف طبقوں میں بھی شادی محدود تھی۔ خورد و نوش اور شادی بیاہ کے نقطہ نظر سے مختلف ذاتوں کے کچھ اصول وضع تھے لیکن دیگر سماجی معاملات میں یہ اصول درمیان میں حائل نہیں ہوتے تھے۔ بیوہ کی شادی کا رواج نہیں تھا۔ اعلیٰ طبقے میں پردے کا رواج تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ہیون سانگ کا وعظ سنتے وقت راجیہ شری پردہ نہیں کرتی تھی۔ جہیز اور ستی کی رسم بکثرت تھی۔ رانی یشومتی اپنے شوہر پربھاکروردھن کی چتا کے ساتھ ہی ستی ہو گئی تھی۔ راجیہ شری بھی ستی ہونے ہی والی تھی۔ اس کی جان مشکل سے بچائی گئی۔ ہیون سانگ نے مردوں کی آخری رسومات کے سلسلے میں تین طریقے بتائے ہیں۔ نذر آتش کرنا، پانی میں لاش کو بہا دینا اور لاشوں کو جنگلوں میں چھوڑ دینا۔

لباس: عام طور پر لوگ اپنے جسم پر دو کپڑے استعمال کرتے تھے۔ کپڑوں کی کٹائی یا سلائی نہیں ہوتی تھی۔ انہیں صرف کمر کے گرد باندھ لیا جاتا تھا۔ عورتیں اپنے جسم کو لمبے پوشاک سے ڈھانک لیتی تھیں۔ ان کے کپڑے منقش نہیں ہوتے تھے۔ عام طور پر رنگین کپڑوں کا بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اکثر و بیشتر وہ سفید کپڑے پہنتے تھے۔ شمال مغرب کے لوگ کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ وہ اون اور چمڑے کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ ہیون سانگ ہمیں بتاتا ہے کہ کاریگر ریشم، اون اور سوت کے کپڑے بنانے میں ماہر تھے۔ اس وقت تیار ہونے والے کئی کپڑوں کا اس نے ذکر کیا ہے۔ ''کوشیہ'' کپڑا ریشم اور سوت سے بنایا جاتا تھا۔ سن، جوٹ اور بھانگ سے حاصل اشیا سے ''شوم'' کپڑا یا لنن بنایا جاتا تھا۔ تیسری قسم کا لباس تھا ''کمبل''۔ لباس کی چوتھی قسم تھی کسی جنگلی جانور کے اون کا بنا کپڑا جو بہت عمدہ، ملائم اور آسانی سے کاتنے اور بننے کا لائق تھا۔

زیورات: عوام الناس حالانکہ سادہ کپڑے پہنتے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیورات پہننے کے بہت شوقین تھے۔ ہیون سانگ بتاتا ہے کہ راجا اور اعلیٰ طبقات کے لوگوں کے زیورات غیر معمولی ہوتے تھے۔ قیمتی پتھر کا ''تارا'' اور ہار ان کے سر اور گردن کے زیور ہوتے تھے۔ وہ انگلیوں میں انگوٹھی، کلائیوں میں کنگن اور گردن میں مالا پہنتے تھے۔ دولت مند تاجر صرف کنگن پہنتے تھے۔

خورد و نوش: ہیون سانگ لکھتا ہے کہ ہرش کے عہد میں لوگ بہت زیادہ صفائی پسند تھے۔ ہندوستان میں بہت لوگ کھانے سے قبل ہاتھ پیر دھو لیا کرتے تھے۔ ان چھوئے اور جھوٹے کھانے میں فرق رکھنا ہندوستانی رواج تھا۔ اگر کسی کھانے میں سے ایک لقمہ بھی کھا لیا جائے تو

کھانا جھوٹا ہو جاتا تھا اور ان برتنوں کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا جن میں وہ کھانا پیش کیا جاتا تھا بلکہ اسے پھینک دیا جاتا تھا۔ یہ رواج دولت مند اور غریب دونوں کے درمیان رائج تھا۔ برتن بنا دھوئے استعمال میں نہیں لائے جاتے تھے۔ لکڑی اور مٹی کے برتن ایک بار استعمال کرنے کے بعد توڑ دیے جاتے تھے۔ دھاتوں کے برتنوں کو استعمال کرنے کے بعد اچھی طرح سے صاف کیا جاتا تھا تا کہ اس کا دوبارہ استعمال کیا جا سکے۔ کھانا کھانے کے بعد ہر ایک ہندوستانی منہ دھوتا تھا۔ اتسنگ کا کہنا ہے کہ ایک بار منگولیا کے لوگوں نے سفیروں کی ایک جماعت ہندوستان بھیجی۔ ان کے افراد کو اس لئے مذاق اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ وہ اپنا منہ اور جسم صاف نہیں کرتے تھے۔ ہیون سانگ کے مطابق مقوی مگر سادہ کھانا کھاتے تھے۔ لوگوں کا خاص کھانا گیہوں کی چپاتیاں، بھنے ہوئے دانے، چینی، گھی اور دودھ سے بنی اشیاء تھی۔ کچھ موقعوں پر مچھلی، ہرن اور بھیڑ کا گوشت بھی کھایا جاتا تھا۔ گائے اور بعض جنگلی جانوروں کا گوشت پوری طرح ممنوع تھا۔ زیادہ تر لوگ پیاز اور لہسن کا استعمال نہیں کرتے تھے ان کا استعمال کرنے والے سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ کچھ لوگ گنے اور انگور سے بنی شراب کا استعمال کرتے تھے۔ جو لوگ وضع کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے تھے انہیں شہر بدر کر دیا جاتا تھا۔

آرٹ اور فن تعمیر: ہیون سانگ نے اس وقت کے فن تعمیر کی بہت تعریف کی ہے۔ اس نے خانقاہ کی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مٹھوں کو بہت ہی خوب سورت طریقہ سے بنایا گیا ہے۔ ہر ایک مٹھ کے چاروں کناروں پر ایک بُرج تھا۔ عمارت کے درمیان میں ایک بہت ہی کھلا اور وسیع کمرہ ہوتا تھا۔ مٹھوں کے دروازے پورب کی جانب کھلتے تھے۔ ان کے دروازوں، کھڑکیوں اور دیواروں پر بڑی دیدہ زیب نقاشی کی گئی تھی۔ ہرش کے عہد میں طرز تعمیر گپت عہد جیسا ہی رہا۔ ساتویں صدی کے آرٹ اور فن تعمیر کے اہم مراکز ماہوا، مدیشوری، سارناتھ، گیا، رات پور، تیز پور، ہند سرو غیرہ فن تعمیر اور سنگ تراشی کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ ان تمام مراکز میں مدیشوری کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ ہرش کے 636ء کے کتبہ سے دتتیشور اور سری منڈیشور مندروں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مندر ساتویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائی کے آرٹ اور فن تعمیر کے بے نظیر مثال ہیں۔ اس دور میں فن تعمیر میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ شمالی طرز کی پیچ وخم رکھنے والی بلند قامت چوٹیوں کا ظہور ہونے لگا۔ ہیون سانگ بدھ کے 8 فٹ کے تانبے کے مجسمے کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے نالندہ میں کثیر منزلہ خانقاہ کا ذکر کیا ہے۔ چھتیس گڑھ کے سری پور میں اینٹوں سے بنا مندر ہرش کے عہد کے طرز تعمیر کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

مکانات: اس وقت عام لوگ سادہ مکانوں میں رہتے تھے مگر ان کے مکانات اندر سے بہت خوب صورت ہوتے تھے۔ کئی مکانات بہت اونچے ہوتے تھے۔ ان مکانوں کی بناوٹ چین کے مکانوں سے ملتی جلتی تھی۔ چھتوں کے لیے چورس لکڑی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کے اوپر چونے کا پلاسٹر کیا جاتا تھا۔ فرش کو لوگ گوبر سے لیپتے تھے۔ چھپر والے مکانات اکثر اینٹوں اور تختوں کے بنے ہوتے تھے۔

ادب: ہرش کا عہد ادب کی ترقی کے لئے بھی مشہور ہے۔ ہرش خود عالم تھا اور اس نے تین ناٹک ''رتناولی''، ''پریہ درشکا'' اور ''ناگانند'' لکھے۔ رومیلا تھاپر کے بقول پہلے دو ناٹک کلاسیکی طرز کے طربیہ ہیں اور تیسرے کا سنجیدہ مذہبی موضوع ہے۔ چونکہ سنسکرت اس وقت غالب زبان تھی اس لیے اس نے تینوں ڈرامے سنسکرت میں لکھے۔ ان ڈراموں میں اس کی شاعرانہ ہنر مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان تخلیقات کی جدت

سے اور شاعرانہ طرز کی وجہ سے ہرش وردھن کا موازنہ کالی داس، بھاس، منج اور بھوج سے کیا جاتا ہے۔ سابقہ دور کی طرح اس عہد میں سنسکرت اور پراکرت میں ادب کی تخلیق ہونے لگی۔ پرانوں کے تجزیہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی ہی سے ادب میں نئے موضوعات کا آغاز ہوا جیسے نذرانے، مقدس مقامات کی عظمت و شوکت، عام عبادت اور مورتیوں کی تقدیس، سیاروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قربانیوں کو انجام دینا وغیرہ۔ کمندک کی مشہور تصنیف نِتی سار میں سیاسیات اور امور مملکت کے تعلق سے بحث کی گئی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں کماریل اور گوڑپاڈ کا ویدک فلسفہ کے عظیم ماہرین میں شمار ہوتا ہے۔ کماریل یماسا مکتب فکر کا علم بردار تھا۔ اس نے سلوک وارتک، تانترِ وارتک اور تپتیکا جیسی کتابیں لکھیں۔ شنکراچاریہ کے استاد گوڈ باڈویدک وحدت کے فلسفہ کے اولین ترجمان تھے۔ ہرش نے علم و ادب کی سرپرستی کی۔ ہرش کے دربار کی ادبی فضا سمدر گپت کے دربار کی یاد دلاتی تھی۔ بان، میور اور وواکر جیسے عظیم دانش ور اور ادباء ہرش کے دربار سے وابستہ رہے۔ بان نے ہرش کی سوانح عمری ہرش چرت لکھی۔ اگرچہ بان نے ہرش کی زندگی کے حالات کے تذکرہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے لیکن ہرش چرت میں معاصر زندگی کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ اس کی دوسری تصنیف کادمبری ہے۔ اس کی ایک اور تصنیف چنڈی شتک ہے۔ میور بان بھٹ کا رشتہ دار تھا۔ میور نے سوریہ دیوتا کی مدح میں سوریہ شتک کی تخلیق کی۔ جین مت کا ادیب دیواکرت ایک اچھوت تھا۔ اس نے آفتاب کی تعریف میں کئی بھجن تحریر کئے۔ دواکر کی رتن کوٹ سوتر اور سرودرشن سنگرہ نام کی تخلیقات مشہور ہیں۔ ہرش کے تین ڈراموں یعنی رتناولی، پریہ درشکا اور ناگ نندا میں اس کی شاعرانہ ہنرمندی کا اظہار ملتا ہے۔ فلکیات کے میدان میں ورہ متر کی پنچ سدھانت اور برہم گپت کی برہم سدھانت اور دھیان گرہ اہم تصانیف تھیں۔ بھرتری ہری کے ذریعہ لکھی گئی واکیہ پر میہ قواعد کی ایک اہم کتاب ہے جے سین ہرش کے عہد کا ایک قابل پنڈت تھا۔ ہرش نے اسے 80 گاؤں کی آمدنی دان کی شکل میں دینی چاہی تھی مگر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس دور میں جین مت کے پراکرت ادب اور پالی زبان میں بدھ مت کے تشریحات تحریر کی گئیں۔

تعلیم: ہرش نے تعلیم کے لیے خاطر خواہ اقدام کیے تھے جس کی وجہ سے ہندوستان کی تعلیم کی شہرت نہ صرف ملک کے اندر بلکہ بیرونِ ملک بھی تھی۔ ابتدائی تعلیم چھوٹے چھوٹے مندروں میں دی جاتی تھی۔ طلباء کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے مٹھوں میں جانا پڑتا تھا۔ ٹکشلا کا مٹھ علم طب کے لیے اور گیا کا مٹھ مذہبی تعلیمات کے لیے مشہور تھا۔ تعلیم کے لیے سب سے زیادہ شہرت نالندہ یونیورسٹی کی تھی۔ یہ موجودہ صوبہ بہار کے ضلع راجگیر سے لگ بھگ 11 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کا قیام گپت حکمراں کمار گپت (455-415)ء نے کیا تھا۔ شروع میں یہ بدھ وہار تھا۔ لیکن بعد کے زمانے میں اس نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں نہ صرف ملک کے مختلف علاقوں سے بلکہ بیرون ملک میں چین، تبت، کوریا، منگولیا اور جاپان وغیرہ سے بڑی تعداد میں طلباء تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ ہرش کے عہد میں اس یونیورسٹی میں دس ہزار سے بھی زیادہ طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نالندہ یونیورسٹی کے پورے علاقے کے چاروں جانب اینٹوں کی ایک اونچی دیوار بنائی گئی تھی۔ یونیورسٹی کی عمارتیں عالی شان تھیں۔ طلباء کی رہائش کے لیے الگ عمارتیں تھیں جہاں مطالعے اور رہائش کی تمام سہولیات مہیا تھیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی میں ایک رصدگاہ (Observatory) بھی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی کی ایک اعظیم لائبریری تھی۔ اسے دھرم گنگ کہتے تھے۔ اس لائبریری کی تین عالی شان عمارتیں تھیں جسے رتن ساگر، رتنودھی اور رتن رنجک کہتے تھے۔ یہاں پر طلباء کو مفت تعلیم دی

جاتی تھی۔ ہیون سانگ کے مطابق یہاں پر دس ہزار طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہاں پر 1500 سے زیادہ اساتذہ تعلیم کے لیے مقرر تھے۔ یونیورسٹی کے اخراجات دولت مند لوگوں کے ذریعہ فراہم کردہ رقومات اور دان میں دی گئی زمینوں سے پورے ہوتے تھے۔ ہرش وردھن نے بھی دو سو گاؤں یونیورسٹی کے اخراجات کے لیے دیے تھے۔ یہاں پر داخلے کا عمل آسان نہیں تھا۔ داخلہ کے خواہش مند طالب علم کا پہلے دوار پنڈت کے ذریعہ امتحان لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ ملتا تھا۔ حالانکہ یہ مہایان یونیورسٹی تھی۔ مگر مختلف مذاہب جیسے وید، ہین یان کی تعلیمات، سانکھیہ اور یوگ فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ عام مضامین مثلاً منطق، قواعد، طب، آسٹر ونومی اور آرٹ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہیون سانگ نے اس یونیورسٹی کا دورہ کیا تھا اور کچھ دنوں تک طالب علم کی حیثیت سے وقت گزارا تھا۔ یہاں پڑھائے جانے والے خاص موضوعات بودھ ادب، فلسفہ، حساب، جیوتش، منطق، قواعد، نیائے، درشن، علم کیمیا اور تنتر منتر وغیرہ تھے۔ چندر پال، دھرم پال، ناگار جن، پربھاکر متر، جن متر، گن متی اور شانتی رکشت وغیرہ یہاں کے مشہور اساتذہ تھے۔ یونیورسٹی کا سربراہ اپنے عہد کا مشہور برہمن عالم شیل بھدر تھا۔ ہرش نے دل کھول کر اس کی سرپرستی کی تھی۔ تعلیم کی سرپرستی کے لیے مشہور مورخ آر۔ ایس ترپاٹھی نے ہرش کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'ہرش کو یاد کیے جانے کی خاص وجہ تعلیم کے لیے اس کی فیاضانہ سرپرستی ہے۔'

نالندہ یونیورسٹی کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر آر۔ سی مجمدار کا کہنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ ''نالندہ یونیورسٹی اعلیٰ تعلیمی اصولوں کے لیے نمونہ تھی اور ہندوستان نے ایشیا میں اول تعلیمی ادارے کی شکل میں جو کردار ادا کیا ہے اس کی یہ زندہ جاوید یادگار تھی۔'' سردار کے ایم پانیکر نے تو اس وقت کے تعلیمی ماحول کی وجہ سے 'ہندوستان کو دنیا میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ملک' مانا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی کھدائی سے اس عظیم یونیورسٹی کے آثار کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے تعلیم کے اس عظیم ادارے کے بارے میں چینی سیاح کے ذریعہ فراہم کردہ اطلاعات کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اس میں کئی کلاس روم تھے اور طلبہ کی رہائش کے لیے اس سے ملحق ہوسٹل تھا۔ یہاں پر داخلہ داخلی امتحانات کے ذریعہ ہوتا تھا۔ انٹرینس اتنا مشکل تھا کہ تیس فی صد کے زیادہ طلبہ بھی کامیاب نہیں ہو پاتے تھے۔ ڈسپلن بہت سخت تھا۔ یہاں پر لکچر کے علاوہ مباحثے بھی ہوا کرتے تھے جو تعلیم کے معیار کو بلند کرتے تھے۔ ذریعہ تعلیم سنسکرت تھا۔

13.9 مذہب (Religion)

13.9.1 عام مذہبی حالات (Religious Conditions)

چینی سیاح ہیون سانگ کی تحریروں اور بان بھٹ کی ہرش چرت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہرش کی سلطنت میں تین خاص مذہب پائے جاتے تھے۔ بدھ مت، جین مت اور برہمن مت۔ چند مخصوص علاقوں مثلاً ویشالی، پونڈر وردھن اور سمتٹ میں دگمبر فرقے کے لوگ زیادہ تھے۔ جین مت دوسرے مقامات پر اتنا مقبول نہیں تھا۔ ہیون سانگ کے بقول بدھ مت پورے عروج پر تھا لیکن در حقیقت بعض مقامات مثلاً کوسمبی، شراوستی اور ویشالی میں وہ زوال پذیر تھا۔ بدھ خانقاہیں بودھی زندگی اور عبادت وریاضت کا مرکز تھیں۔ ان کا وجود مکمل طور پر کسانوں کے خیرات وصدقات پر منحصر تھا۔ بدھ مت کے دونوں فرقوں یعنی مہایان اور ہین یان نے بہت زیادہ زور پکڑ لیا تھا۔ چینی سیاح

نے ان دونوں فرقوں کے علاوہ اٹھارہ اور مکاتب فکر کا ذکر کیا ہے جو اپنے مخصوص طریقے پر مذہبی رسوم ادا کیا کرتے تھے اور ذہنی اور علمی اعتبار سے ایک دوسرے سے برتری کے دعوے دار تھے۔ ہرش کی سلطنت میں برہمن مت کے خاص مرکز پریاگ اور وارانسی تھے۔ بدھ مذہب کا مہایان فرقہ بدھ اور بودھستوں کی صرف پرستش کی تلقین کرتا تھا۔ جین اور بدھ مت کی طرح برہمن مت میں مورتی پوجا رائج تھی۔ برہمنوں کے سب سے زیادہ مقبول دیوتا آدتیہ، شیو اور وشنو تھے، جن کی مورتیاں ہر مندر میں نصب کی جاتی تھیں جہاں تمام آداب ورسوم کے ساتھ ان کی پوجا ہوتی تھی۔ برہمن یگیہ کی آگ (اگنی) سلگاتے تھے، گائے کو مقدس مانتے تھے اور خیر وبرکت کے لیے مختلف رسوم ادا کرتے تھے۔ برہمن مت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فلسفے کے متنوع مکاتب فکر اور متعدد راہبانہ مسلک پائے جاتے تھے۔ بان بھٹ نے ان میں سے تین کا ذکر کیا ہے۔ اوّل کپل اور کناد کے پیرو اور اپ نشدوں میں عقیدہ رکھنے والے یعنی ویدانتی، دویم وہ جو خدا کو خالق کائنات (ایشور کرنک) مانتے تھے سویم ملحد جیسے لوکائتک۔ اسی طرح سنیاسیوں کے بھی مختلف طبقے تھے۔ کیش لنچک (سر کے بال اکھاڑنے والے، پاشوپت، پنچ راترک اور بھاگوت وغیرہ)۔ چینی ذرائع میں سانکھیہ، ویشیشک وغیرہ مسلکوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ سب کے سب اپنی پوشاک، رسوم اور عقائد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ وہ گویا تلاش حق میں مصروف رہتے تھے۔ بھیک مانگ کر گزارا کرتے تھے اور ذاتی ضروریات اور آرام کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مسافروں کی آسانی کے لیے مندروں کے نزدیک دھرم شالائیں تعمیر کرائی گئی تھیں جہاں ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ مقدس سنسکرت زبان لوگوں کے درمیان بہت زیادہ مقبول تھی۔

مذہبی اسمبلیاں: ہرش وردھن کی شہرت اس کے ذریعہ مذہبی جلسوں کے انعقاد کی وجہ سے بھی ہے۔ مذہبی تبلیغ اور بطور خاص مہایان فرقے کی تبلیغ کے لیے اس نے مذہبی مجلسوں کا انعقاد کیا جس میں دو مجلسیں اول قنوج کی مجلس دوئم پریاگ کی مجلس بہت مشہور ہے۔

قنّوج کی مجلس: ہرش نے بدھ مذہب کے مہایان فرقے کی تبلیغ کے لیے 643ء میں قنوج میں عظیم الشان مجلس کا انعقاد کیا۔ اس مجلس میں کام روپ کے بھاسکر ورمن کے علاوہ انیس دوسرے حکمرانوں نے بھی شرکت کی۔ اس میں بڑی تعداد میں ہین یان فرقے کے بھکشوؤں، براہمنوں، جینیوں، نالندہ یونیورسٹی کے عالموں اور عام لوگوں نے شرکت کی۔ اس مجلس کے انعقاد کے لیے دو بڑے بڑے ہال بنوائے گئے۔ ان ہالوں میں ایک ہزار افراد بیٹھ سکتے تھے۔ یہاں پر ایک عظیم الشان برج تعمیر کیا گیا۔ جس کے بیچ میں مہاتما بدھ کا قد آدم سونے کا مجسمہ نصب تھا۔ مجلس کی کارروائی کا آغاز ایک شاندار جلوس سے ہوا۔ اس میں ہرش اور بھاسکر ورمن دونوں نے بالترتیب شکر اور برہما کا روپ دھار رکھا تھا۔ جلوس کے اختتام پر ہرش نے روایتی انداز میں مجسمے کی پرستش کی۔ اس کے بعد عوام کو کھانا کھلایا گیا۔ پھر اجلاس شروع ہوا۔ اجلاس کی صدارت ہیون سانگ نے کی۔ ہیون سانگ نے مہایان عقیدے کی خوبیوں پر روشنی ڈالی۔ مہایان فرقے کی عظمت میں اس نے جو دلائل پیش کیے اس کے رد کرنے کی عام دعوت دی گئی۔ مگر کوئی بھی اس کے بالمقابل نہیں آیا۔ پانچ دنوں تک یہی حال رہا۔ آخر میں اس کے حریفوں نے سازش کے ذریعہ اس کا کام تمام کرنا چاہا مگر ہرش کو بروقت اس کا سراغ مل گیا۔ اس نے فوراً یہ اعلان کیا کہ اگر معزز مہمان کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو شرپسندوں کی خیر نہیں۔ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ مناظرہ اٹھارہ دنوں تک اور چلا۔ کوئی بھی اس کے مقابلے کی ہمت نہ کر سکا۔ مناظرہ بالآخر مہایان فرقے کی جیت پر ختم ہوا۔

پریاگ کی مجلس: قنوج کے اجلاس کے بعد ہرش نے پریاگ میں ایک اور مذہبی مجلس کا انعقاد کیا۔ یہ اس کی چھٹی پنج سالہ تقسیم خیرات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس مجلس میں 20 حکمرانوں اور 5 لاکھ سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ اس مجلس میں شرکت کے لیے ہیون سانگ کو بطور خاص دعوت دی گئی۔ حالاں کہ ہیون سانگ گھر واپس جانا چاہ رہا تھا لیکن وہ اس میں شرکت کرنے کے لیے راضی ہو گیا۔ اس کی کارروائی 75 دنوں تک چلتی رہی۔ اجلاس کے پہلے دن شہر میں ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ پہلے دن ہندو عقیدے کے مطابق پوجا کی گئی۔ دوسرے دن آدتیہ دیو (سورج) کی پرستش کی گئی۔ تیسرے دن ایشور دیو (شیو) کی عبادت کی گئی۔ اس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ جس قیمت کے چڑھاوے پہلے دن چڑھائے گئے، اس کی نصف قیمت کے چڑھاوے دوسرے اور تیسرے دن چڑھائے گئے۔ چوتھے دن بھکشوؤں کو بہت ہی فیاضی کے ساتھ تحائف دیے گئے۔ پھر برہمنوں کی باری آئی۔ ان کو بیس دنوں تک مسلسل دان دیے گئے۔ اس کے بعد دس دنوں تک جینیوں اور دوسرے لوگوں کو اور دس دنوں تک بھکاریوں کو بھیک دینے پر صرف کیے گئے۔ اگلے ایک مہینے میں غرباء، یتیموں اور معذوروں کو امداد دی گئی۔ ہیون سانگ نے لکھا ہے کہ ہرش نے شاہی خزانے میں جمع گزشتہ پانچ سال تک کی رقم خرچ کر ڈالی۔ خیرات میں اس نے بے دریغ پیسے خرچ کیے۔ یہاں تک کہ شاہی خزانہ خالی کر دیا۔ آخر میں راجا نے اپنے زیورات اور ملبوسات بھی دان کر دیے۔ سب کچھ دے دینے کے بعد اس نے اپنی بہن راجیہ شری سے پرانے کپڑے مانگ کر پہنے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہرش غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے میں کتنا فیاض تھا اور وہ کتنا بڑا سخی تھا۔

13.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

قدیم ہندوستان کی تاریخ میں وردھن خاندان کے حکمراں ہرش وردھن کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ گپت حکمرانوں کے زوال کے بعد اس نے بہت سارے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس نے سلطنت میں لگاتار توسیع کی۔ ہرش کی شخصیت اور سلطنت کئی لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ ہرش نیک صفت حکمراں تھا۔ عوام کی بھلائی کو وہ اپنا اہم فریضہ سمجھتا تھا۔ اس نے انتظامیہ کو بہت اچھی طرح سے منظم کیا۔ اس نے ملک کی ثقافتی ترقی میں بھی خصوصی دل چسپی کا مظاہرہ کیا۔ وہ مذہبی رواداری کا قائل تھا۔ اس نے تعلیم کی طرف خصوصی توجہ کی۔ نالندہ یونیورسٹی کا قیام اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ چینی سیاح ہیوان سانگ نے ہرش وردھن کے عہد کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی زندگی کا ذکر اپنے سفر نامہ میں کیا ہے۔ ہرش کے عہد کی جان کاریاں ہمیں اس وقت کے اہم مورخ بان بھٹ کی ہرش چرتر ہیون سانگ کی تصنیف سی یو کی اور اتسنگ کی تحریروں سے ملتی ہیں۔ ہرش چرتر اور ہیون سانگ کی تصنیفات میں ہرش کی فوجی مہمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہرش ایک لائق حکمراں تھا۔ اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے اور انتظامیہ کو بہتر طریقے سے چلانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ اس نے اپنی انتظامیہ کی تشکیل پرانے مروجہ بنیادوں پر کی۔ وہ سلطنت کا نگران اعلی تھا۔ اس نے انتظامیہ، عدلیہ اور قانون سازی کے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھوں میں مرکوز کر رکھے تھے۔ بہتر نظم و نسق کے لیے اس نے وزیروں کی ایک کاؤنسل بھی بنا رکھی تھی جس کے لیے منتری پریشد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صوبوں کے انتظام کے لیے بادشاہ کے نائب مقرر کیے گئے تھے۔ اس کی سلطنت میں فوجداری کے قوانین بہت سخت تھے لیکن قوانین کا نفاذ بہتر ڈھنگ سے نہیں ہوتا تھا۔ اس کے عہد میں برہمن چھتری طبقہ کے افراد سادہ زندگی جیتے تھے۔ امراء اور مذہبی

پیشوا عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شودروں کے بارے میں ہیون سانگ کا خیال ہے کہ وہ زراعت پیشہ افراد تھے۔ مہتر، پھانسی دینے والے جلادوں کا شمار اچھوتوں میں ہوتا تھا۔ اچھوت آبادی کے باہر رہتے تھے۔ جب وہ آبادی میں داخل ہوتے تو بلند آواز میں اپنی آمد کا اعلان کرتے تاکہ لوگ ان سے بچ کر چلیں۔ ہرش کا عہد تصنیف و تالیف کے لیے بھی اہم ہے۔ ہرش بہت پڑھا لکھا اور ادب کا دلدادہ بادشاہ تھا۔ وہ عالموں اور ادیبوں کی بہت عزت کرتا تھا اور اس کی سرپرستی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔

13.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

کوشیہ	:	ریشم اور سوت سے بنا کپڑا
زردوزی	:	کپڑوں میں سونے کے دھاگے اس استعمال
ہرش جرتر	:	سمراٹ ہرش کے درباری شاعر بان بھٹ کی لکھی ہوئی ہرش کی سوانح عمری
کوشیہ سوم	:	سن، جوٹ اور بھانگ سے حاصل اشیا سے بنا کپڑا
ہین یان	:	چھوٹا پہیہ، بدھ مذہب کا ایک فرقہ جو پرست سے دور قدیم طرز کو اپنائے ہوئے تھا
مہایان	:	عظیم پہیہ، بدھ مذہب کا ایک فرقہ جو مہاتما بدھ کے مجسمے کی عبادت کرتا تھا
گلڈ	:	پیشہ ورانہ جماعت

13.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

13.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Very Short Answer Type Questions)

1. ہیون سانگ نے ہرش کے عہد میں ریشم اور سوت سے بنے جس کپڑے کا ذکر کیا ہے اسے کیا کہتے تھے؟
2. کون غیر ملکی سیاح بتاتا ہے کہ ہرش کے عہد میں اعلی طبقات کے لوگوں کے زیورات غیر معمولی ہوتے تھے؟
3. ہرش کے عہد میں کن جانوروں کا گوشت پوری طرح ممنوع تھا؟
4. ہرش کے عہد کے ذرائع سے اس وقت کے کتنے خاص مذاہب کا پتہ چلتا ہے؟
5. ہرش نے بدھ مذہب کے مہایان فرقے کے تبلیغ کے لیے کب عظیم الشان مجلس کا انعقاد کیا تھا؟
6. پریاگ میں منعقد مذہبی مجلس ہرش کی کونسی مجلس تھی؟
7. ہرش کے کس کتبہ سے دتیشور اور سری منڈیشور مندروں کا پتہ چلتا ہے؟
8. ہرش نے کل کتنے ناٹک لکھے۔
9. ہرش کے عہد میں نالندہ یونیورسٹی کا سربراہ کون تھا؟
10. ہرش کے عہد میں کتنی قسم کی زمینوں کا ذکر ملتا ہے؟

13.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ہرش کے عہد کے ادبی مآخذ پر روشنی ڈالیے۔
2. ہرش کے عہد کے قبل سیاسی حالات کیسے تھے؟
3. ہرش کی مہمات کا جائزہ لیجیے۔
4. ہرش کے عہد میں ذات پات کا نظام کیسا تھا؟
5. ہرش کے عہد کے لوگوں کے ملبوسات کیسے تھے؟
6. ہرش کے عہد کے آرٹ اور فن تحریر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔
7. ہرش کے عہد میں عام مذہبی حالات کیسے تھے؟
8. ہرش کے عہد کی مذہبی اسمبلیوں پر نوٹ لکھئے۔

13.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہرش کے انتظام حکومت پر روشنی ڈالئے۔
2. ہرش کے عہد کے سماج پر ایک تفصیلی مضمون لکھئے۔
3. ہرش کے عہد میں ادب اور تعلیم کا جائزہ لیجیے۔
4. ہرش کے عہد کے مذہبی حالات کا جائزہ لیجیے۔

13.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Agrawala, Vasudeva Sharana, *The Deeds of Harsha, Being a Cultural Study of Bāṇa*'s Harshacharita, Prithivi Prakashan, 1969.
2. Bennett, Matthew, *The Hutchinson Dictionary of Ancient and Medieval Warfare*, Fitzroy Dearborn Publishers, Chicago, 1998.
3. Devahuti, D., *Harsha: A Political Study*, Oxford, 1970.
4. Sinha, Bindeshwari Prasad., *Dynastic History of Magadha*, *Cir. 450-1200 A.D.*, Abhinav, 1977.
5. Varghese, Alexander P., *India*: *History*, *Religion*, *Vision and Contribution to the World*.
6. ہندوستان کا شاندار ماضی، اے۔ایل۔ باشم/مترجم ایس غلام سمنانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
7. قدیم ہندوستان کی تہذیب و ثقافت تاریخی پس منظر میں، ڈی۔ڈی۔ کوشامبی/مترجم بال مکند ملسیانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
8. تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
9. جنوبی ہند کی تاریخ، کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری/مترجم آر۔کے۔ بھٹناگر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔
10. قدیم ہندوستان۔ایک تعارفی خاکہ، جھا، ڈی۔این، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔

اکائی 14۔ شمالی ہندوستان میں معیشت اور معاشرہ

(Economy and Society in North India)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 ماخذ

14.3 ابتدائی عہد وسطیٰ کے معاشی حالات

14.3.1 زرعی نظام

14.4 تجارت اور کاروبار

14.5 ابتدائی عہد وسطیٰ کی سماجی زندگی

14.6 سامنت واد یا جاگیردارانہ نظام

14.7 کایستھ

14.8 اکتسابی نتائج

14.9 کلیدی الفاظ

14.10 نمونہ امتحانی سوالات

14.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

14.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید (Introduction)

ہندوستان کی تاریخ میں ہرش کی موت کے بعد راجپوت خاندان کی حکمرانی (650-1200 عیسوی) تک کے دور کو عام طور پر عہد وسطیٰ کا ابتدائی دور سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں کسی مرکزی اتھارٹی کی عدم موجودگی کی وجہ سے بہت سی علاقائی طاقتیں ابھریں جن میں سے زیادہ تر چھتری تھے۔ جنہیں اکثر راجپوت کہا جاتا تھا۔ اسی لیے اس دور کو شمالی ہند کی تاریخ میں 'راجپوت دور' کے نام سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ 7ویں-8ویں صدی سے ہم راجپوتوں کا عروج دیکھتے ہیں اور 12ویں صدی تک ان کے 36 قبیلے شمالی ہندوستان میں بہت مشہور ہو گئے تھے۔ راجپوت بہت بہادر اور خوددار تھے اور ان میں جرات، قربانی، علاقائیت وغیرہ کی خوبیاں بھری ہوئی تھیں۔ لیکن باہمی جنگ وجدال اور دشمنی کی وجہ سے وہ ترکوں سے شکست کھا گئے۔ 8ویں سے 12ویں صدی کا عرصہ سماجی واقتصادی تبدیلیوں کے نقطہ نظر سے بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس دور کی سماجی تبدیلیوں کے پیچھے بعض معاشی واقعات کا اہم کردار تھا جس نے قدیم سماجی نظام کے تئیں لوگوں کا رویہ بدل دیا۔ کچھ نئے اہم سماجی طبقات جیسے سامنت (Samanta) اور کایستھ (Kayastha) کے عروج نے اس دور کے سماجی نظام میں اہم تبدیلیاں لائی ہیں۔ اس دور میں تجارت کے زوال کی وجہ سے ویشوں کی سماجی اور معاشی حیثیت میں کمی آئی اور زیادہ تر ویشوں کے زرعی پیشے کو اپنانے کی وجہ سے وہ شودروں کے ساتھ ضم ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں شودر ورن معاشی حیثیت سے مضبوط ہوئے۔ اس کے علاوہ سماج پر مذہب اسلام کا اثر نظر آنے لگا۔ اسلام کے سماجی مساوات کے اصول نے روایتی چتروَرن (Chaturvarna) نظام کو سنگین چیلنجز درپیش کر دیے جس کی وجہ سے ہندو سماج میں قدامت پرستی میں اضافہ ہوا۔ سماج میں عورتوں کی حالت میں مزید تنزلی نمایاں حتی ہے، مثلاً جوہر اور ستی کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ اس دور کی ایک اہم خصوصیت بے شمار ذاتوں کا ظہور تھا۔ ان تمام موضوعات پر اس یونٹ میں بحث کی جائے گی۔

14.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- عہد وسطیٰ کے ابتدائی سماج اور معیشت کے بارے میں جان سکے گیں۔
- سماج کے دو بڑے نئے طبقوں سامنت اور کایستھ کے بارے میں سمجھ سکے گیں۔
- کایستھ طبقہ کس طرح برہمن طبقے کے لیے چیلنج بن گیا تھا؟ یہ سمجھنے کی کوشش بھی کرے گیں۔
- کس طرح تجارت کے زوال کی وجہ سے ویشوں کی حیثیت گرتی گئی اور انہیں شودر میں رکھا جانے لگا جانے گیں۔
- خواتین کی حیثیت میں گراوٹ کا تجزیہ کر سکے گیں۔
- ہندوستان کی بیرونی تجارت میں گراوٹ اور پھر دوبارہ ترقی کو سمجھ سکے گیں۔
- ابتدائی عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں سکوں کی تاریخ کا ایک مختصر تعارف حاصل کر سکے گیں۔

14.2 مآخذ (The Sources)

عہد وسطیٰ کے ابتدائی سماجی اور معاشی حالات کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس ادبی اور آثار قدیمہ دونوں ذرائع موجود ہیں۔ ادبی مآخذ میں بہت سی تفسیریں، مضامین وغیرہ جو بنیادی طور پر دھرم سوتروں اور اسمریتوں پر لکھے گئے ہیں جو اس دور کے سماجی پہلوؤں پر اہم روشنی ڈالتی ہیں۔ مفسرین نے ان ذرائع میں زمانہ قدیم کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس دور کے سماجی نظام کو سمجھنے کے لیے دیابھاگا(Dayabhaga)، یاگیہ والکیا (Yagyavalakya) ، منواسمرتی، پاراشر (Parashara) اور نارداسمرتیاں وغیرہ بہت ہی اہم ہیں جن پر بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ نویں صدی میں منواسمرتی پر میدھاتیتھی(Medhatithi) کی تفسیر اور گیانیشور(Vijnaneshwar) کی یاگیہ والکیاپر تفسیر متاکشرا (*Mitakshara*) زیادہ مشہور ہیں۔ وراثت میں خاندان کے مختلف بیٹوں کا کیامقام تھا وغیرہ متعلق موضوع پر دائبھاگ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ دھرم سوترا اور اسمرتی خواتین کی حالت پر خصوصی روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں شادیوں کی آٹھ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض شادیوں کو مذہبی اور بعض کو غیر مذہبی قرار دیا گیا ہے۔ عورتوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور نیوگ یا بیوہ کی دوبارہ شادی ہوسکتی ہے یا نہیں اس کے احکام تفصیل کے ساتھ ان میں درج کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ خاندان، جائیداد، ورن نظام اور انتیاج (*Antyaja*) کی تاریخ کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ معاشی حالت کا بھی ان دھرم سوتروں اور اسمرتوں سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں تاجروں اور کاریگروں کے شرینی (Guilds) پر بحث کی گئی ہے۔ شرینیوں کے اندرونی کاموں، ان کے اپنے مروجہ قواعد، تجارت اور سزا کے لیے سکوں کے استعمال کا ذکر ملتا ہے۔ سود کے نظام پر بھی اس کی تفصیلات زیادہ اہم ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ سوانح عمری ملتی ہیں جن سے سماج کی جاگیر دارانہ (سامنتی) نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں بنیادی طور پر بن بھٹہ کی ہرشچرت، بنگال میں سندھیاکر نندی (Sandhyakar Nandi) کی راماپاچرت، کلیانی کے چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ کے درباری بلہن (Bilhana) کی وکرمانکادیوچرت (*Vikramankadevcharitram*) وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ 12ویں اور 13ویں صدی میں بڑھتی ہوئی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے گجرات میں بہت سے سیٹھ چریتر (*Seth Charitra*) لکھے گئے۔ ان میں سے ایک جگڈوچرتر (*Jagdu Charitra*) ہے جو اس وقت مغربی ہندوستان کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتی ہے۔ ابتدائی تاریخ نگاری کی بہترین مثال راجترنگینی ہے۔ اس میں کشمیر کے حکمرانوں کے کردار کی بات کی گئی ہے۔ اسے کلہنہ نے 12ویں صدی میں مرتب کیا تھا۔ اس کتاب میں ابتدائی عہد وسطیٰ کی سماجی تنظیم اور زمینی نظام میں ہونے والی تبدیلیوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

مذکورہ ذرائع کے علاوہ کچھ اور اہم مآخذ بھی ملتے ہیں جن کا تنقیدی مطالعہ اس دور کی سماجی، معاشی اور ثقافتی حالت کے بارے میں بہت اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ ان ادبی تصانیف میں مروتنگا (Merutunga) کی پربندھ چنتامنی (*Prabandha Chintamani*)، ہیم چندر (Hemchandra) کی کمار پال چرت (گجرات کے چالوکیہ حکمراں کمار پال کی تاریخ)، چھیمیندر (Kshemendra) کی برہت کتھا منجری (*Brihatkathamanjari*)، کاویہ میمانسا (*Kavyamimansa*)،

کرپور منجری(*Karpuramanjari*)،ودھاسال بھنجیکا(*Viddhasalbhanjika*)،راجشیکھر(Rajshekhara)کی بھونکوش (*Bhuvankosha*)،چندر بردائی کی پرتھوی راج راسو، گووند چندر کے وزیر لکشمی دھر کی لکھی ہوئی کرتیہ کلپترو (*Krityakalptaru*) اور پرمار راجپوت راجہ واکپتی منج اور سندھوراج کے درباری شاعر پدم گپت کی نوشثانک چرت وغیرہ شامل ہیں۔یہ سبھی ذرائع راجپوت دور کی سماجی اور ثقافتی تاریخ کے سمجھنے میں کافی اہم ہیں۔

ایک اور اہم متن جو ابتدائی عہد وسطیٰ کے زرعی نظام پر روشنی ڈالتا ہے وہ کرشی پراشار(Krishi Parashar)ہے،جو پراشار مصنف کو منسوب ہے، جسے 10ویں-11ویں صدی کے دوران بنگال کے علاقے میں لکھا گیا تھا۔یہ کتاب سنسکرت نظم کی شکل میں مرتب کی گئی ہے جس کی زبان اور اسلوب سادہ اور واضح ہے۔کرشی پراشار آبپاشی کی کسی بھی شکل کو بیان نہیں کرتا ہے، صرف بارش کے علم کو زراعت کی بنیاد کے طور پر قبول کرتا ہے۔اس متن میں زراعت سے متعلق آلات اور فصلوں بالخصوص چاول پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔عہد وسطیٰ سے پہلے کے زرعی نظام کو سمجھنے کے لیے یہ ایک اہم ادبی ذریعہ ہے۔ سنسکرت ادب کے علاوہ عربی ادب میں بھی چند ماخذ موجود ہیں جن میں شمالی ہندوستان کی سماجی حالات کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے، جس میں البیرونی کی کتاب الہند کا نام سب سے اول ہے۔اس کے علاوہ اتبی کی تاریخ یمنی کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ آثار قدیمہ کے ذرائع کی اپنی ایک الگ اہمیت ہے۔ان کے بغیر عہد وسطیٰ کی تاریخ کا خاکہ پیش کرنا تقریباً ناممکن ہوگا۔ ان ذرائع میں حکمرانوں کے منظور کردہ لینڈ گرانٹ کے خطوط،نوشتہ جات،پراشتی، مندر، فن تعمیر اور سکے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ گوالیار کا نوشتہ گجر پر تیہار خاندان کے حکمراں مہر بھوج کا، گہڑوال کی ملکہ کمار دیوی کا سارناتھ کا نوشتہ، شاکمبھری راجہ سومیشور کا بجولیا پتھر کا نوشتہ، پرمار بادشاہ اُدیادتیہ کی ادے پور پرشستی (مدھیہ پردیش کے بھلسہ کے نزدیک اُدیہ پور نامی مقام پر نیلکنٹھیشور مندر کی ایک سلیب پر کندہ)اور چندل بادشاہ دھنگ کے خاجوراہو وغیرہ کے اہم نوشتہ جات ہیں جو شمالی ہند کے مختلف مقامات سے حاصل کیے گئے ہیں جو راجپوت دور کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔جدید تحقیق میں قبل عہدِ وسطیٰ کو جاننے کے لئے کتبات(Epigraphy)کی طرف کافی توجہ دی جا رہی ہے اور کچھ نئے کتبات ملے ہیں جن سے بہت ساری نئی تحقیق سامنے آ رہی ہے۔چند جدید مورخ جیسے بی پی ساہو اور رنبیر چکرورتی نے اس میں اپنی تحقیق کے ذریعہ نئی باتوں کو سامنے لایا ہے۔

14.3 ابتدائی عہد وسطیٰ کے معاشی حالات

(Economic Conditions during the Early Medieval Period)

14.3.1 زرعی نظام (Agriculture)

ابتدائی عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں زمینی عطیات کے سینکڑوں ریکارڈوں کے ذریعے سے اس دور کے زرعی نظام کے علم میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے۔عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں زراعت ہی لوگوں کی بنیادی ذریعہ معاش تھی۔اس وقت تک زراعت پوری طرح ترقی یافتہ

کر چکی تھی۔ مختلف قسم کے اناج پیدا ہوتے تھے۔ ہیماچندر کی پر بندھ چنتامنی میں سترہ قسم کے دھانیا (Dhanya) کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں دھانیا سے مراد اناج ہے۔ شونیا پران سے پتہ چلتا ہے کہ بنگال میں چاول کی پچاس سے زیادہ اقسام پیدا ہوتی تھیں۔ مانا سولاس (*Manasollasa*) جسے ابھیلاشیتار تھ چنتامنی (*Abhilashitarth Chimtamani*) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، چلوکیہ خاندان کے بادشاہ سومیشوار اسوم کی ایک تصنیف ہے جس میں مختلف رنگوں اور خوشبوؤں والے چاول کی آٹھ اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گندم، جو، مکئی، کودو، تل، مختلف اقسام کی دالوں، گنے اور کپاس وغیرہ کا بھی ادب اور نوشتہ جات میں ذکر ملتا ہے۔ تل، کپاس اور گنا تجارتی فصلیں تھی۔ لیکن اس وقت اضافی پیداوار کے لیے کوئی خاص تراکیب نہیں اپنائے گئے۔ کیونکہ کسان جتنی زیادہ پیداوار کرتے تھے جاگیرداروں کی مانگ میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس لیے کسان کم سے کم اناج پیدا کرنا فائدہ مند سمجھتے تھے۔

کاشتکاروں کو مختلف قسم کے ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے نوشتہ جات میں بھوگ (بادشاہ کے استعمال کے لیے رعایا کی طرف سے وقتاً فوقتاً دیا جاتا تھا)، بھاگ (کاشتکاروں سے پیداوار میں حصہ کے طور پر لیا جاتا ہے)، بلی (بادشاہ کو تحفہ کے طور پر حاصل ہوتا تھا)، دھانیا (ایک مخصوص قسم کے اناج پر عائد ٹیکس)، ہرنیا (نقد میں جمع کیا جانے والا ٹیکس)، اوپریکر اور اُدرنگا (زمین پر عارضی اور مستقل طور پر رہنے والے کسانوں سے وصول کیا جانے والا ٹیکس) اور ادک بھاگ (آبپاشی ٹیکس) وغیرہ کا ذکر ملتا۔ زمین کی ملکیت کے تصور کے بارے میں مورخین کے درمیان کافی بحث ہوتی رہی ہے۔ شاید زمین بادشاہ اور کسان دونوں کی ملکیت تھی۔ خوردہ سامان بیچنے والے تاجر پرونیکر دیا کرتے تھے۔ 12 ویں صدی کی ایک تصنیف اپراجت پرچھا (بھون دیو کی تشکیل) میں آبپاشی کے مختلف ذرائع پر تفصیلات درج کی گئی ہیں جس میں تالاب، جھیلیں، کنویں، ندیاں، اور ارھٹ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکمرانوں، اشرافیہ اور تاجروں کی طرف سے تالابوں، جھیلوں، کنویں، واپی (قدیم سیڑھی والے کنویں) کے کھدوانے کے بے شمار ثبوت پیش کیے جا سکتے ہیں۔ چاہمانا بادشاہ ارنوراج اور اس کے بیٹے بیسل دیو نے بالترتیب اناساگر جھیل اور بیسلسر نامی تالاب کھودا تھا۔ چندیلا اور پرمار حکمرانوں کے دور میں مہوبہ اور دھارا نگری میں بہت سی جھیلیں تعمیر کی گئیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ چلوکیہ بادشاہوں نے زراعت کی توسیع کے لیے محکمہ آبپاشی قائم کی تھی۔ آٹھویں صدی سے لے کر اب تک ادب اور کتبات میں ارگھٹ یا ارہٹ کا ذکر نمایاں طور پر ملتا ہے۔

14.4 تجارت اور کاروبار (Trade and Commerce)

ابتدائی عہدِ وسطیٰ کے دور کو عام طور پر معاشی نقطہ نظر سے دو مراحل میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ (1000-650 عیسوی) کو معاشی زوال کا دور قرار دیا گیا ہے۔ اس دوران تجارت اور کاروبار میں کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔ رومی سلطنت کے زوال کی وجہ سے مغربی ممالک کے ساتھ ہندوستان کی تجارت رک گئی۔ اس کے علاوہ بازنطینیوں نے خود ریشم بنانے کا علم براہ راست چین سے حاصل کیا جس سے روم سلطنت کو ہندوستانی ریشم کی سپلائی بند ہو گئی۔ اسلام کے عروج نے بھی ہندوستان کی زمینی تجارت کو متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں سونے کے سکوں کی عدم موجودگی نظر آتی ہے۔ سونے کے سکوں کی گردش رک گئی اور بہت کم چاندی اور تانبے کے سکے بنائے گئے۔ شہر اور شہری زندگی میں بھی زوال صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ شہروں کے زوال کی وجہ سے تاجروں نے دیہات کا رخ کیا۔ ملک میں کئی اقتصادی اور

انتظامی اکائیاں منظم کی گئیں جو اپنے آپ میں مکمل طور پر آزاد تھیں۔ لیکن شہروں کے زوال کے مفروضے پر بھی کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ اپندر ا سنگھ اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف اینشینٹ اینڈ ارلی میڈیول انڈیا (History of Ancient and Early Medieval India) میں بتاتی ہیں کہ چٹوپادھیائے کے مطابق عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں کچھ شہری مراکز کا زوال ضرور ہوا، لیکن زیادہ تر شہر قائم رہے اور یہی نہیں بلکہ کئی نئے مرکزی شہر بھی ابھرے۔ ہوین سوانگ نے کوشامبی، شراوستی، ویشالی اور کپل وستو کی خستہ حالت کا بیان کیا ہے لیکن اس نے تھانیشور، وارانسی، کنیا کوبج جیسے شہروں کی خوشحالی بھی بیان کی ہے۔ شہری زندگی کے تناظر میں عصری ادبی مواد، مجسموں اور تعمیراتی نمونوں کی ایک بڑی تعداد پیش کی جاسکتی ہے جنھیں مکمل طور پر نہیں تو بڑے پیمانے پر شہری اشرافیہ کی سرپرستی حاصل رہی ہوگی۔

سامنتوں نے خود مختار دیہی معیشت کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ جاگیردار اپنی اپنی ریاستوں میں تاجروں سے چنگی محصول وصول کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے لیے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا بہت مشکل تھا۔ نقل و حرکت کے راستے بھی محفوظ نہ تھے۔ کچھ مقامی سامنتوں کے ذریعہ ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر تاجروں کو بھی لوٹا جاتا تھا۔ چندیلا خاندان کے چند عطیہ خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کے ساتھ ساتھ تاجروں کو بھی مذہبی گرانٹس سے مستفید ہونے والوں کو منتقل کر دیے جاتے تھے۔ تاجروں کی پست حالت کا اشارہ سکندر پران کے اس بیان میں بھی ملتا ہے کہ راجپتروں پر انحصار کی وجہ سے کل یوگ میں تاجروں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس دور میں فاضل پیداوار کی کمی نے دور دراز کے ممالک کے ساتھ تجارت کو متاثر کیا اور انہیں محدود کر دیا۔ مسلسل جنگوں کی وجہ سے بھی تجارت کی ترقی متاثر ہوئی۔ تجارت اور کاروبار کے زوال کی وجہ سے تاجروں اور کاریگروں کو ایک جگہ رہنے پر مجبور ہونا پڑا اور ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ آمد و رفت کم ہوگئی۔ اس طرح اس دور کی معیشت مسدود ہوگئی اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں دیہی علاقے زیادہ سے زیادہ اقتصادی نقطہ نظر سے کافی خود کفیل ہوگئے۔ انہیں اپنی ضرورت کی چیزیں خود تیار کرنی پڑتی تھیں۔ دیہاتوں میں رہنے والے تاجر، دستکار اور کاریگر مقامی صارفین کے استعمال کے لیے سامان تیار کرتے تھے۔ سماجی نقل و حرکت کی کمی کے نتیجے میں لوگوں میں مقامیت کا مضبوط احساس پیدا ہوا۔

کچھ تاریخ داں کا یہ ماننا ہے کہ تین بااثر خاندانوں (راشٹر کوٹوں، پال، اور پرتیہاروں) نے تین سو سال سے زائد عرصے تک شمالی ہندوستان و دکن پر حکومت کی لیکن ابھی تک یہ یقین سے نہیں کہا جاسکا ہے کہ خاص قسم کے سکے پالوں اور راشٹر کوٹوں نے جاری کیے ہوں۔ مسکوکات کی نئی تحقیق سے راشٹر کوٹا کے کئی سونے' چاندی اور تانبے کے سکے شائع ہو چکے ہیں۔ پرتیہار حکمرانوں کے چاندی کے سکے (آدی ورا طرز کے سکے) ملتے ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے اور وہ زیادہ تر نویں صدی کے بعد کے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اگنی ویدیکا کی تصویر کشی کرنے والے گدھیا سکے (Gadhaiya Coins) راجستھان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں پائے گئے ہیں لیکن دیوناگری میں لکھے ہوئے سکے دسویں گیارہویں صدی سے پہلے کے نہیں ملتے۔ گدھیا سکے بنیادی طور پر ملک کے شمال مغربی حصے تک محدود تھے۔ اس کے علاوہ شمالی ہند کا سب سے مشہور سکہ جسے Bull/Horseman کہا جاتا ہے بہت بڑی تعداد میں موجود ہے۔ یہ سکہ کابل کے ہندو شاہی بادشاہوں نے شروع کیا اور بعد میں دوسرے راجپوت راجاؤں نے ان سکوں کو چلایا یہاں تک کہ یہ سکے غزنوی اور غوری کے علاوہ دہلی سلطنت کے

حکمرانوں نے بھی چلایا۔ کشمیر میں 6ویں سے 10ویں صدی کے درمیان چار سو سال تک سکوں کی ایک بلا روک ٹوک روایت تھی۔ ان علاقوں کے حکمرانوں کے جاری کردہ سکے بظاہر تجارت اور مختلف قسم کی خدمات کے معاوضے کے لیے تھے۔ یہ بات اہم ہے کہ قدیم روایتی زمینی عطیات جن کے ذریعے ملک کے بیشتر حصوں میں مختلف خدمات کی ادائیگی کی گئی تھی ان علاقوں میں ایسا دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس طرح 11ویں صدی سے قبل سکے کی عدم موجودگی اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ابتدائی قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں تجارتی میدان میں بہت کمی آگئی تھی اور شہر زوال کے شکار تھے۔ یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ علمِ مسکوکات اس بات کو قطعی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اس دور میں سکے نہیں تھے اور تجارت کا زوال ہو رہا تھا۔ اس بات کی John Doyell نے بھی اپنی کتاب *Living Without Silver* میں وضاحت سے کی ہے۔

عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے دوسرے مرحلے (1200-1000 عیسوی) سے ہم تجارت اور کاروبار کی حالت میں بہتری دیکھتے ہیں۔ 10ویں صدی کے بعد مغربی ممالک کے ساتھ ہندوستان کی تجارت میں ایک بار پھر اضافہ ہوا جس سے ملک کی اقتصادی ترقی کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس دور میں سکوں کی گردش دوبارہ شروع ہوئی۔ ہندوستان میں مسلم اقتدار کے قیام کے بعد مسلمان تاجروں اور سوداگروں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ جس کے نتیجے میں شمالی ہند میں تجارت و کاروبار نے ترقی کی۔ بارہویں صدی تک ملک اقتصادی طور پر کچھ حد تک ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ نقل و حمل کی سہولت کے لیے ملک کے بڑے شہروں کو سڑکوں کے ذریعے جوڑ دیا گیا۔ اس عرصے کے دوران اندرونی اور بیرونی تجارت میں نمایاں طور پر ترقی ہوئی۔ البیرونی نے ہندوستان کے بڑے شہروں کو ملانے والے راستوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ زمینی راستوں کے علاوہ آبی راستے بھی تھے۔ بڑے شہر دریاؤں کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔ بیرونی ممالک کے ساتھ تجارت سمندر کے ذریعے ہوتی تھی۔ ہندوستانی کارگو جہاز عرب، فارس، مصر، چین اور مشرقی جزائر وغیرہ کو جاتے تھے۔ چین اور ہندوستان کے درمیان تجارت میں اضافے کے تناظر میں تجارتی راستوں میں بھی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ آٹھویں صدی کے بعد سے بھارت اور چین کے درمیان زمینی راستوں کی بجائے سمندری راستے استعمال ہونے لگے۔ ان میں سے ایک سمندری راستہ جزائر انڈمان اور نکوبار سے گزرتا تھا اور دوسرا راستہ خلیج بنگال کی بندرگاہوں (خصوصاً تامرلپتی بندرگاہ) سے ہوتے ہوئے ساترا کے راستے جنوبی بحیرہ چین تک جاتا تھا۔ سمندری راستوں کو ترجیح دینے کے پیچھے جہاز رانی کی ٹیکنالوجی میں تبدیلی بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ ان کے علاوہ مالابار، کورومنڈیل یا گجرات کی بندرگاہیں زیادہ اہم تھیں جن کا ذکر عرب سیاحوں نے اپنے احوال میں درج کیا ہے۔ عرب تاجر اور سوداگر مغربی ایشیا اور مصر سے ہندوستان پہنچتے تھے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی میں جب کچھ بڑی راجپوت ریاستیں جیسے چوہان، پرمار اور چندیلا وغیرہ قائم ہوئیں اور سیاسی غیر مرکزیت کے رجحان میں کمی آئی تو تجارت اور کاروبار کی ترقی ہوئی۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ پرمار حکمران مہر بھوج کی تجارت میں گہری دلچسپی کا ثبوت اسکے تصنیف یکتی کلپترو (*Yuktikalpataru*) سے ملتا ہے جس میں مختلف قسم کے تجارتی جہازوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ جہاز کی تعمیر کی تفصیلات دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ تختوں کو لوہے کی کیلوں کے بجائے رسی سے جوڑنا چاہیے کیونکہ کیلوں کی وجہ سے مقناطیسی پتھر جہاز کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ یہ تفصیل شپنگ انڈسٹری کی ترقی کا ثبوت بھی دیتی ہے۔ پربندھ کوش

سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست نے تاجروں اور کاروباریوں کے تحفظ کے لیے فوجی مدد بھی فراہم کیا کرتے تھے۔ تاجر بہت زیادہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہویں صدی کے بعض ادب میں تاجر طبقے کو 'راجہ کا خزانہ' کہا گیا ہے۔ چالو کیا حکمراں کمار پالا نے شاید جین مت کو سرکاری سرپرستی فراہم اس لیے کی تھی تاکہ تاجروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات برقرار رہیں کیونکہ زیادہ تر تاجر اور کاروباری جین مت کے پیروکار تھے۔ ان کے علاوہ چالوکیوں کی انتظامی تنظیم میں مہامتیا اور دنداد ھیپتی جیسے اہم عہدوں پر تاجروں کی تقرری بھی تاجروں کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی میں تجارت کے احیاء کی ایک اہم وجہ فاضل پیداوار کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ وسطیٰ اور مغربی ہندوستان میں گنے، کپاس اور سن جیسی نقد فصلوں کی کاشت بڑے پیمانے پر ہونے لگی۔ ان سے تیار کردہ سامان دیہی تاجر خریدتے تھے اور بندرگاہوں پر بھیج دیتے تھے جہاں سے وہ برآمد ہوتے تھے۔ تجارت کی ترقی کی وجہ سے عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے دوسرے مرحلے میں سکے اور مہریں بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اس دور میں مرکزی ہندوستان کے علاقے سے سونے اور چاندی کے لچھمی طرز (Lakshmi Type) کے سکے ملتے ہیں۔ ان میں کچھ حکمرانوں کا نام جیسے تریپوری کے گانگے دیو مشہور ہے۔ سکوں کی دوبارہ گردش کے باعث دکانداروں اور تاجروں سے نقدی کی صورت میں ٹیکس وصول کیا گیا۔ معاشی میدان میں ہم اس وقت ساہوکاروں کی اہمیت کو بڑھا ہوا پاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اب قرض پر شرح سود بڑھ کر 25 فیصد سے 30 فیصد ہوگئی تھی جس کی وجہ سے سود خور مزید ترقی کر گئے تھے۔

اس دور کے ادب اور کتبے سے مختلف قسم کے کاروباریوں اور دستکاروں کی تفصیلات فراہم ہوتے ہیں جس میں تیلک (Tailik)، رتھکار (Rathakara)، بڑھئی (Carpenter)، مالاکار، کلال (شراب بیچنے والے) وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ البیرونی نے جوتا سازی، ٹوکری سازی، ڈھال سازی، ماہی گیری، کتائی، بُنائی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اس دور کے بیشتر شہروں کی تعمیر میں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے استعمال کیے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر تراشنے کی صنعت بہت ترقی یافتہ حالت میں رہی ہوگی۔ لوہے کے ہتھیاروں، دھاتی برتنوں اور زیورات کا کاروبار بھی ترقی یافتہ تھا۔ ابتدائی عہد وسطیٰ کے ذرائع لباس کی وسیع اقسام کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ جو روئی کے ساتھ ساتھ اون، سن اور ریشم وغیرہ سے تیار کیے جاتے تھے۔ شمالی ہندوستان میں گنے کی صنعت کی ترقی یافتہ حالت در حقیقت گنے کی کاشت، اس کی مصنوعات، گنے کی کرشنگ مشینری اور ان مصنوعات کی تیاری اور تقسیم میں شامل لوگوں کے متعدد حوالوں کے مشترکہ اثر سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت ہندوستانی چینی کی صنعت پوری دنیا میں مشہور تھی۔ ان کے علاوہ شراب بنانے کی صنعت ایک وسیع پیمانے پر رائج فن تھا۔ 7 ویں صدی کے چینی سیاح ژوان زانگ (ہوین شانگ) سے لے کر 12 ویں صدی کی ڈرامہ نگاری موہراج پراجیا (*Moharajparajaya*) سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شراب ریاست کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھی، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب بڑے پیمانے پر تیار کی جاتی رہی ہوگی۔ راجستھان کی سانبھر جھیل سے نمک تیار کیا جاتا تھا۔ تاجروں، دستکاروں اور کاروباریوں کے مختلف شرینی (Guilds) بھی تھے۔ زیادہ تر گلڈز کے اپنے اسمبلی ہال تھے جہاں ان کے اراکین بیٹھ کر بحث و مباحث کیا کرتے تھے۔ ان کے اپنے اصول اور قوانین تھے جن کا ریاست بھی احترام کرتی تھی۔ شرینیوں کا بنیادی کام تجارتی پیداوار میں اضافہ کرنے کے ساتھ تقسیم اور

استعمال کی اشیاء کا مناسب انتظام کرنا تھا۔ لیکن اس دور کی شرینی نظام اور قدیم دور کی شرینی نظام میں توازن نہیں تھا۔ اُنکی حالات میں گراوٹ دیکھنے کو ملتی ہے جس کی بنیادی وجہ معیشت پر جاگیرداروں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس دور میں جنوبی ہندوستان میں حقیقی بااختیار شرینی کے تصورات واضح ہوتے ہیں۔ کاریگروں اور ان کے دیہی گاہکوں کے درمیان ایک خاص رشتہ تھا جو بعد میں جاجمنی نظام کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ کاریگر زرعی پیداوار کے ایک مقررہ حصے کے بدلے کاشتکار خاندان کو ایک مقررہ تعداد میں خدمات فراہم کرتے تھے۔ مغربی ہندوستان سے ایک متن، لیکھاپدھتی، پانچ کروکاروں کا تذکرہ کرتا ہے (کارو مغربی ہندوستان میں ایک پیشہ ور گروہ تھا) اس عمل کے وجود کی تصدیق کرتا ہے۔

14.5 ابتدائی عہد وسطیٰ کی سماجی زندگی (Social Life in Early Medieval India)

ابتدائی عہد وسطیٰ کا معاشرہ روایتی ورن نظام پر مبنی تھا۔ لیکن اس دور کے ورن اور ذات پات کے نظام میں پیچیدہ اصول نظر آتے ہیں۔ اس وقت ذات پات کے نظام کی سختی بڑھ گئی اور ہندو سماج کی قبولیت اور رواداری میں کمی آئی۔ اس کی ایک وجہ سماج پر اسلام کے اثرات سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسلام کے سماجی مساوات کے اصول نے ورن نظام کے لیے ایک سنگین چیلنج کھڑا کیا جس کے نتیجے میں ہندو سماج میں قدامت پرستی کو فروغ ملا۔ سماج میں پاکیزگی برقرار رکھنے کے لیے شادی بیاہ، کھان پان اور اچھوت پرستی میں مزید سختی کی گئی۔ جاگیردارانہ نظام، تجارتی زوال، شہری زندگی کے زوال نے لوگوں میں مقامیت کا احساس پختہ کردیا۔ جس کی وجہ سے ایک ذات کا آدمی اسی ذات کے دوسرے علاقائی آدمی کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگا۔ جس کی وجہ سے کئی ورنوں، ذیلی ورنوں اور کئی ذاتوں کا عروج اس دور کی ایک اور خصوصیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے ذات (پرتی لوم) شادیوں کا رواج رک گیا اور سماجی تعلقات مکمل طور پر تنگ ہو گئے۔ برہمنوں کو دوسرے ورنوں کے یہاں پر کھانا کھانے سے منع کیا گیا تھا (سوائے تنگ حالات کے) یہ لوگ اپنے رشتہ داروں کے علاوہ کسی کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ البیرونی کتاب الہند میں لکھتے ہیں کہ جب دو برہمن کھانے کے لیے بیٹھتے تھے تو اپنے درمیان کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھتے تھے یا لکیر کھینچ لیتے تھے۔ برہمنوں کی کچھ ذاتیں اتنی قدامت پسند تھیں کہ وہ ان برہمنوں کو نیچ ذاتی سے منسوب کرتی تھیں جنہوں نے غیر ویدک مذاہب جیسے جین وغیرہ کو قبول کرلیا ہو۔ بیرون ملک سفر اور غیر ملکیوں سے رابطے پر پابندی تھی۔

ہمیشہ کی طرح اس دور میں بھی برہمنوں کو ایک باوقار مقام حاصل تھا۔ انہیں راجپوت حکمرانوں کے وزیر اور مشیر مقرر کیا جاتا تھا۔ لیکن کایستھ وں کی شکل میں برہمنوں کا ایک حریف طبقہ ابھر چکا تھا جس پر بعد میں بات کی جائے گی۔ زیادہ تر برہمن اپنی زندگی مطالعہ، قربانی اور تپسیا وغیرہ میں گزارتے تھے۔ ان کی زندگی بہت مقدس سمجھی جاتی تھی۔ وہ گوشت اور شراب نہیں پیتے تھیں۔ چھتریہ ورن کے لوگ جنگ اور حکومت کا کام کرتے تھے۔ اس دور کے راجپوت اعلیٰ طبقے کے جنگجو ہوا کرتے تھے۔ ان میں جرات، عزت نفس، شجاعت اور علاقائیت کے جذبات بھرے ہوئے تھے۔ ویشیا ذات کے لوگ کاروبار کرتے تھے اور سود کے کاروبار میں بھی مصروف تھے۔ شودر کا کام زراعت، دستکاری اور دیگر ورنوں کی خدمت کرنا تھا۔ ویشیا اور شودر ذات کے لوگوں کو وید پڑھنے اور منتر پڑھنے کا حق نہیں تھا۔ برہمنوں اور چھتریوں کو سماج میں

اعلیٰ مقام حاصل تھا اور انہیں قربانی (Ritual) کی اجازت تھی، خصوصاً پیدائش اور موت پر کیا کرتے تھے۔ ویشہ اور شودر کو یہ اجازت نہیں تھی، لیکن بعد میں ویشہ کو بھی کچھ Ritual کی اجازت دی گئی تھی۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کے سماج میں ایک اہم تبدیلی یہ تھی کہ ویشیاورن کی سماجی حیثیت میں گراوٹ آئی اور اسے شودروں کے ساتھ ورن نظام میں جگہ دی گئی۔ اس کی بڑی وجہ اس دور کے پہلے مرحلے میں تجارت اور کاروبار کا زوال تھا۔ اس وقت شودروں کا زراعت سے تعلق ہونے کی وجہ سے ان کی معاشی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی۔ پراشر اسمرتی میں ویشوں اور شودروں کے لیے ایک قانون بنایا گیا ہے کہ وہ زراعت، تجارت اور دستکاری کا کام یکساں طور پر کریں۔ البیرونی کی تفصیل بتاتی ہے کہ ویشوں اور شودروں کی حیثیت میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ وشنوپران میں کہا گیا ہے کہ کل یوگ میں ویش کھیتی اور تجارت کو ترک کردیں گے اور اپنی روزی روٹی غلام کے کام اور فنون سے کمائیں گے۔ ویشوں کی یہ حالت جاگیرداروں کے ظہور اور تجارت اور کاروبار کے زوال کی وجہ سے تھی۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے عرب مصنفین ابن خرداب اور الادریسی نے بھی اپنی تفصیل میں ویشیاذات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ معاشی حیثیت میں گراوٹ کے ساتھ ساتھ ویشیاورن کی سماجی حیثیت میں بھی کمی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لیکن 11 ویں صدی میں تجارت اور کاروبار میں ترقی کے ساتھ ہی ویشوں کی حالت پھر سے بہتر ہوئی، کچھ ویشہ انتہائی خوشحال ہوگئے اور ان کا شمار جاگیرداروں اور زمینداروں میں ہونے لگا۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کے سماج کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس وقت ذاتوں اور انواع کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا تھا۔ روایتی چار ورن (Varnas) بھی بہت سی ذاتوں اور ذیلی ذاتوں میں بٹ گئے اور بہت سی نئی ذاتیں ان میں شامل ہوگئیں۔ زمینی عطیات کی کثرت کی وجہ سے برہمنوں میں مقامیت کا ایک مضبوط احساس پیدا ہوا جس کے نتیجے میں عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں بہت سی ذیلی ذاتیں قائم ہوئیں۔ علاقیت کی بنیاد کی وجہ سے وہ مختلف ناموں سے مشہور ہوئے۔ راشٹر کوٹ کے حکمران اندرا (Indra–III) کے ایک نوشتہ میں شمالی ہندوستان کے برہمنوں کے پانچ طبقات - سارسوت، کنیاکوبجا، اتکلا، میتھل اور گوڑ کا ذکر ملتا ہے۔ بنگال میں برہمنوں کی دو شاخوں کا ذکر ہے جن کا نام راڑھیا اور واریندر ہے۔ بعد کے عہد وسطیٰ کے دور تک راڑھیہ برہمنوں کی 56 ذیلی ذاتیں بن گئیں۔ بنگال کی برہمن ذاتیں جیسے مکوپادھیائے، بندوپادھیائے، چٹوپادھیائے گاؤں کی بنیاد پر پیدا ہوئیں۔ بعض جگہوں کے برہمن خود کو دوسری جگہوں کے برہمنوں سے زیادہ متقی سمجھتے تھے۔ راسخ العقیدہ لوگ سوراشٹر، سندھ، دکشیناپتھ اور کلنگا وغیرہ کے برہمنوں کو نجس سمجھتے تھے جن کے ساتھ کھانا اور شادی ممنوع تھی۔ البیرونی نے مگ (Mag) یا شاکدوپی (Shakdwipi) برہمنوں کا ذکر کیا ہے جو ایران سے ہندوستان آئے اور سورج کی پوجا کیا کرتے تھے۔

برہمنوں کی طرح چھتری اور ویشیہ کو بھی کئی ذیلی ذاتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ 12 ویں صدی تک شمالی ہندوستان میں راجپوتوں کے 36 مشہور خاندان قائم ہوچکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجپوتوں کے مختلف کلوں یا قبیلوں کی ابتدا روایتی ہندوستانی ورنوں اور غیر ملکی ذاتوں سے ہوئی تھی۔ دسویں صدی کے عرب سیاح ابن خردده نے چھتریوں کی دو اقسام کا تذکرہ کیا ہے۔ سَتچھتریہ اور چھتریہ۔ ایسا لگتا ہے کہ پہلا طبقہ حکمران اور جاگیردار اتھا جبکہ دوسرا عام چھتریوں پر مشتمل تھا۔ بارہویں صدی کے آخر تک ہم چھتری امرا اور جاگیرداروں کو مختلف

زمروں میں منظم پاتے ہیں جن میں راجپوترا، سامنت، مہاسامنتا، مانڈ لیکا، مہامانڈ لیکا وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس دور میں پیشہ اور علاقہ کی بنیاد پر ویشوں کی کئی ذیلی ذاتیں بن گئی تھیں۔ ان کی گجرات اور راجستھان میں بہت سی شاخیں تھیں جیسے شریمال، پراگواٹ، اپکیش، دھرکٹ، پالیوال، گرجر، ناگرو غیرہ۔ ویشیوں میں بھی اشرافیہ اور غریب طبقہ تھا۔ غریب طبقے کے لوگ شودروں کے ساتھ منسوب کردیے گئے تھے۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں شودر ذاتوں کی سب سے بڑی تعداد تھی۔ اس دور تک ان کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا. اس سے واضح ہوتا ہے کہ شودر طبقے کے لوگ اس دور کی سماجی تبدیلیوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ روایتی پیشوں کے علاوہ کئی ذاتوں کو مختلف دستکاریوں کی بنیاد پر منظم کیا گیا جن کا شمار شودر طبقے میں ہوتا تھا۔ ہیم چندر کی ابھیدھان چنتامنی اور دیشی نام مالہ اور یادو پر کاش کی وجینتی میں شودروں کی ایک لمبی فہرست دستیاب ہے۔ ان کے مطابق کاریگر، لوہار، بڑھئی، موچی، تیل کا کام کرنے والا، سنار، بنکر، دھوبی، رقاصہ، درزی، جادوگر وغیرہ پیشہ ور ذاتیں تھیں۔ قبائلی ذاتوں کی ایک طویل فہرست ورن رتناکر نامی متن میں ملتی ہے۔ ہیم چندر نے ساکوں، یاونوں، رومیوں، مرونڈوں، چینیوں، ہنوں وغیرہ جیسی غیر ملکی اور مقامی قدیم ذاتوں مثلاً شبر، بھیل، پلند، کیرات، خص، گونڈ اور دراوڑ وغیرہ کو ملیچھ کے طور پر بیان کیا ہے۔ یہ سب شودر ورن کے تحت شامل تھے۔ ابتدائی عہد وسطیٰ میں اچھوتوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ آر ایس شرما کے مطابق، چونکہ ابتدائی عہد وسطیٰ میں برہمنائزیشن بڑے پیمانے پر ہوئی اس لیے اچھوت ذاتوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ اچھوتوں کو انتیجا کہا جاتا تھا جن کی رہائش۔ گاؤں اور شہروں کے باہر ہوا کرتی تھی۔ اچھوتوں میں سب سے بدتر تھے۔ 12ویں صدی میں ڈوم اور چرمکار (چمار) کو اچھوت سمجھا جاتا تھا۔ اس دور میں اچھوت کے احساس کی مضبوطی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپارک اور وگیانیشور جیسے مفکرین کے مطابق، چنڈال کے سائے میں آکر ہی انسان ناپاک ہوجاتا ہے۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کے دور میں خواتین کی حالت مثبت اور منفی دونوں طرح کی علامات ظاہر کرتی ہے۔ اسمرت اور مذہبی قانون کی کتابوں میں ان پر بہت سی پابندیاں لگائی گئیں۔ اشرافیہ میں تعدد ازدواج عام تھا۔ گہڑوال حکمراں گووند چندر کی چار بیویاں اور کلچوری راجہ گنگی دیو کی سو بیویوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمیں راجستھان کے راجپوت حکمرانوں میں دستیاب ہوتی ہیں۔ ان کی شادی کی عمر مسلسل کم ہوتی جارہی تھی۔ بچپن کی شادی کا رواج عام تھا۔ مذہبی کتابوں میں لڑکیوں کی شادی کی عمر آٹھ سے دس سال مقرر کی گئی ہے۔ آٹھ سال کی لڑکی کو گوری اور دس سال کی لڑکی کو کنیا کہا جاتا تھا۔ کم عمری کی شادی نے لڑکیوں کی تعلیم کو بھی متاثر کیا۔ لیکن حکمران طبقے کی خواتین کو کچھ انتظامی اور فوجی تعلیم دی جاتی تھی۔ چلوکیہ خاندان وجے بھٹارکا (ساتویں صدی) اور کشمیر کی کچھ خواتین جیسے سوگندھا اور دیڈّا نے انتظامیہ کو مؤثر طریقے سے چلایا۔ چلوکیہ کے دور میں کئی خواتین گورنروں اور عہدیداروں کے نام ملتے ہیں۔ اس دور کی بعض خواتین عالم بھی ہوا کرتی تھیں۔ راج شیکھر کی بیوی اونتی سندری ایک عالم تھیں۔ منڈن مشرا کی بیوی بھارتی نے مشہور فلسفی شنکراچاریہ کو ایک بحث میں شکست دی تھی۔ عورتوں میں ستی کا رواج اور جوہر بہت زیادہ رائج ہو چکا تھا، ستی نظام کے تحت شوہر کی موت کے بعد بیوی خود کو چتا میں جلا لیتی تھی جب کہ جوہر کے رواج میں راجپوت عورتیں اپنے آپ کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لیے اجتماعی طور پر اپنی جانیں قربان کرتی تھیں۔ ستی نظام

کے بڑھنے کے کئی وجوہات تھیں مثلاً بیواؤں کی دوبارہ شادی کی ممانعت اور بیواؤں کو جائیداد کے حقوق نہ دینا وغیرہ۔ بیواؤں کی قابل رحم حالت نے انہیں ستی سے بہتر کوئی راستہ نہیں دکھائی دیا۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی سمرتی نگاروں اور مضمون نگاروں نے ستی کے رواج کی تعریف کی ہے۔ پرداپریکٹس کو سماج کی اعلیٰ طبقے کی خواتین میں فروغ دیا جارہا تھا۔ بیوہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کی نظر کو برا سمجھا جاتا تھا۔ زمینی عطیات کی زیادتی، زمین اور طاقتی حقوق کی غیر مساوی تقسیم اور زمینی عطیات سے متعلق کاغذی خطوط کے تحفظ کی وجہ سے سماج میں دو نئے خاص طبقے ابھرے جنہیں بالترتیب سامنت اور کایستھ کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں ان دونوں کا ذکر کرنا درست ہوگا۔

14.6 سامنت واد یا جاگیر دارانہ نظام (*Samantvat* or, Feudalism)

جاگیر داری ابتدائی عہد وسطیٰ کے سماج کا ایک معروف موضوع رہا ہے، جس کی ابتدا اور ارتقاء پر جدید دور کے بہت سے سماجی و اقتصادی مورخین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہندوستانی جاگیر داری کا سوال پہلی بار ڈی ڈی کوشامبی نے 1956 میں اپنے دو مضامین میں اٹھایا تھا۔ بعد میں ان کی مشہور کتاب *An Introduction to the Study of Indian History* میں جاگیر داری پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد آر ایس شرما کے جاگیر داری کی ابتدا اور ارتقاء پر کئی مقالے شائع ہوئے۔ 1960 کی دہائی میں، انھوں نے اپنی اہم کتاب لکھی جس کا نام انڈین فیوڈلزم ہے، جسے جاگیر داری پر لکھی گئی ایک بنیادی کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن 1979 میں Indian History Congress کے چالیسواں اجلاس میں ہربنش مکھیا نے سب سے پہلی بار نظریاتی بنیاد پر ہندستانی جاگیر دارانہ نظام کے خلاف اپنے خیالات پیش کیے جس کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ ہم تاریخ دانوں کی بحث میں پڑے بغیر جاگیر داری کے ہندوستانی تاریخی پس منظر کا مختصر مطالعہ کریں گے۔ جاگیر داری ایک یورپی تصور ہے جسے 18ویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں Boulainvilliers اور Montesquieu کے کاموں کے ذریعے فروغ دیا گیا تھا۔ لفظ سامنت انگریزی لفظ فیوڈل کی ہندی موافقت ہے جو لاطینی لفظ فیوڈالیس سے ماخوذ ہے۔ عہد وسطیٰ کے یورپ میں یہ اصطلاح قانونی معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔

سامنت کا لفظ کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں ایک آزاد پڑوسی کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی بار اشواگھوشا نے 'بدھ چرتر' میں یہ لفظ کسی جاگیر (vassal) کے لیے استعمال کیا ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں جاگیر داری کی شروعات شکا اور کشان دور میں ہی نظر آتی ہے، لیکن اس کی مکمل ارتقاء عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں ہی ہوئی۔ جین متن کالکاچاریہ کتھانک سے پتہ چلتا ہے کہ شکا حکمرانوں کو شاہانو شاہی کہا جاتا تھا اور ان کے ماتحت بہت سے جاگیر دار (شاہی) تھے۔ اس دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات نے جاگیر دارنہ نظام کے ارتقاء کے لیے ایک مناسب بنیاد فراہم کی۔ بیرونی جارحیت کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی اور چاروں طرف سیاسی انارکی اور بدنظمی پھیل گئی۔ مرکزی طاقت کی کمزوری نے سماج میں بااثر افراد کا ایک طبقہ پیدا کیا جو مقامی سلامتی کے بوجھ اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ عربوں اور ترکوں کے حملے نے اس دور کی طاقتور خاندانوں کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں شمالی ہندوستان میں کئی چھوٹی ریاستیں ابھریں۔ اس سے جاگیر دارانہ رجحان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جاگیر دارانہ نظام کی ارتقاء میں معاشی عوامل کا بھی اہم رول رہا ہے۔ سیاسی بے ترتیبی تجارت اور کاروبار کے زوال کا باعث

بنی، جس نے معیشت کو بنیادی طور پر زمین اور زراعت پر منحصر کر دیا۔ بڑے بڑے جاگیر دار معاشی وسائل کے مراکز بن گئے۔ سماج میں ایک زمیندار اشرافیہ طبقہ ابھرا۔ سماج کے شودروں اور مزدوروں کی اکثریت روزی روٹی کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ زمینداروں کو کھیتوں میں کام کرنے کے لیے بڑی تعداد میں مزدوروں کی ضرورت تھی۔ معاشی تبدیلی کے اس عمل نے سامنتی نظام کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔

اس وقت کے حکمرانوں کی طرف سے دی گئی زمین اور گاؤں کی گرانٹ نے بھی جاگیر دارانہ نظام کے ارتقاء میں بڑا کردار ادا کیا تھا۔ زمین کا عطیہ کا سب سے قدیم ذکر شکا-ساتواہن کے ریکارڈ میں ملتا ہے۔ ساکا حکمران اوشاوادات کی نوشتہ جات میں اس کی طرف سے دیے گئے گاؤں اور زمین کے عطیہ کا چرچا ہے۔ ساتواہن کے حکمران گوتمی پتر ستکارنی کے ایک نوشتہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کچھ گاؤں بدھ راہبوں کو عطیہ کیے تھے۔ عطیہ کی گئی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کو عطیہ دینے کے ساتھ ساتھ ریاست نے انہیں وہاں انتظامیہ اور انصاف کا حق بھی دیا۔ گپتا دور اور عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے درمیان اس طرح کی گرانٹ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ آر ایس شرما (جنھوں نے جاگیر داری کے عروج اور ارتقاء کا گہرا مطالعہ کیا ہے) کے مطابق ہندوستان میں سامنتی نظام کا عروج حکمرانوں کی طرف سے برہمنوں اور انتظامی اور فوجی حکام کو زمین اور گاؤں دینے کی وجہ سے ہوا تھا۔ لیکن بی این ایس یادو، آر ایس شرما پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برہمنوں کو دی گئی زمین، جو بمشکل ایک گاؤں سے زیادہ رہی ہوگی سیاسی جاگیر داری کی مستقل بنیاد نہیں بن سکتی تھی، ایک ایسے وقت میں جب کہ عطیہ حاصل کرنے والوں کا طبقہ مذہبی اور فکری مقاصد میں مشغول رہا۔ برہمن زمیندار تو ہو سکتا ہے لیکن جاگیر دار نہیں۔ ہرش اور عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور کے نوشتہ جات سے یہ بات واضح طور پر عیاں ہے کہ زمینیں نہ صرف مذہبی مقاصد کے لیے بلکہ ریاست کی خدمت کے لیے بھی دی جاتی تھیں۔ ہر گورنر، وزیر اور عہدیدار کو اس کے عارضی اخراجات پورے کرنے کے لیے زمینیں دی گئیں۔ اب بڑے افسروں کو سامنت اور مہا سامنت جیسے القابات دیئے جانے لگے تھے۔ راجپوت دور میں جاگیر داری اپنے عروج کو پہنچی۔ راجپوتوں کی ریاست بہت سی چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر ایک پر جاگیر دار کی حکومت تھی۔ ان جاگیروں کا عروج جاگیر داروں اور بیورو کریٹس کو زمین دینے کی وجہ سے ہوا۔ 12 ویں صدی کی تصنیف اپراجت پرچچھا میں جاگیر داروں کی درج ذیل اقسام پائی جاتی ہیں۔ مہامنڈ لیشور (ایک لاکھ دیہاتوں کا مالک)، مانڈ لک (پچاس ہزار دیہاتوں کا سوامی)، مہاسامنت (بیس ہزار دیہاتوں کا مالک)، سامنت (دس ہزار دیہاتوں کا مالک)، لگھو سامنت (پانچ ہزار گاؤں کا سردار) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

جن لوگوں کو زمین کا عطیہ ملتا تھا وہ آہستہ آہستہ اپنے عہدے اور اثر و رسوخ میں اضافہ کر کے جاگیر دار بن جاتے تھے اور اس طرح وہ سمراٹ اور رعایا کے درمیان ایک اہم طبقہ بن گئے۔ اس سے کسانوں کی حالت مزید خراب ہو گئی کیونکہ اب انہیں راجہ کے بجائے جاگیر دار کا وفادار ہونا پڑا۔ جاگیر دار کسانوں کا مختلف طریقوں سے استحصال کرتے تھے۔ اس طرح ان کئی وجوہات کی بنا پر جاگیر داری پروان چڑھی۔ جاگیر داروں نے تجارت اور کاروبار کی حوصلہ شکنی کی اور خود کفیل دیہی معیشت کی حوصلہ افزائی کی۔ ہندوستانی جاگیر داری یورپی جاگیر داری کی طرح پیچیدہ نہیں تھی۔ یورپ میں کسانوں کو اپنا زیادہ تر وقت اپنے سامنتوں کے کھیتوں میں کام کرنا پڑتا تھا اور وہ خود مختار نہیں تھے۔ اس کے برعکس ہندوستانی کسان زیادہ تر اپنے کھیتوں میں کام کرتے تھے اور یہاں آزاد کسانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ آر ایس شرما نے جاگیر داری کی چند

اہم خصوصیات کو حسب ذیل بیان کیا ہے۔ زمینی عطیات میں دی گئی زمین کے ساتھ کسانوں کی منتقلی، بیگار (وشتی) کے رواج کا اضافہ، کسانوں، کاریگروں اور تاجروں پر کہیں بھی آباد ہونے پر پابندیاں، کرنسی کی کمی، کاروبار کا خاتمہ، ریاستی نظام اور تعزیری انتظامیہ عطیہ یافتگان کے حوالے کر دی گئی۔ تنخواہ کے عوض اراضی مالگزاری وصول کرنے کے افسران کے حق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

14.7 کایستھ (The Kayasthas)

دوسرا اہم طبقہ کایستھ تھا۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں زمین کے عطیہ سے متعلق کاغذی دستاویز رکھنے کے لیے کلرکوں کا ایک خاص طبقہ ابھرا جو کایستھ کے نام مقبول ہوا۔ اس لفظ کا پہلا تذکرہ *Yagnavalkya Smriti* میں ملتا ہے۔ ایک ذات کے طور پر ان کا ذکر سب سے پہلے اشنس (Ushanas) اور ویدویاس اسمرتی (*Vedavyas Smriti*) میں ملتا ہے۔ آٹھویں صدی تک ریاست کے لقب اور عہدے کے لیے لفظ کایستھ استعمال ہوتا آرہا تھا۔ نویں صدی میں ہمیں نوشتہ جات میں مختلف کایستھ قبیلوں جیسے گوڑا، متھرا، سریواستویہ، نگم وغیرہ کا ذکر ملنا شروع ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ان قبیلوں نے ذات کی شکل اختیار کر لی اور یہ ایک الگ ذات بن گئے۔ مختلف جگہوں پر رہنے کی وجہ سے ان میں کئی ذیلی ذاتیں بھی بن گئیں۔ گوڑ کے باشندوں کو گوڑ کہا جاتا تھا، متھرا سے ہجرت کرنے کی وجہ سے وہ ماتھور کہلاتے تھے اور واستو سے اخذ کی وجہ سے انہیں سریواستو کہا جاتا تھا۔ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر علما اور شمار کنندہ کے کام کے علاوہ انتظامیہ میں اعلیٰ عہدے حاصل کیے اور تعلیمی ادب کے میدان میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا۔ سریواستو کو کایستھ چندیلوں کا وزیر اور کمانڈر مقرر کیا گیا تھا اور اُنہیں ٹھاکر کا خطاب ملا ہوا تھا۔ اسی طرح ماتھر کایستھ چوہان ریاست میں وزیر اعلیٰ اور خزانچی بنائے گئے۔ کچھ لوگ اتنے خوشحال ہو گئے کہ انہوں نے برہمنوں کے لیے مندر اور بدھوں کے لیے خانقاہیں بنائیں۔ اس طرح ان کی حالت قدیم اشرافیہ کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی اور ہندو منتظمین کے سامنے ان کی سماجی حیثیت کے تعین کا مسئلہ کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے کایستھ وں کو دوج اور شودر ورنوں سے منسلک کیا۔ کایستھ وں کو اعلیٰ انتظامی عہدے مل جانے کی وجہ سے برہمنوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی اور ان کا سماجی وقار بھی مجروح ہوا۔ چونکہ زمین کے عطیہ کے دستاویزات کایستھ حکام کے پاس رکھے جاتے تھے اور یہ حقوق زیادہ تر برہمنوں سے متعلق تھے اس لیے ممکن ہے کہ انھوں نے برہمنوں کو ہراساں کیا ہو۔ اس طرح برہمن کایستھ وں کے حریف بن گئے اور انہوں نے انہیں شودر قرار دے دیا۔ کچھ برہمن مصنفین نے اسے پرجاپیڑک (عوام پر ظلم کرنے والا) کے طور پر پیش کیا ہے۔ راجترنگنی میں بھی اس ذات کی مذمت کی گئی ہے۔

14.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہندو سماج کی ذات پات کی تقسیم کا عمل عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور تک مکمل ہو چکا تھا۔ اس دور کی زیادہ تر ذاتیں آج بھی ہندو سماج کا اٹوٹ حصہ بنی ہوئی ہیں۔ سماج میں اعلیٰ اور نچلے طبقے کے درمیان فرق بہت بڑھ گیا تھا۔ ویشیوں کی حیثیت میں گراوٹ نظر آتی ہے اور انہیں شودر ورن میں جگہ دے دی گئی تھی۔ شودروں کی معاشی حالت میں بہتری آئی ہے، لیکن سماجی پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی گئیں۔ خواتین کی حالت میں خاص بگاڑ کے آثار نظر آتے ہیں۔ وہ ستی جیسی ظالمانہ سماجی برائی کا سامنا کرنے

پر مجبور تھیں۔ سماج میں دو نئے طبقوں کا عروج اور ترقی بھی دیکھی جا سکتی ہے، جنہیں سامنت اور کایستھ کہا جاتا ہے۔ جاگیردارانہ سماج سے اس دور کی کاروباری تنظیموں اور تجارت کے زوال کے آثار نظر آتے ہیں۔ لیکن معیشت کے دوسرے مرحلے میں ہمیں پھر سماج کی معیشت میں بہتری نظر آتی ہے، اس دور میں سکے بھی ملتے ہیں۔ اس یونٹ سے گزرنے کے بعد، اس نے تاریخ دانوں کو شہری زوال سے متعلق مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد کی ہے۔ ابتدائی عہد وسطیٰ میں چین اور جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ تجارت کو فروغ ملا۔ اس عرصے کے دوران، چین کے بدھ مت کا ایک ترقی یافتہ مرکز بننے کی وجہ سے، تجارت پر مبنی تبادلہ ہندوستان کے ساتھ بدھ مت کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات سے زیادہ تیزی سے آگے بڑھا۔

14.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

کُسید	:	سود خور
ادر نگ	:	کسان سے وصول کیے جانے والا ٹیکس
کلال	:	شراب بیچنے والا
تُرشکدنڈ	:	گہڑوال حکمران کے دور میں مسلمانوں سے وصول ہونے والا ٹیکس
جوہر	:	راجپوت خواتین کی طرف سے دشمنوں سے بچنے کے لیے اجتماعی خودسوزی کی روایت
مانڈلک	:	سامنت کی ایک قسم جو پچاس ہزار دیہی کا مالک ہوتا تھا
انتیجا	:	ابتدائی عہد وسطیٰ میں اچھوت ذاتوں کا گروپ
وشٹی	:	بیگار

14.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

14.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. پربندھ چنتامنی کے مصنف کون ہیں؟
2. کُسید سے کیا مراد ہے؟
3. تُرشکدنڈ ٹیکس کس سے لیا جاتا تھا؟
4. 8ویں اور 10ویں صدی میں شمالی ہندوستان میں چلنے والے سکوں کے نام بتائیں۔
5. راشٹر کوٹ راجاؤں کے سکے کس دھاتوں میں ملتے ہیں؟
6. کلال کس کاروبار سے وابستہ تھے؟
7. جوہر اور ستی میں کیا فرق تھا؟

8. اناساگر کی تعمیر کس حکمراں نے کروایا تھا؟
9. یکتی کلپترو کس کی تصنیف ہے؟
10. سگندھا اور ددا کا تعلق کس علاقے سے تھا؟

14.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ابتدائی عہد وسطیٰ دور کی غیر ملکی تجارت پر تنقیدی نوٹس تحریر کریں۔
2. عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں ذات پات کے نظام کی مختصر وضاحت کریں۔
3. عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں ویشیہ ورن نظام میں تبدیلی پر ایک مضمون لکھیں۔
4. کایستھ ذات کی عروج پر ایک نوٹ لکھیں۔
5. ابتدائی عہد وسطیٰ میں خواتین کی حیثیت کا تنقیدی جائزہ لیں۔
6. کیا عہد وسطیٰ کے ابتدائی ہندوستان میں شہروں کی کمی واقع ہوئی؟ اپنی رائے دیں۔
7. ابتدائی عہد وسطیٰ میں غیر زرعی پیداوار پر ایک نوٹ لکھیں۔
8. ابتدائی عہد وسطیٰ کے سماج کے ماخذ کی مختصر وضاحت کریں۔

14.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ابتدائی عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ہونے والی سماجی تبدیلیوں پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کریں۔
2. عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں ابھرنے والے نئے سماجی طبقات پر ایک مضمون لکھیں۔
3. ابتدائی عہد وسطیٰ کے ہندوستانی سماج اور معیشت کے مطالعہ کے لیے اہم ذرائع کا تنقیدی جائزہ لیں۔
4. عہد وسطیٰ کے ابتدائی دور میں زرعی اور تجارتی نظام پر ایک مضمون قلمبند کریں۔
5. آپ جاگیردارانہ نظام سے کیا سمجھتے ہیں؟ جاگیردارانہ نظام کے ابتدا اور ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیں۔

14.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Chakravarti, Ranbir, *Trade and Traders in Early Indian Society*, Manohar, New Delhi, 2007.
2. Chattopadhyaya, B.D., *The Making of Early Medieval India*, Oxford University Press, New York, 1994.
3. Habib, Irfan, *Ahd-i-Wustaka Hindustan: Ek Tahzeebka Mutallah* (Urdu), National Book Trust, India, 2010.
4. Jha, D.N. ed., *Feudal Social Formation in Early India*, Chanakya Publications,

Delhi, 1987.
5. Kosambi, D.D., *An Introduction to the Study of Indian History*, Popular Prakashan, Bombay, 1956.
6. Majumdar, R.C., and Pusalker, A.D., eds., *The Age of Imperial Unity*, Bhartiya Vidya Bhavan, Bombay, 1951.
7. Mukhia, Harbans ed., *The Feudalism Debate*, Manohar, Delhi, 1999.
8. Pandey, Vimal Chandra, *Bharatki Samajik Awastha*, Hindustani Academy, Allahabad, 1960.
9. Raychaudhuri, Hemchandra, *Political History of Ancient India*, University of Calcutta, Calcutta, 1927.
10. Sharma, Ram Sharan, *Perspectives in Social and Economic History of Early India*, Munshiram Manoharlal, New Delhi, 2003.
11. _________________, *Indian Feudalism*, MacMillan Publishers, Delhi, 1965.
12. Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century*, Pearson, Delhi, 2009.
13. Thapar, Romila, *The Penguin History of Early India: From the Origins to AD 300*, Penguin Books, London, 2002.
14. Yadav, B.N.S., *Society and Culture in Northen India in the Twelfth Century*, Central Book Depot, Allahabad, 1973.

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

اکائی 15۔ چول خاندان، سیاست، سماج، معیشت اور ثقافت

(Cholas: Polity, Society, Economy, and Culture)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید
15.1 مقاصد
15.2 چول ریاست کا قیام
15.3 توسیع اور استحکام
15.4 ریاست کی نوعیت
15.5 چول نظم ونسق
15.6 سماج
15.7 معیشت
15.8 ثقافت
15.9 اکتسابی نتائج
15.10 کلیدی الفاظ
15.11 نمونہ امتحانی سوالات
15.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
15.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
15.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
15.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी
Estd. 1998
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

15.0 تمہید (Introduction)

چول ابتدائی عہد وسطی کے جنوبی ہندوستان میں ابھرنے والی سب سے بڑی سیاسی طاقت تھی جس کا دارالحکومت تنجاور تھا۔ تاہم راجیندر چولا نے بعد میں اسے 1025 عیسوی میں گنگائی کونڈا چولا پورم منتقل کر دیا۔ تاہم، چولوں کی ابتدائی تاریخ موریہ دور کی ہے کیونکہ اشوک کے نوشتہ جات میں چولوں کا ذکر چولا پترا کے طور پر کیا گیا ہے،اس کے ساتھ چیراپترا (ابتدائی چیرا) اور پانڈیا پترا (ابتدائی پانڈیا)، جو موریہ سلطنت کی جنوبی سرحدوں پر واقع تھے۔ بعد میں انہیں پالواوں نے بے دخل کر دیا اور کانچی کو اپنا دارالحکومت بنایا اور 6ویں صدی عیسوی سے 9ویں صدی عیسوی کے وسط تک جنوبی ہند کی سیاست پر اپنا غلبہ قائم کیا۔ چولوں نے 9ویں صدی کے وسط میں پالواوں سے دوبارہ کنٹرول حاصل کیا اور خود کو سب سے بڑی سیاسی طاقتوں میں سے ایک کے طور پر قائم کیا۔ دو صدیوں یا اس سے زیادہ عرصے تک دریائے تنگابھدرا کے جنوب میں واقع علاقوں پر حکومت کی۔ اس عرصے کے دوران، انہیں دکن کی طاقتوں، یعنی راشٹر کوٹوں اور پھر ان کے جانشین کلیانی کے چالوکیوں یا مغربی چالوکیوں کے ساتھ متواتر جنگیں لڑنا پڑیں۔ چیرا، پانڈیا اور سیلون سلطنت نے بھی اس عرصے کے دوران ایک سے زیادہ مواقع پر زبردست چولوں کی فوجی طاقت کا سامنا کیا۔ بالآخر، وہ مدورائی کے پانڈیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے اور جنھوں نے تیرہویں صدی کے آخر دور میں جنوب میں غالب سیاسی طاقت کے طور پر چولوں کی جگہ لے لی۔اس دور میں جنوبی ہندوستان کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں بھی نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ یہ باب چول دور میں سیاست، سماج، معیشت اور ثقافت کا ایک جائزہ پیش کرے گا۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

- چولا ریاست کی سیاسی ترقی اور انتظامی خصوصیات کو جان لیں گے۔
- چولوں کے تحت جنوبی ہندوستان کے سماجی ساخت کا جائزہ لے سکیں گے۔
- زیر نظر مدت کے معاشی حالات اور تجارتی تعلقات کو سمجھ سکیں گے۔
- چول دور کی ثقافتی تاریخ کو فن تعمیر اور ادب کی روشنی میں مطالعہ کر سکیں گے۔

15.2 چول ریاست کا قیام (Foundation of the Chola Kingdom)

درحقیقت، چول نویں صدی کے پہلے نصف تک کانچی کے پالوا کے جاگیردار تھے۔ چولوں کے اقتدار میں آنے کا آغاز 850 عیسوی میں تنجاور پر متراریار (Muttarayar) سے وجیالیہ کے قبضے کے ساتھ ہوا، جس نے پالوا کی طرف منحرف ہو کر پانڈیوں کے ساتھ ہاتھ ملا لیا تھا۔ بعد میں، پانڈیا حکمران وراگونورمن دوم (Varagunavarman) پالوا حکمراں نندی ورمن III کا ماتحت حلیف بن گیا اور وجیالیہ بھی اس عرصے کے دوران ایک بہت باثر شخصیت بن گیا۔ 869 عیسوی میں نندی ورمن III کی موت کے بعد، اس کا بیٹا نرپتونگاورمن (Niripatungavarman) پالوا تخت پر بیٹھا۔ رفتہ رفتہ، نرپتونگا اور اس کے سوتیلے بھائی اپراجیتا (Aprajita) کے

درمیان اختلافات پیدا ہونے لگے جو اکیلے ہی سلطنت پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ جب وراگون دوم نے نرپیتو نگا کی حمایت کی، اپراجیتا کو گنگا کے حکمران پر تھوی پتی اول اور وجیالیہ چولا کے بیٹے اور جانشین آدتیہ اول نے سپورٹ کیا۔ تقریباً 885 عیسوی میں کمبھاکونم کے قریب سری پور مبیم میں دونوں فریقوں کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، جس میں اپراجیتا کو فتح حاصل ہوئی، جب کہ اس کا ایک اتحادی، پر تھوی پتی اول، اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس طرح اپراجیتا پالوا کی مجازی حکمران بن گئی اور آدتیہ اول نے اس ترقی سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تنجاور کے علاوہ، جو اس کے والد نے مطار یار سے لیا تھا، آدتیہ اول کو بھی اس کے آقا نے ایک نیا علاقہ عطا کیا۔

15.2.1 آدتیہ اول (Aditya–I)

تاہم، آدتیہ اول اپنی ماتحتی سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ پلووں کو اقتدار سے بے دخل کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے 897ء کے قریب تونڈئی منڈلم (Tondaimandalam) پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں پلوؔ حکمراں اپراجتا ورمن مارا گیا۔ اسی کے ساتھ پلوؔ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور پلووں کی ریاست کا پورا حصہ چول سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس کے عہد میں گنگا حکمراں پر تھوی پتی اول کے پوتے پر تھوی پتی دوم نے بھی اس کی بالادستی تسلیم کی۔ آدتیہ چول نے ورگنا دوم کے بھائی پانڈیا حکمراں پرانتکا ویر نارا اینا (Parantaka Viranarayana) سے گنگوں کا علاقہ بھی حاصل کر لیا اور اپنے ہم عصر چیرا حکمراں استھانوراوی (Sthanuravi) سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ 907ء میں آدتیہ چول نے اپنی آخری سانس لی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا پرانتکا اول (Parantaka–I) اس کا جانشیں بنا، جس نے چول راج گدی پر تقریباً پانچ دہائیوں تک حکومت کی تھی۔

15.2.2 پرانتکا اول (Parantaka–I)

جنوبی ہند میں چول سلطنت کو سب سے مضبوط، مستحکم اور طاقتور بنانے کا سہرا پرانتکا اول (907-955ء) کے سر باندھا جاتا ہے۔ اس نے تونڈئی منڈلم اور تامرپنی (Tamraparni) اور ویگئی (Vaigai) ندی کی وادیوں پر فوجی کاروائیوں میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ 910ء میں پانڈیوں کے دار الحکومت مدورائی کو راجاسمہا دوم (Rajasimha-II) سے چھین لیا تھا۔ بلاشبہ یہ فتح پرانتکا کی اہم ترین کامیابیوں میں سے ایک ہے۔ اس فتح کے بعد اس نے ''مدورائی کونڈا'' (مدورائی کا فاتح) کا خطاب اختیار کیا۔ اس کے دور میں چولوں اور راشٹر کوٹوں کے درمیان مختلف مسائل پر اکثر چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوتی رہیں۔

جب گووندا چہارم، ایک نااہل راشٹر کوٹ حکمران جس نے پرانتکا کی بیٹی وکرمادیوی سے شادی کی تھی، نے اپنے سسرال میں پناہ مانگی تو نئے راشٹر کوٹ حکمران کرشنا سوم (939-65 عیسوی) نے چول حکمران کو گووندا چہارم کو پناہ دینے پر سزا دینی چاہی۔ اس طرح اس نے چولوں کی سلطنت پر حملہ کیا اور 949 عیسوی میں تکولم (Takkolam) کی لڑائی میں پرانتکا اول پر ایک اہم فتح حاصل کی۔ اس کے بعد وہ ٹونڈیمنڈلم (Tondaimandalam) میں بھی کافی علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور AD955 میں پرانتکا کی موت کے بعد، چولوں کی پوزیشن کم از کم تین دہائیوں تک مزید کمزور ہو گئی۔

پرانیکااول کی موت کے بعد 985ء میں راجاراجااول کے تخت نشینی تک کا تیس سال کا عرصہ چولو کی سیاسی فتوحات اور کامیابیوں کے لحاظ سے بہت کم اہمیت کا حامل تھا۔ گندرادتیہ (Gandaraditya)، ارنجیا (Arinjaya)، سندر چولا (Sundara Chola) اوراتم چولا (Uttama Chola) کی حکومتیں قلیل مدتی تھیں۔ 973میں سندر چولا کی موت کے بعد گندرادتیہ کا بیٹااتم چولاسندرا چولا کے اپنے بیٹے ارومولی (جسے راج راجہ اول کے نام سے جانا جاتا ہے) پر نیا حکمران بنا۔ اس عرصے کے دوران راشٹر کوٹوں کو شکست ہوئی اور ان کی جگہ چالوکیوں (مغربی چالوکیوں کے نام سے جانا جاتا ہے) کے تیلپ II نے لے لی جنھوں نے کلیانی کو اپنا مرکز بنایا۔

15.3 توسیع اور استحکام (Consolidation and Expansion)

15.3.1 راجاراجااول (Rajaraja–I)

چول سلطنت کو اصل عظمت 985ء میں راجاراجااول (985-1014) کی تخت نشینی کے بعد حاصل ہوئی۔ اس کے عہد حکومت میں چول ریاست بہترین نظم و نسق اور طاقتور بری و بحری افواج کے ساتھ ایک عظیم سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ اسے پانڈیہ فوجوں، کیرالہ کے چیروں اور سیلون کی حکومت سے جنگیں لڑنا پڑیں۔ ان جنگوں میں اس نے چیروں پر فتح پائی اور پانڈیہ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان علاقوں کے نظم و نسق کے لیے مدرائی میں ایک چول گورنر متعین کیا گیا جسے 'چول-پاندیا' کہا جاتا تھا۔ سیلون کے راجامیندر پنجم کے خلاف بھیجی گئی ایک بحری مہم میں راجاراجااول نے انورادھاپورا (Anuradhapura) کو تباہ کر دیا اور سیلون کے شمالی علاقے کو ایک چول صوبے میں تبدیل کرتے ہوئے پولونّاروا (Polonnaruva) کو اس کی راجدھانی بنا دیا۔ اس کے علاوہ میسور خطے میں گنگاپڑی (Gangapadi)، نولمباپڑی (Nolambapadi) اور تادیگئی پڑی (Tadigaipadi) کو فتح کرلیا۔ ان علاقوں پر قابض ہونے کے بعد نہ صرف جنوبی ہندوستان میں چولوں کی حالت مستحکم ہوئی بلکہ شمالی علاقے میں نئی قائم شدہ مغربی چالوکیہ ریاست کے ساتھ تنازعات میں شدت پیدا ہوئی۔ وینگی (Vengi) کے مشرقی چالوکیوں کی جانشینی کی لڑائی میں چول حکمراں کی مداخلت سے ان کے تعلقات میں مزید بگاڑ پیدا ہوا جس کا نتیجہ اکثر دونوں میں باہم جنگوں کی شکل میں سامنے آیا۔ راجاراجااول نے اپنے عہد حکومت کے آخری ایام میں مالدیپ کو فتح کر کے چول سلطنت میں شامل کر لیا۔ مفتوحہ علاقوں اور جن پر اس نے تسلط قائم کیا تھا ان پر اپنی گرفت برقرار رکھنے کے لیے اس نے 1012ء میں اپنے بیٹے اور جانشیں راجیندر کو یوراج (Yuvaraja) کے طور پر تقرر کیا۔

راجاراجااول ایک عظیم حکمراں کے علاوہ، فنِ تعمیرات کا شوقین تھا۔ یہی وہ راجاراجااول تھا جس نے 1010ء میں تنجاور کے مقام پر برہ دیشور (Brihadeshwara) کا عظیم الشان مندر جو راجاراجامندر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے تعمیر کروایا تھا۔ فن تعمیر کا یہ حیرت انگیز نمونہ بلاشبہ عہدِ چول کے ماہرینِ فنِ تعمیر کی عمدہ مہارتوں کا شاہکار نمونہ پیش کرتا ہے۔ راجاراجانے سری وجیا (SriVijay) (انڈونیشیا) کے سیلندر حکمراں سری ماراوجیوتنگ ورمن (Srimara Vijayottungavarman) کو بھی بدھسٹ وِہار ناگاپتم (Viharaat Nagapattam) جسے راجاسری وجیا کے والد چُڑامنی وِہار (Chudamani Vihara) کے نام سے بھی جانا جاتا

ہے بنوایا تھا۔ شمالی سری لنکا اور مالدیپ پر اس کے اقتدار اور کنٹرول اور انڈونیشیا کے سیلندر حکمرانوں پر اس کے اثر ورسوخ اس کی بحری بالادستی کی تصدیق کرتے ہیں جو اس نے اپنے بیرون ممالک مہمات میں انجام دیا تھا۔ آخر کار 1014ء میں راجاراجا اول کی وفات کے ساتھ اس کا دورِ حکومت ختم ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا راجیندر اول تخت نشین ہوا جو چول حکمرانوں میں کافی مشہور ہے۔

15.3.2 راجیندر اول (Rajendra–I)

چولوں کی تاریخ میں سب سے کامیاب حکمران راجیندر اول نے 1014 عیسوی میں اپنے والد راجراجا اول کی موت کے بعد تخت پر بیٹھا اور تین دہائیوں تک سلطنت پر حکومت کی۔ اس نے اپنے والد کا جارحانہ رویہ جاری رکھا اور سری لنکا کو فتح کر مہندرا پنجم کو قیدی کے طور پر چولا ریاست لے جایا گیا۔ اس کے علاوہ اس نے چیرا اور پانڈیا حکمرانوں کو بھی کامیابی سے شکست دی اور اپنے ایک بیٹے کو چولا- پانڈیا کے لقب سے دونوں کا وائسرائے مقرر کیا، جس کا مرکز مدورائی تھا۔ اس دور میں چولا سیاست کی ایک اہم ترقی کلیانی کے مغربی چالوکیوں کے خلاف ان کی مسلسل دشمنی تھی، جو دکن کی ایک زبردست طاقت تھی۔ تاہم، جو بات یہاں پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ 11ویں صدی میں فوجی کامیابیوں کے اتار چڑھاؤ کے باوجود، ان طاقتوں میں سے کوئی بھی اپنے مخالفین کے علاقوں پر زیادہ دیر تک قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی، اور وہ جزیرہ نماہندوستان میں سب سے بڑی سیاسی طاقت کا درجہ حاصل کیے بغیر اپنے علاقے میں ڈٹے رہے۔ بہر حال، راشٹر کوٹوں اور بعد میں مغربی چالوکیوں کی راجدھانی مانیا کھیٹ شہر کے راجیندر اول کی تباہی کے نتیجے میں کلیانی میں مغربی چالوکیوں کے لیے ایک نیا دارالحکومت تعمیر کیا گیا، جس کی وجہ سے انہیں اکثر کلیانی چالوکیا یا کلیانی کا چالوکیہ کہا جاتا ہے۔ 1024 میں، راجیندر اول نے چولا کے دارالحکومت کو تنجاور سے نئے تعمیر شدہ شہر گنگائی کونڈا چولا پورم میں منتقل کر دیا، جو تقریباً 250 سال تک چولوں کا دارالحکومت بنی رہی۔

راج راجہ چول کے دور سے ہی چولوں کو ہندوستانی بحریہ پر بالادستی حاصل تھی یہ بالادستی کافی طویل عرصہ تک قائم تھی۔ چولوں کی یہ بالادستی راجیندر دوم کے دورِ حکمرانی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس نے چولوں کی ان مہم جوئیوں کو جو اس کے والد نے سری لنکا کے بادشاہ کے خلاف شروع کی تھی انہیں پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور سری لنکا کو مکمل طور پر چول حکومت میں شامل کر لیا۔ تاہم چولوں کی سب سے جرأت مندانہ بحری مہم جنوب مشرق کے حکمراں سری وجیا کے خلاف انجام دی گئی تھی۔ یہ مہم 1025-1026ء کے دوران راجیندر اچول نے سر کی تھی۔ اس مہم میں چول کے بحری بیڑے نے جنوب مشرق کے ایک بہت بڑے علاقے پر فتح حاصل کی تھی۔ اگرچہ یہ مفتوحہ علاقہ چول سلطنت میں ضم نہیں کیا گیا اس کے باوجود یہ مہم گیارہویں صدی میں چولوں کی بحری بالادستی کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

15.3.3 راجادھیراجا اول (Rajadhiraja–I)

راجیندر اول کا انتقال 1044 عیسوی میں ہوا اور اس کا بیٹا راجدھیراج اول اس کا جانشین بنا۔ اس نے مغربی چالوکیہ حکمراں سومیشور اول کے خلاف بھی کئی لڑائیاں لڑیں اور یہ تمام لڑائیاں جیتنے میں کامیاب رہا۔ راجدھیراج اول کی سب سے اہم کامیابی مغربی چالوکیوں کے دارالحکومت کلیانی پر قبضہ کرنا تھا۔ اپنی جیت کو یادگار بنانے کے لیے، اس نے کلیانی میں ویر بھیشیک کیا اور اپنے لیے 'وجے راجیندر' کا لقب

اختیار کیا۔ راجادھیراج کے بعد بالترتیب راجندر دوم اور ویر راجندر چولا حکمراں بنے۔

15.3.4 کلوتنگااول (Kulottunga)

وجیندرا کی وفات کے بعد 1070ء میں کلوتنگا اول (1070-1120ء) چول سلطنت کا نیا حکمراں بنا اور 1120ء میں اس کی موت تک اس نے چول علاقوں پر تقریباً 50 سال تک حکومت کی۔ دیگر چول حکمرانوں کے برعکس کلوتنگا اول ایک مختلف پس منظر سے تعلق رکھتا تھا۔ بنیادی طور پر یہ راجیندرا دوم نام سے مشرقی چالوکیہ حکمراں تھا۔ 1170ء میں وہ چول خاندان میں ازدواجی رشتے کی بنیاد پر وہ کلوتنگا کے نئے نام سے چول خاندان کا حکمراں بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ چول حکومت کا آخری اہم حکمراں تھا۔ جیم گوندار (Jayamgondar) کی کلینگاتُّپرنی (Kalingattuparani) جنگی گیت کی شکل میں تمل ادب کا اہم شاہکار ہے جس میں چول-کلنگ جنگ میں کلوتنگا اول کی گنگا حکمراں اننت ورمن چوڈ آنگا (Anantavarman Chodaganga) کے خلاف فتح کا ذکر ہے۔ اس کے دور حکومت کے نتیجے میں وینگی کو چولا سلطنت میں ضم کر دیا گیا، حالانکہ محدود مدت کے لیے۔ اس کی موت کے فوراً بعد وینگی پر سب سے مشہور مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ VI نے حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا جس نے پانچ دہائیوں تک یعنی 1076ء سے 1126ء تک سلطنت پر حکومت کی۔

راجا بننے کے بعد، کلوتنگا نے سیلون کے چول علاقوں میں جو بغاوت اٹھی تھی اسے کچلنے کے لیے اقدامات بھی کیے، اور چول حکمرانوں کی بالادستی منوانے کے لیے پانڈیا اور چیرا کے صوبوں کے امراء کے خلاف کامیاب کارروائیوں کا بھی اہتمام کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 1077 کے قریب چول سفارت کاروں کے کئی تاجر چین پہنچنے کے ثبوت ملتے ہیں، جو چین سے دوستانہ تعلقات کے کلوتنگا کی خواہش کو ظاہر کرتے ہیں، یہ چھ دہائی پہلے راجیندر چول کی آغاز کردہ پالیسی کا تسلسل تھا۔ سری وجے کے ساتھ بھی کلوتنگا نے دوستانہ تعلقات کو بنائے رکھا تھا جس کا ثبوت 1090ء میں سری وجیا نے کلوتنگا کے دربار میں سفیر کو بھیجا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک قابل حکمراں تھا اور اپنی عوام کی فلاح و بہبود پر اس کے تحفظات تھے جو اکثر اسے 'سنگمتاویرتا' (Sangamtavirtta) (وہ جس نے محصول کو ختم کیا) کا لقب دیا۔ اگرچہ ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ واقعی اس نے ایسا کیا بھی تھا یا نہیں۔ کلوتنگا اول کے جانشین کمزور تھے اور وہ چول کی تابناک تاریخ میں سوائے چند معمولی فوجی کامیابیوں اور چند مندروں کی تعمیر کے علاوہ کچھ اضافہ نہیں کر سکے۔ یہاں تک کہ کلوتنگا کی وفات کے بعد بھی، چول بادشاہت 150 سال سے زائد عرصے تک جاری رہی لیکن بہت کم اہمیت کی حامل رہی۔ آخر کار چول حکومت کا آخری بادشاہ راجیندرا چول سوم کو سندر پانڈیہ کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اسے پانڈیوں کی بالادستی تسلیم کرنی پڑی۔ اسی کے ساتھ 1279ء میں جنوبی ہندوستان میں چول اقتدار کا خاتمہ ہوا۔

15.4 ریاست کی نوعیت (Nature of State)

چول حکومت کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نویں صدی عیسوی کی ایک چھوٹی سی ریاست بعد کی دو صدیوں یا اس سے زائد عرصہ میں ایک بہت بڑی اور عظیم الشان سلطنت میں تبدیل ہوئی۔ اس طرح نوبُروکاراشیما (Noburu Karashima) اور وائے سُبّارایالو

(Y. Subbarayalu) جیسے دانشوروں نے چول دورِ حکومت کے بے ہنگم چار سو سالوں کو جو ان کے لطف اندوز سیاسی کنٹرول پر مبنی تھے، تین مرحلوں میں تقسیم کیا ہے:

- پہلا مرحلہ (850-985ء): نظامِ حکومت سے پہلے کا دور ہے جو کاویری ڈیلٹا پر چول سلطنت کی بنیاد اور اس کے قیام سے منسلک ہے۔
- دوسرا مرحلہ (986-1000ء): اس کی شناخت، شہنشاہیت کے دور کے طور پر ہوتی ہے جو طاقتور چول حکمرانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ راجاراجا چول سے شروع ہو کر کلوتنگا اول کے دورِ حکومت پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور کو بے شمار سرکاری نمائندوں اور فوج کے تعاون سے اقتدار کو مرکزی نوعیت کا بنانے کی کوششوں کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔
- آخری مرحلہ: اس کو شہنشاہیت کے بعد کے دور سے منسوب کیا جاتا ہے جو مرکزی سیاسی نظام کے فقدان سے جانا جاتا ہے۔ اس دور میں متعدد مقامی حکمرانوں، سرداروں اور سیاسی طاقتوں کے ابھرنے کے ساتھ سیاسی مرکزیت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئی۔

'دی چولز' (*The Cholas*) نامی کتاب کے مصنف کے۔اے۔ نیلکنٹھ شاستری (K.A. Nilkanta Shastri) چول سلطنت کے بارے میں کہتے ہیں کہ چول ایک ایسی ریاست تھی جو مرکزی اور طاقتور حکومت کے ذریعے چلائی جاتی تھی اور اس کے پاس بہت ہی منظم اور ماہر افسر شاہی موجود تھی۔ تاہم مقامی نظم و نسق میں بادشاہ کا عمل دخل بہت ہی کم رہتا تھا۔ شاستری کی اس رائے پر برٹن اسٹین (Burton Stein) نے اپنی کتاب *Peasant, State and the Society in Medieval South India* میں زبردست تنقید کی ہے۔ اس کتاب میں وہ 'منقسم ریاست' (Segmentary State) کے تصور کو پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چول سلطنت اسی نوعیت پر مبنی تھی۔ اس تصور کو مشرقی افریقہ کے الور (Alur) سماج پر کی گئی ایڈن ساؤتھ ہال کی تحقیق سے موازنہ کرتے ہوئے، اسٹین نے ساؤتھ ہال کے کچھ مشاہدات کو چول سلطنت پر عائد کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے نزدیک دوہری حاکمیت، منقسم ریاست کی ایک اہم خصوصیت ہے، جو حقیقی سیاسی حاکمیت اور رسمی حاکمیت دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چول سلطنت کے اطراف میں بے شمار ناڈو (*nadus*) مساوی طور پر منقسم تھے اور یہ ناڈو زمزید تین علاقوں میں تقسیم کیے گئے تھے: بنیادی/مرکزی، درمیانی اور بیرونی۔ چنانچہ، چول حکمرانوں نے صوبائی حاکمیت کو خاص کر بنیادی علاقوں کی حاکمیت کو محدود طور پر برتا تھا۔ بیرونی علاقوں کا نظم و نسق مرکزی نظم و نسق کے ڈھانچہ میں مخروطی تکرار کے ذریعہ انجام دیا جاتا۔ لہٰذا ایک منظم افسر شاہی کی عدم موجودگی نے چول حکمرانوں کو محض رسمی خود مختاریوں تک محدود رکھا، جس میں حکمراں کے عہدے کو برہمن پجاریوں کے ذریعہ جواز فراہم کیا جاتا تھا۔ اس خیال پر جدید دانشوروں نے بھی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ افریقہ میں الور سماج کی تحقیق کے لیے استعمال کیے گئے طریقہ کار کا اطلاق چول حکومت کے معاملے میں روا نہیں رکھا جاسکتا۔ اگرچہ ماہرین نے چول سلطنت کو کیتھ لین گف (Kathleen Gough) کے ذریعے 'قدیم زمانے کی ریاست' ('Archaic State') اور ہنری جے۔ ایم۔ کلاسین (Henry J.M. Classen) اور پیٹر اسکالنک (Peter Skalnik) کے ذریعے 'ابتدائی ریاست' (Early State) کے نام سے موسوم کرنے کی کوشش کی

ہے، لیکن پھر بھی ان دونوں کو الگ تھلگ رکھتے ہوئے چولوں کی سیاسی حکمت عملیوں کو کماحقہ سمجھنا ذرا مشکل ہے۔

15.5 چول نظم ونسق (Chola Administration)

15.5.1 بادشاہ اور افسر شاہی (King and the Beaurocracy)

چول عہد کے کتبوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نویں صدی میں چول بادشاہ کا منصب آہستہ آہستہ ایک عام سربراہ سے بڑھ کر گیارہویں صدی میں ایک شہنشاہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا ۔اس بات کو ان کے ابتدائی دور میں پیرومنور (Perumanor) پیرومن ادیگن(Peruman Adigan)سے اُدے یار(Udaiyar)کے القابات اور بعد میں چکرورتی اور تری بھونوا چکرورتی (Tribhunava Chakravarti) تک بڑھ گیا تھا۔اسے گیارہویں صدی کے بڑے القابات کے استعمال اور ان میں تبدیلی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ چول انتظامیہ میں بادشاہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور وہ موروثی راج شاہی طرز کی حکومت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ وزیروں کا ایک حلقہ چول راجاؤں اور مہاراجاؤں کا معاون ہوتا تھا جو انتظامیہ کے اہم محکموں کی نمائندگی کرتا تھا اور مختلف امور میں راجا کو مشورہ دیتا تھا۔ جہاں تک افسر شاہی کا تعلق ہے مختلف ذمے داریوں اور فرائض کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے چول دربار میں متعدد افسروں کا تقرر کیا گیا تھا جنہیں مختلف عہدوں پر فائز کے عہدیداروں میں درجہ بند کیا گیا تھا۔ عام طور پر ان عہدیداروں کے دو درجے تھے۔

1. پیروندنم (*Perundanam*) (اعلیٰ عہدیدار)۔
2. 'سیرودنم'(*Sirudanam*) (ادنیٰ عہدیدار)۔

حیرت انگیز طور پر دونوں عہدیداروں کی ملازمت کی نوعیت تقریباً موروثی تھی۔ یہاں تک کہ دیوانی اور فوجی ملازمتوں میں کوئی واضح امتیاز نہیں تھا۔ ان کی تقرریوں کا عمل، طریقہ کار اور عہدوں پر ترقی کے اصولوں کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں ۔اکثر ان عہدیداروں کو ان کے مقامات کے لیے موزوں زمین کی تفویض کے ذریعہ معاوضہ دیا جاتا تھا اور کبھی کبھار انہیں، مالِ غنیمت اور اعزازات والقابات کے ذریعہ بھی نوازا جاتا تھا۔

بارہویں صدی کا جے گووندار کے مشہور تمل ادبی شاہکار کلنگا تپرنی (Kalingattupparani) میں کلوتنگ چول کے خوبصورت شاہی محل کا تذکرہ کیا ہے جس میں کئی رانیاں ، لونڈیاں ، موسیقار، محافظ ،افسران مملکت، راجا کے معاونین اور دیگر اہلکار موجود رہتے تھے۔ ان میں ہمیں 'اولینایگم (Olainayagam)' (سرکاری منشی)اور 'ناڈُویروکتی (Naduvirukkati)، سری کریام (Srikaryam)کے حوالے ملتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے چینی دانشور چَو جو کُوآ (Chau Ju-kua) نے بھی چول دربار کی شان وشوکت اور جاہ وجلال کا تذکرہ کیا ہے۔

15.5.2 انتظامی شعبے (Administrative Divisions)

انتظامی سہولت کے لیے چول حکومت منڈلوں (*Mandalas*)، ولاناڈوؤں(*Valanadus*)ناڈوؤں(*Nadus*)اور کوٹموں(*Kuttams*) جیسی مختلف اکائیوں میں منقسم تھی۔ راجاراجاچول کے دورِ حکومت میں چول منڈلم(چول-ناڈو)یعنی مرکز کے ساتھ ساتھ منڈلم کا وجود عمل میں آیا۔ ہمیں اس طرح کے کئی منڈل جیسے راجاراجا منڈلم(پنڈی-ناڈو)، جینگونڈاچول منڈلم (Cholammandalam Jayamgonda) (تونڈئی-ناڈو)، اور مُموڈی چول منڈلم (Mummudicholamandalam) (سری لنکا)وغیرہ کی شہادتیں ملتی ہیں۔ چول سلطنت کے تحت کئی اہم علاقے ولاناڈو میں تبدیل ہوگئے تھے اور ہر منڈلم اس طرح کے بہت سارے ولانڈوؤں پر مشتمل تھا۔ لیکن چول سلطنت کے وسیع وعریض علاقے پر ولاناڈو انتظامی امور کی بنیادی اکائی تھا۔ اگرچہ ناڈو کی اصطلاح کا استعمال وسیع وعریض خطہ کو ظاہر کرنے کے لیے عمومی معنوں میں استعمال کی جاتی تھی لیکن یہ خاص طور پر الگ الگ چھوٹے زرعی علاقوں کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔ وائے۔ سُبّارایالو (Y. Subbarayalu) کے مطابق چول-منڈلم اور تونڈئی-منڈلم تقریباً350 ناڈوؤں پر مشتمل تھے اور بیشتر ناڈو کا حصہ عام طور پر 20تا 200 مربع کلو میٹر تک ہوتا تھا۔ ناڈو کی علاقائی سالمیت بعض اوقات، والانڈو اکائی کے اجزا کی بالادستی سے متاثر ہو جاتی تھی۔ تونڈئی منڈلم علاقوں میں، کوٹّم واس (Kottamwas) کی مزید ایک اور علاقائی تقسیم ناڈوؤں پر رکھی گئی تھی۔ جس وقت کلوتنگااول نے تونڈئی منڈلم میں انتظامی تقسیم کے ولناڈو علاقوں کو متعارف کروایا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ابتدائی دور کے کوٹّموں کا ہی نام بدل کر ولناڈو رکھ دیا ہو۔ رہائشی علاقوں اور آس پاس کی زرعی زمینوں کے ساتھ ساتھ جنگلات اور چراگاہ کی زمین پر مشتمل بنیادی بستی کو 'اُر'(*Ur*) کہا جاتا تھا۔ چول سلطنت میں مختلف قسم کے اُرپائے جاتے تھے.

- ویلّن واگئی (*Vellanvagai*) (زرعی دیہات)
- برہم دیا (*Brahmadeya*) (برہمنوں کو عطیہ کیے گئے گاؤں)
- دیودَیا (*Devadeya*) (مندر گاؤں)
- نگرم (*Nagaram*) (تجارتی بستی)
- تنی یار (*Taniyar*) (علیحدہ گاؤں) بعض برہم دیہ دیہاتوں کو تنی یار کی حیثیت حاصل تھی۔

بری اور بحری افواج پر مشتمل چول حکومت کا عسکری نظام بہت مضبوط تھا۔ ہندوستانی جزیرہ نما، سری لنکا، مالدیپ اور انڈونیشیا (سری وجیا) جیسے ممالک میں ان کی حکومت کی سیاسی توسیع مضبوط افواج کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ اس میں مخصوص فوجی دستے 'کئی کولار' (Kaikkolar) ،حسبِ ضرورت بھرتی کی گئی فوج ویلائیکار(Velaikkara) اور شاہی محل کے محافظ پری ورم (Parivaram)وغیرہ جیسے مختلف فوجی دستے تھے۔ جہاں تک بحری فوج کا تعلق ہے ایسا مانا جاتا ہے کہ ہر دستے کا ایک کپتان ہوتا تھا جسے 'نیاگم' (Nayagam) کہا جاتا تھا، بعدازاں اس اصطلاح کو 'پدائی مدالی' (Padai-mudali) سے تبدیل کر دیا ہے۔ ان نیاگموں کو

'ڈنڈانیاکم' (Dandanayakams) کے ماتحت رکھا گیا تھا دوسری جانب یہ دنڈا نیاکم ، فوج کے اعلیٰ ترین عہدیدار 'سیناپتی' (Commander-in-chief) کے ماتحت ہوتے تھے۔ بیوروکریسی کے حوالے سے چولا دربار میں مختلف فرائض کی احسن طریقے سے انجام دہی کے لیے متعدد اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔ 12ویں صدی کا مشہور تامل ادب کالنگٹپپرانی/Kalingattupparani جو جیانگوندار/Jayangondar کا لکھا ہوا ہے، کلوتونگا چولا کے خوبصورت شاہی دربار کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے دربار میں اس کی کئی ملکہ، نوکرانیاں، موسیقاروں، سرداروں، ماتحتی حکمراں اور دیگر حکام شرکت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ہمیں کچھ ممتاز حکام جیسے اولینایاگم/Olainayagam (سرکاری ساستری)، ادھیکاری/Adhikari اور ناڈوویروکائی/Naduvirukkai، سریکاریم/Srikaryam وغیرہ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ چولوں کے بارے میں دستیاب معلومات جو زیادہ تر نوشتہ جات سے حاصل ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ راجراج چول کے دور سے شروع ہونے والی ایک صدی سے زیادہ عرصے تک ان کی سلطنت پر مرکزی کنٹرول قائم رہا۔ تاہم، مقامی اداروں کی خود مختاری کو مسترد نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اترامیرور کے نوشتہ جات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مقامی اداروں کی ایگزیکٹو کونسل میں ہونے والے اجلاسوں میں مرکزی حکمران کا نمائندہ بھی موجود رہتا تھا جس کی معلومات ہمیں مذکور کتبہ سے ہوتی ہے۔

15.5.3 خود کار مقامی حکومت (Local Self-Government)

چول نظم ونسق کی سب سے اہم خصوصیت خود کار مقامی حکومت کا نظم وانصرام تھا۔ ان بلدیاتی اداروں کی خود مختاری کے نمایاں درجہ اور ان دیہاتوں پر ان حکمرانوں کی براہ راست گرفت پانے کی حد پر علماؤ فضلا کے درمیان بحث ومباحثہ جاری ہے۔ ان دیہاتوں کی دو جداگانہ مجلسیں (Assemblies) 'اُر' (Ur) اور 'مہاسبھا' (Mahasabha) ہوا کرتی تھیں۔ اُر دیہات کی عمومی اسمبلی تھی جبکہ برہمن دیہاتوں 'اگرہاروں' (Agraharas) میں بزرگوں کی مجلس 'سبھا' یا 'مہاسبھا' ہوا کرتی تھی۔ اگرہاروں کی بیشتر زمین کو حکام نے کسی بھی قسم کے محصول سے مستثنیٰ رکھا تھا۔ پرانتکا چول کے 'اتّرامیرور' (Uttaramerur) کتبے، مہاسبھا کے کاموں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ دیہاتوں کا نظم ونسق مجلسِ عاملہ کے ذریعہ انجام پاتا تھا جس کے ممبران یا تو جمہوری طرز پر منتخب ہوتے تھے یا ان کا انتخاب قرعہ اندازی جو 'کداوُلائی' (Kudavolai) کے نام سے معروف تھی کے ذریعے ہوتا تھا۔ اس مجلس کے ممبر بننے کے لیے زمین کا مالک ہونا، ویدوں کا علم اور جرائم سے پاک ہونا جیسے بعض معیار متعین کیے گئے تھے۔ اس مجلس کے ممبران کی مدتِ کارکردگی تین سال ہوتی تھی۔ متعدد کمیٹیاں جسے 'وری یمس' (Variyams) کہا جاتا تھا نظم ونسق کے مختلف معاملات کی دیکھ بھال کے لیے تشکیل دی گئی تھیں۔ ہمیں 'ایری' (Eri) (آبپاشی)، 'ٹوٹّا' (Totta) (باغ) اور 'پون' (Pon) (سونا) جیسی کمیٹیاں (Variyama) جو اس دور میں موجود تھیں، کے دستاویزی ثبوت ملے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کمیٹی چھ سے بارہ ممبروں پر مشتمل ہوتی تھی جنہیں عمومی طور پر 'وریاپیرومکّل' (Variya Perumakkal) کہا جاتا تھا۔ سبھا اور چول دربار کے درمیان گہرے رشتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ 'اتّرامیرور' (Uttaramerur) میں پائے جانے والے دو کتبوں کے مطابق، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سبھا کی قرارداد 'اوف'

(Aof) کی منظوری ان کمیٹیوں کے ذریعے خود مختاری کے ساتھ کی گئی تھی جس کے نتیجے میں چولوں کے تحت ریاست کی نوعیت کے لیے مختلف نمونوں کا اطلاق ہوا۔

15.6 سماج (Society)

چولوں کے معاملے میں ذات پات نے سماجی تنظیموں کی بنیاد بنائی اور ہر ذات بڑی حد تک موروثی پیشہ ورانہ گروہ سے متعلق تھی جس کی ایک فعال تنظیم ہوا کرتی تھی جو ان کے سماجی و اقتصادی مفادات کے کام اور تحفظ کے لیے ذمہ دار تھی۔ کے اے نیلکنٹھ شاستری کے مطابق عام نظریہ یہ ہے کہ چول سماج سماجی ہم آہنگی کا سماج تھا اور ان مختلف سماجی گروہوں کے درمیان قناعت موجود تھی۔ ذات پات اور کسی بھی گروہ سے لگاؤ کو سماجی تعاون کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر نہیں دیکھا گیا کیونکہ ہمارے پاس تلائیکانگاڈو(Talaiccangadu) سے دستیاب ثبوت موجود ہیں جہاں ایک مندر کی دیکھ بھال اور برہمنوں کو کھانا کھلانے کا کام وہاں رہنے والے مختلف گروہ کرتے تھے۔ تاہم، طبقاتی دشمنی اور اخراج کے چھٹپٹ حوالوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف نوشتہ جات میں سولہ ذاتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں برہمن، ویللا (vellela)، منرڈی (manradi)، تاجر ذات، ایڈیا (idaiya)، پلی (palli)، ٹچن (tachchan)، کناملن (kanamalan)، تتان (tattan)، کیکّولا (kaikkola)، المگن (ilamagan)، کچاوا (kuchava)، ولایہ (valaiya) اور ویٹوا (vettuva) شامل ہیں۔ برہمنوں کو اپنی زمینی طاقت کی بنیاد پر سماجی درجہ بندی میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ ویللا کو درجہ بندی میں دوسرے نمبر پر رکھا گیا تھا۔ اگرچہ تاجر ذات صرف تجارتی بستیوں (نا گرم) تک محدود تھی، لیکن پھر بھی وہ سماجی درجہ بندی میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔

برہمنوں کے علاوہ سماج میں بعض طبقات کو بہت سے مراعات حاصل تھیں۔ مثال کے طور پر راجاراجا اول(Rajaraja- I) کے دور میں ویللاوں/vellalas (کنراوتنکوٹم کے/Kunra-vattanakkotam) کو دی گئی چھوٹ، راجہ راجیندر چول کے تانبے کی تختی پر کندہ کاری کے لیے کاریگروں(shilpi) کو دی گئی مراعات، اور اُتم چول (Uttamchola) کے دور حکومت میں شاہی کپڑا بنانے والے کانچی کے بُنکروں کو دی گئی مراعات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہمارے پاس بعض گروہوں پر عائد بعض پابندیوں کا حوالے بھی ملتے ہیں، مثال کے طور پر الووں (Ilavas) کو پالیانور (Palaiyanur) کے دیودان سے ناریل اور کھجور کے درختوں سے تاڑی نکالنے کی اجازت نہیں تھی۔ کرووَر (Karuvur) اور پیرور(Perur) کے نوشتہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام سماجی گروہوں کو کچھ خاص مراعات کا استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اسکے استعمال کے لیے انہیں راجہ سے اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کے مطابق وینگلاناڈو(Vengalanadu) اور تین-کونگو (Ten-Kongu) کے مستریوں اور دیگر کاریگروں کو چولا شہنشاہ سے درج ذیل مراعات حاصل ہوئیں - دو شنکھ بجانے کی اجازت، ڈھول بجانا، گھروں سے باہر نکلتے وقت چپل کا استعمال کرنا، گھروں کی دیواروں کو چونے کے پلاسٹر سے پلستر کرنا اور دو منزلہ عمارت کی تعمیر وغیرہ کی چھوٹ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ برٹن اسٹین (Burton

Stein) نے ابتدائی عہد وسطی کے جنوبی ہندوستانی معاشرے کو 'کسان معاشرہ' کے طور پر بیان کرتے ہیں کیونکہ زیادہ تر لوگ آباد دیہات میں رہتے تھے، اور زراعت اور متعلقہ سرگرمیاں رزق اور دولت کا بنیادی ذریعہ فراہم کرتی تھیں۔

15.6.1 ولنگائی اور النگائی گروہ (Valangai and Idangai Groups)

دلچسپ بات یہ ہے کہ پیشہ ورانہ طور پر بہت سے سماجی گروہ اور ذاتیں تھیں جنہیں اکثر دو وسیع سماجی تقسیموں، والنگئی/ valangai (دائیں ہاتھ) اور ادنگائی/idangai (بائیں ہاتھ) کے تحت درجہ بندی کیا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ والنگئی یا دائیں ہاتھ کی تقسیم میں صرف وہی ذاتیں اور گروہ شامل تھے جن کا تعلق زمین اور زراعت سے تھا، جب کہ بائیں ہاتھ کی تقسیم میں تجارتی اور کاریگر گروہ شامل تھے۔ برٹن اسٹین نے 18ویں صدی کے اواخر اور 19ویں صدی کے اوائل کے ذرائع پر مبنی واگنگائی-ادنگائی عہدوں کی ایک فہرست بنانے کی بھی کوشش کی ہے اور تامل ناڈو (شمالی) اور کرناٹک کے پڑوسی اضلاع کی 68 بڑی ذاتوں پر توجہ مرکوز کی ہے جس میں صرف بائیں بازو کے افراد کو نامزد کیا گیا تھا۔ تاہم، بائیں/دائیں عہدہ کے لیے اس 'زرعی بمقابلہ تجارتی اور دستکاری کے پیشے' کی داستان کو وائی۔ سبارایالو (Y. Subbarayalu) نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے، جو چودھویں صدی کے بائیں ہاتھ کے نوشتہ جات میں پلی (palli) یا ونیہ (vanniya) کی بنیاد pa ایک کسان ذات کے گروہ کے فعال کردار کو نوٹ کرتے ہیں۔ مزید برآں، تامل ناڈو اور سری لنکا میں پائے جانے والے 11ویں-13ویں صدی کے کئی Ayyavole مرچٹّا-گلڈ نوشتہ جات میں تاجر گروپ اپنے آپ کو دائیں ہاتھ کے ممبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

چول دور کے مختلف نوشتہ جات بھی خواتین کی سماجی حیثیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ابتدائی چول حکمرانوں کی زیادہ تر متعدد بیویاں تھیں کیونکہ ہمارے پاس رانیوں اور لونڈیوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ اس عرصے کے دوران ہمیں ابتدائی دور کی چند شہزادیوں کا بطور عطیہ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اعلیٰ طبقے کی خواتین اپنے طور پر جائیداد کی مالک تھیں اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق اس کا انتظام کرنے کی آزادی تھی۔ ہمیں حکمرانوں اور شہزادوں کی عوامی پالیسی میں شاہی خاندان کی شہزادیوں کی شرکت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یک زوجاتی خاندان سماجی زندگی کی عام اکائی تھی، حالانکہ بادشاہوں اور رئیسوں کی متعدد بیویاں تھیں۔ اگرچہ شاہی خواتین کی طرف سے ستی کے رواج کے بارے میں چھٹپٹ حوالہ جات موجود ہیں، لیکن چولوں کے دور میں اسے عام رواج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ طوائفوں کے طبقے کو معاشرے میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور وہ زیادہ تر مذہبی تہواروں کے دوران عوام میں نظر آتی تھیں اور انہیں موسیقی اور رقص میں بھی ماہر سمجھا جاتا تھا۔ نوشتہ جات میں اسے اکثر دیوراڈیال، تیونار مکل، تلیالار کہا جاتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر مندر کی خواتین اپنے عطیات کے ذریعے مندروں سے وابستہ تھیں۔ چول دور کے اواخر میں، ان خواتین کو بعض اوقات بعض مراعات حاصل کرنے کی مثالیں ملتی ہیں- جیسے کہ جلوس میں دیوتا کے قریب جگہ ملنے کا اعزاز یا دیوتا کے سامنے بھجن کا ایک خاص حصہ گانے کا حق۔ اس وقت کے کچھ نوشتہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ چول دور میں خواتین کو اپنے گھر کے معاشی وسائل تک کچھ حد تک رسائی یا کنٹرول حاصل تھا۔

مختلف نوشتہ جات ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ چول دور میں غلامی ایک قائم شدہ ادارہ تھا۔ غلاموں کے کئی طبقات تھے۔ نوشتہ جات میں درج غلاموں کی فروخت سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر غلاموں کی فروخت مندروں کو کی جاتی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے پاس غلاموں کی فروخت کی رضاکارانہ نوعیت کا حوالہ بھی موجود ہے کیونکہ دو خواتین نے اپنے زیر کفالت افراد اور رشتہ داروں کے ساتھ مل کر تنجاور ضلع میں واقع ایک مندر میں خود کو فروخت کیا تھا۔

15.7 معیشت (Economy)

15.7.1 زمین کی اکائی اور پیمائش (Unit and Measurement of Land)

چونکہ حکومت کی آمدنی کا بڑا حصہ زمینی محصول سے آتا تھا اس لیے لوگوں سے زمین کے ٹیکس کی درست تشخیص اور وصولی کے لیے زمین کی پیمائش ضروری تھی۔ تامل تحریروں کی بنیاد پر کے اے نیلکنٹھ شاستری ہمیں نہ صرف زمین کی پیمائش کی مختلف اکائیوں کے بارے میں بتاتے ہیں بلکہ چول دور میں مائعات (liquid)، اناج اور سونے (gold) کی پیمائش کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ درحقیقت، کلی (kuli)، ما(maa)، ویلی(veli)، پٹی(patti) اور پاٹکم (paatkam) چولوں کے تحت زمین کی پیمائش کی بڑی اکائیاں تھیں۔ جبکہ پٹی صرف 11ویں صدی سے پہلے آندھرا کے شمالی ضلع چینگلپٹو(Chengalpattu)، آرکوٹ (Arcot)اور آس پاس کے اضلاع میں پائی جاتی ہے، دوسری طرف پاٹکم، صرف چند برہمدیہ(Brahmdeya)گاؤں میں پایا جاتا ہے۔ 'ما'کی شناخت ویلی کے بیسویں حصے کے طور پر کی گئی۔ تاہم، کلی اور ویلی سب سے مشہور زمینی اکائیاں تھیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کلی پیمائش کی سب سے چھوٹی بنیادی اکائی تھی اور دیگر تمام اکائیوں کو کلی کے ضرب میں ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن ان اکائیوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں کوئی یکساں حساب کتاب نہیں تھا اور یہ پورے دور میں مختلف ہوتے تھے۔ اس کے باوجود، چھتیس میں سے انیس ایسی مثالیں ہیں جن میں ایک ویلی کا ذکر 2000 کُلی کے برابر تھا، جب کہ دیگر 2560 کلی سے 10،240 کلی تک مختلف تھیں۔

جہاں تک زمین کی پیمائش کا تعلق ہے، ادبی اور نوشتہ جات دونوں ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں زمین کی پیمائش کے لیے استعمال ہونے والا واحد آلہ لاٹھی (rod) یا کول (kol) تھا۔ کول یا چھڑی یا تو انسانی توسیع/human span(چان/chan) یا پاؤں/foot(اتی) پر مبنی تھی اور اسی کے مطابق اس کا نام رکھا گیا تھا جیسے 19-چن-کول یا 12-اتی-کول۔ تاہم، چھڑی کی سب سے مشہور قسم 16-اسپین کی چھڑی تھی، جیسا کہ اکثر مواقع پر اس کا ذکر کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ، ہمیں گاؤں، مندروں، حکمرانوں وغیرہ کے ناموں پر مبنی کچھ دیگر چھڑیوں کا بھی ذکر ملتا ہے، جیسے راجراجن کول اور ملکائی کول۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کچھ نوشتہ جات بنیادی طور پر زمین کے ٹیکس کے حساب کتاب کے مقصد کے لیے زمین کی درجہ بندی کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ 'تارم'(taram)اصل اصطلاح تھی جو زمین کے ایسے 'درجے'کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

15.7.2 نظام محصول (Taxation)

نوبورو کراشیما (Noburu Karashima) اور بی سیتارامن (B. Sitaraman) نے چول دور کے وسیع پیمانے پر تقسیم شدہ ٹیکسوں کی سات اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں کدمائی (kadamai) یا ارائی (irai)، کدیمائی (kudimai)، انترایم (anatarayam)، ویٹی (vetti)، متائیال (muttaiyal) اور تتارپٹام (tattaram pattam) شامل ہیں۔ تاہم، ان الفاظ کی صحیح نوعیت اور معنی کو سمجھنے میں بہت سے مسائل ہیں کیونکہ یہ اکثر عام اور بعض اوقات مخصوص الفاظ کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے مورخین نے چول دور کے ٹیکس حالات کو مختلف زمروں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پی شانمگھم (P. Shanmugam) نے ان کو چھ گروپوں میں درجہ بندی کیا ہے جیسے لینڈ ٹیکس، کمرشل اور پروفیشنل ٹیکس، معمولی واجبات (minor dues)، فیس اور ادائیگی، اتفاقی (incidental revenue) محصول اور عدالتی جرمانے۔ دوسری طرف Y. Subbarayalu نے انہیں چار بڑے گروہوں میں درجہ بندی کرنے کی کوشش کی ہے جیسے کہ (i) بنیادی زمینی ٹیکس (Kadamai، Irai اور Opati) جو زمین کے مالکان یا زمینداروں پر عائد کیا جاتا ہے (ii) Kudimai (مزدور یا خدمت) زمین پر لاگو کیا گیا (iii) مختلف غیر زرعی پیشیوں (پٹم اور ایام) پر ٹیکس اور (iv) متفرق ٹیکس بشمول تحائف، ٹول اور عدالتی جرمانے۔

کدمائی یا بنیادی لینڈ ٹیکس اہم لینڈ ٹیکس معلوم ہوتا ہے اور اس کے بعد کڈیمائی/kudimai آتا ہے۔ کڈیمائی کے کچھ مترادفات بھی ملتے ہے جو بعض اوقات زمین کے ٹیکس کو ظاہر کرنے کے لیے نوشتہ جات میں ذکر کیے جاتے تھے، جیسے کانیکڈن/kanikkadan، میلوارم/melvaram اور اوپاٹی/opati۔ اس طرح زمین کا بڑا ٹیکس کا نیالر یا زمیندار براہ راست حکومت کو ادا کرتے تھے۔ کدیمائی براہ راست اصل کاشتکار سے وصول کی جاتی تھی، جس کا مطلب تھا کہ کاشتکار کو یہ ٹیکس حکومت کو ادا کرنا ہوتا تھا اس کے علاوہ وہ اپنے زمیندار کو واجب الادا کرایہ بھی دیتا تھا۔ Kudimai میں کئی لیبر چارجز بھی شامل تھے جیسے اماں جی/amanji (آبپاشی کے ٹینکوں، چینلوں اور دریا کے کناروں کی دیکھ بھال کے لیے)، ویٹینائی/vetinai (ایک قسم کی لازمی مزدوری) وغیرہ۔ پاٹم/pattam اور آیام/ayam سے وابستہ اصطلاحات عام طور پر کاریگروں اور تاجروں پر عائد کیش لیوی کو ظاہر کرتی ہیں۔ متفرق ٹیکسوں میں پاڈیکاول/padikaval (چوکیداری ٹیکس)، جرمانے، اور دیگر کبھی کبھار فیس اور تحائف شامل تھے۔

15.7.3 محصول کا نظم ونسق (Revenue Administration)

چونکہ عوام کی مالی ضروریات پوری کرنا ریاست کا بنیادی سہارا ہوتا تھا، اس لیے محصولات کے ریکارڈوں کی دیکھ بھال پر بہت احتیاط اور توجہ برتی جاتی تھی۔ ریاست کی تمام زمینوں اور جائیدادوں کا باقاعدہ سروے کیا جاتا تھا اور ان کی قابل محصول اور نا قابل محصول اراضی کے طور پر درجہ بندی کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں کچھ علاقے جیسے رہائشی علاقے، مندر، تالاب، گاؤں سے گزرنے والی نہریں، کاریگروں کی قیام گاہیں اور آگ جلانے کا میدان وغیرہ محصول کی ادائیگی سے مستثناء تھے۔ ایک علیحدہ محکمہ جسے پوراوُوارائیناایگالمواس

(Puravuvari-tinaikkalamwas) کہا جاتا تھا محصول کے ریکارڈز کی دیکھ بھال کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ ہمیں موگاوٹی (Mugavetti) (شاہی مہر)اور 'پٹولائی) (Pottolai) محرر جو تاڑ کے پتوں پر ریکارڈز درج کرتا ہے)اور دیگر دفتروں کی اصطلاحات کے علاوہ محصول کے رجسٹروں کے حوالے بھی ملے ہیں جنہیں واریپ پُٹگا کانا کّو(Varippottaga-kankku) کہا جاتا تھا انہیں بھی رکھا گیا تھا۔ اگرچہ ہمارے پاس چولوں کی سالانہ زمینی آمدنی کو سمجھنے کے لیے کافی شماریاتی ڈیٹا دستیاب نہیں ہے۔Y. Subbarayalu نے دستیاب ریکارڈ کی بنیاد پر اس وقت کی تخمینی آمدنی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چولامنڈلم/Cholamandalam اور ناڈویل ناڈو/naduvil nadu میں تقریباً 1300 گاؤں شامل تھے جن میں سے 1000 ویلانوگئی/vellanvagai گاؤں تھے جن کا مکمل جائزہ لیا گیا تھا۔ اُن ہونے 1000 بستیوں کی کل پیداوار کا تخمینہ تین ملین کلم/kalam(وزن کے لحاظ سے 29 کلو گرام کے برابر) یا تقریباً 87,000 میٹرک ٹن لگایا ہے۔ تاہم، حکومت کی طرف سے لی گئی زمین کی پیداوار کے تناسب کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ کولار ضلع کے نوشتہ جات کی بنیاد پر، یہ سمجھا جاتا ہے کہ ٹینک سے سیراب شدہ دھان کی زمین کا 3/1 حصہ حکومت کے پاس چلا جاتا تھا جبکہ خشک زمین کے لیے یہ صرف 5/1 تھا۔

15.7.4 تجارت اور گلڈز (Trade, and the Guilds)

اگرچہ زراعت چول کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن تجارت نے بھی چولوں کی آمدنی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ چول دور میں نہ صرف چول کے علاقوں میں تجارت اور کاروبار میں زبردست ترقی ہوئی بلکہ انہوں نے اس عرصے کے دوران سری وجیا (انڈونیشیا) کے سیلندرا، چین، سری لنکا، مالدیپ اور خلیج فارس کے ساتھ سمندری رابطے برقرار رکھے تھے۔ یہ تجارتی سرگرمیاں زیادہ تر مختلف مرچنّٹ گلڈز اور کارپوریشنز جیسے کوڈمبالور (Kodumbalur) کے مانیگرامم (Manigramam) اور تروپورپیم (Tiruppurampiyam) کے ویلانجیار(Valanjiyar) کے ذریعہ چلائی جاتی تھیں۔ نانادیسں(Nanadesis) ایک اور طاقتور خود مختار مرچنّٹ گلڈ تھی جو اس عہد کے دوران کام کرتے تھے۔ سماٹرا/Sumatra (1088 عیسوی) میں لابوٹوئیوا(Laboe Toewa) سے خستہ حال میں دستیاب تامل نوشتہ میں اس وقت کی وسیع بیرون ملک تجارت میں تاجروں کی تنظیموں کے کردار کا ذکر ملتا ہے۔ نانادیس نے بڑے پیمانے پر اُن بیرونی ریاستوں میں سفر کیا اور سب کی طرف سے ان کا عزت واحترام کیا گیا اور وہ متعدد مراعات سے لطف اندوز ہوئے۔ اپنی تجارت اور آمدورفت کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنی کرائے کی فوج بھی جمع کر رکھی تھی۔ 13ویں صدی کے آخر تک، برما (Burma) کے پگن(Pagan) میں نانادیس کے ذریعہ ایک وشنو مندر تعمیر کیا گیا تھا اور اس مندر کو مالا بار کے ایک تاجر نے تحفے پیش کیے تھے۔

ان کے علاوہ کانچی پورم (Kanchipuram) اور مملاپورم (Mamallapuram) جیسے تجارتی مراکز میں نگرم (nagram) نامی تاجروں کی کئی مقامی تنظیمیں بھی موجود تھیں۔ حالانکہ ان کا تعلق دیگر خوشحال تجارتی گروہوں جیسے منیگرامم (Manigramam) اور نناندیس (Nandesis) کے ساتھ کیسے تھے، قطعی طور پر طے نہیں ہو پایا ہے۔ نگرموں نے مخصوص

مقاصد کے لیے اپنے اراکین سے رضاکارانہ تعاون بھی حاصل کرتے تھے۔چول حکمرانوں نے اریویراپٹنم (Erivirapapattanams) جیسے محفوظ تجارتی شہروں کو بڑے تجارتی مراکز کے طور پر قائم کر کے تجارت کو فروغ دیا۔ اکثر سری لنکا، انڈونیشیا اور جزیرہ نما مالے میں چولا بحری مہمات کو نہ صرف لوٹ مار کے طور پر دیکھا جاتا ہے بلکہ جنوب مشرقی ایشیا کی بندرگاہوں اور تجارتی مراکز کو کنٹرول کرنے کے اقدامات کے طور پر بھی دیکھا و سمجھا جاتا ہے۔

قدیم زمانے سے جنوبی ہندوستان کے تاجروں نے بحر ہند اور بحیرہ روم کی دنیا کے ممالک کے ساتھ تجارتی روابط برقرار رکھے تھے۔ ساتویں صدی تک چین اور ہندوستان کے درمیان براہ راست سمندری راستہ مشہور و مقبول تھا، نتیجتاً چینی سیاح اتسنگ یایی جنگ (Itsing) کے مطابق اس راستے سے کم از کم 37 چینی ہندوستان آئے تھے۔ نویں صدی کے آخر سے جنوبی ایشیائی ممالک نے بحر ہند میں وسیع سمندری سرگرمیاں شروع کیں۔ 10 ویں صدی کے بعد سے چین کی سونگ (Sung) حکومت نے تجارت کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس طرح دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے سفارت خانے بھیجے۔ اس کے نتیجے میں چولوں اور چین کے درمیان تجارتی تعلقات میں اضافہ ہوا اور تجارت کی ترقی ہوئی کیونکہ چول حکمرانوں نے بھی جیسے راجاراجا (1015)، راجیندر (1033) اور کلوتونگا چولا (1077) نے سفارت خانے چین بھیجے تھے۔

اس لمبی دوری کی تجارت میں شامل اہم اجناس میں ایلو کی لکڑی (Aloes wood)، عنبر (amber)، کافور (camphor)، قیمتی پتھر، بانس (bamboos)، ہاتھی دانت (ivory)، آبنوس (ebony)، کاغذ، صندل کی لکڑی اور تمام قسم کے ہندوستانی عطر، ادویات اور مصالحے (condiments) شامل تھے۔ بلاشبہ اس دور میں گھوڑے ہندوستان، خاص طور پر چولا سلطنت کے لیے درآمد کی ایک بڑی اہم شے تھے جن کا ذکر کدیرائی سیٹس/ kudirai-cettis (گھوڑوں کے تاجر) کے نام سے مشہور تاجروں کے نوشتہ جات میں بار بار ملتا ہے اور وہ لوگ چولا سلطنت کو بنیادی طور پر عرب سے گھوڑے فراہم کرتے تھے۔ چین میں سامان کی درآمدات پر بحث کرتے ہوئے، راک ہل (Rockhill) نے ذکر کیا کہ ان میں تیار کردہ کپڑے (کپاس)، مصالحے اور ادویات، زیورات، ہاتھی دانت، آبنوس، عنبر، مرجان، اور مختلف خوشبو والی مصنوعات اور عطر شامل ہیں۔ 13 ویں صدی کے اوائل میں چاؤ جو کوا (ChauJu Kua) نے ہندوستان کے جنوبی حصے سے چین میں درآمد کیے گئے سامان کی کم و بیش وہی فہرست فراہم کرتا ہے جو مذکورہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پیرن ملائی (Piranmalai) اور کوول پٹی (Kovil Patti) میں پائے جانے والے نوشتہ جات بھی مختلف ناگرم کے ذریعے تجارت کی جانے والی اشیا کی تفصیلی فہرست فراہم کرتے ہیں۔

15.8 ثقافت (Culture)

جنوبی ہندوستان کی ثقافت میں چولوں کی شراکت کا اندازہ اس دور میں آرٹ، فن تعمیر اور ادب کی ترقی سے لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ساتویں صدی عیسوی کے بعد سے پالوا (Pallava) کے ذریعہ شروع کیے گئے فنی اظہار کو مکمل کیا ہے۔ اس عرصے کے دوران، فن

تعمیر، مجسمہ سازی اور پینٹنگ زیادہ تر عوامی ڈھانچے، خاص طور پر مندروں پر مرکوز ہیں۔اس دور میں مذہب کے دائرے کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند بھکتی تحریک کی شکل میں بھی نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔

15.8.1 چول فن تعمیر (Architecture of the Cholas)

چولوں کے تحت پالوا کے ابتدائی فن تعمیر سے ایک بڑا انحراف پتھر سے کٹے ہوئے مندروں کا پتھر کے بڑے مندروں سے بدلنا یا غائب ہونا ہے۔ یہاں تک کہ بعد کے پالوا کے پتھر کے مندر اور ابتدائی چولوں کے پتھر کے مندر زیادہ مختلف نہیں تھے۔ اگرچہ چول حکمرانی کی چار صدیوں کے دوران بڑی تعداد میں مندر تعمیر کیے گئے تھے لیکن تنجاور میں برہدیشورا مندر، گنگائی کونڈاچولا پورم کے مندر، اور کمبھاکونم (Kumbhakonam) کے قریب داراشورم (Darasuram) اور تریبھونم کا ذکر اہم ہے۔ یہ تمام مندر گیارہویں سے بارہویں صدی کے درمیان تعمیر کیئے گئے تھے۔ چولا تعمیراتی خصوصیات کی بہترین مثال بھگوان شیو کو وقف مشہور برہدیشورا مندر میں دیکھی جاسکتی ہے، جسے راجراجا اول نے 1003-1010 عیسوی کے درمیان تعمیر کروایا تھا۔ مندر کی تعمیر ایک عام دراویڈین انداز میں کی گئی تھی جس میں ویمان، ایک گوپورم (عظیم گیٹ وے)، بڑے اہرام کے ٹاورز، نوشتہ جات، مجسمے، فریسکوز اور طواف کے راستے (پردکشنا پتھ) شامل تھے۔ مین ٹاور کی اونچائی زمین سے تقریباً 63 میٹر ہے اور کمپلیکس میں مختلف دیوتاؤں کو وقف کئی چھوٹے چھوٹے مندر ہیں۔ یہاں تک کہ مندر کا مرکزی دروازہ بھی 30 میٹر اونچا ہے۔ مندر کی ایک اور خصوصیت پردکشینا کے راستے کے ساتھ مندر کی دیواروں پر مقدس فریسکوز/ پینٹنگز ہیں۔ اگرچہ دیگر دیوتاؤں کی تصویریں بنائی گئی ہے لیکن ان فریسکوز میں بنیادی طور پر شیو کی تصویر یا مجسمہ ہی کا غلبہ ہے۔ اگرچہ راجراج مندر جتنا بڑا یا عظیم الشان نہیں ہے (جیسا کہ اس مندر کا شمار کیا جاتا ہے)، ایک اور مندر گنگا ئیکونڈا چولا پورم کا برہدیشورا مندر جو راجندر اول نے بنایا تھا، داراشورم کا ایراوتیشور مندر اور کمبھن کونم کا تریبھونم مندر بھی چولوں کے فنکارانہ اور تعمیراتی مہارتیں اور معماروں کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے۔

15.8.2 ادب (Literature)

چول دور نے تامل زبان اور ادب کی ترقی میں بھی بہت نمایاں رول ادا کیا ہے۔اس دور میں بہت سے شاعروں اور اسکالروں کو چول حکمرانوں کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہوئی۔ مشہور تامل مہاکاویہ راماوتارم یا کمبارامائنم 12 ویں صدی میں کمبن نے ترتیب دیا تھا۔ یہ تصنیف رامائن کا تامل ورژن ہے۔ کلوتونگا اول کے دور میں مرتّب ہونے والی ایک اور اہم تصنیف جیانکونڈن (Jayangondan) کی 'کلنگٹوپرنی' (*Kalinguttaparni*) تھی جو چولا-کلنگا تنازعات موضوع سے متعلق ہے۔ 'پیریا پورانم' (*Periya Puranam*) کلوتنگا II کے دور حکومت میں سیکیلر (Sekkilar) کی ایک اور بڑی اہم تصنیف تھی۔ تروتکدیور (Tiruttakkdevar) کی 'جیوکاسندھمنی' (*Jeevagasindamani*) ایک تصنیف ہے جو تمل علاقے میں جین مت کے توسیع کو ظاہر کرتی ہے۔ مذکورہ شعراء کے علاوہ اور بھی بہت سے شاعر اور عالم تھے جیسے کلادانار (Kalladanar)، پگلندی (Pugalendi) اور اوویار (Avvaiyar) وغیرہ۔

15.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

بلاشبہ، چول 11 ویں سے 13 ویں صدی تک جنوبی ہندوستان کی تاریخ میں سب سے طاقتور ریاست تھی۔ کئی عوامل نے انہیں جنوبی ہندوستان میں طاقتور اور مقبول بننے میں مدد کی۔ پرانتاکا اول، راجراجا اول، راجیندرا اول، راجادھیراج اول اور کلوتونگا اول جیسے حکمراں اتنے طاقتور ہونے کے خواہشمند تھے کہ نہ صرف جنوبی ہندوستان کے اندر چولوں کی حدود کو توسیع کیا بلکہ انہوں نے سری لنکا کے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا۔ دوسرے کا اہتمام گاؤں کی سطح پر کیا گیا۔ پیشہ ورانہ گروہوں اور مختلف ذاتوں سے متعلق نوشتہ جات بھی سماج میں موجود محنت اور خوشگوار تعلقات کی تقسیم کو ظاہر کرتے ہیں۔ چولوں کی معیشت مضبوط تھی کیونکہ وہ لوگوں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ تجارت پر ان کا زور اور مختلف تجارتی اداروں/زمروں کے کام کے حوالے سے ریاست کے وسائل کو بھی تقویت ملتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ دور فن، فن تعمیر اور ادب کی ترقی کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ ہم پہلے ہی چول حکمرانوں کی طرف سے بڑے مندروں کی تعمیر اور اس دور میں معماروں کے فنی اظہار کا ذکر کر چکے ہیں۔ مختصراً، اس اکائی میں ہم نے چول دور کا جائزہ لیا ہے جس میں اس وقت کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی پیش رفت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

15.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

کدامائی : (Kadamai) چول دورِ حکومت میں زمینداروں سے وصول کیا جانے والا ٹیکس۔

کدیمئی : (Kudimai) ایک قسم کا ٹیکس جو چول دور میں اصل پروڈیوسر یا کاشتکار سے براہ راست لگایا جاتا تھا۔

پاڈیکاول : (Padikaval) زمینداروں، کاریگروں اور تاجروں کے ذریعہ چوکیداری کے انچارج مقامی سرداروں کو ادا کیا جانے والا ٹیکس۔

ناڈو : (Nadu) چول دور میں ایک بنیادی انتظامی اکائی۔ یہ اصطلاح اکثر مختلف زرعی مائیکرو ریجنز کو بھی ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

پوراوُوارا ٹیناایکالم : (Puravuvari-tinaikkalam) چول حکومت میں محصول کے ریکارڈز کی دیکھ بھال کا محکمہ۔

دیورادیال : (Devaradiyal) جنوبی ہندوستان کے مندر کی خواتین۔

منیگرامم، ناندیسی، عینِنورور (Manigramam, Nanadesi, Ainnurruvar): چول دور کے ممتاز تجارتی گروہ

15.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

15.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. چول خاندان کا بانی حکمراں کون تھا؟

2. چولا کی راجدھانی تنجور سے گنگائی کونڈاچولاپورم میں کس نے منتقل کیسیلون پر سب سے پہلے کس نے حملہ کیا تھا؟
3. چولا شہنشاہ کا نام جس نے تنجور میں برہدیشور مندر تعمیر کیا؟
4. چول دور میں 'ناڈو' سے کیا مراد ہے؟
5. چول دربار کی شان و شوکت کا ذکر کرنے والے چینی دانشور کا نام بتائیں؟
6. چول سلطنت میں سرکاری منشی کو کیا کہتے تھے؟
7. شاہی محل کے محافظ کو کیا کہتے تھے؟
8. چول دیہات کی دو مجلسوں کا نام بتائیے؟
9. چول سلطنت میں فوجی تربیت گاہ کو کیا کہتے تھے؟

15.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. چولا فن تعمیر کی خصوصیات کا جائزہ لیں۔
2. چولوں کی تاریخ میں راجیندر اول کے کردار کا جائزہ لیجیے۔
3. چولوں کے تحت ریاست کی نوعیت کیا تھی؟ وضاحت کیجیے۔
4. جنوبی ہندوستان میں چولا دور حکومت کے دوران بیرون ملک تجارت کی ترقی میں مرچنت-گلڈز کے کردار کا تجزیہ کریں۔
5. چول حکومت کے تحت بلدیاتی حکومت کے کام کے بارے میں مختصر طور پر تبادلہ خیال کیجیے۔

15.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. چولوں کی مرکزی اور مقامی خود حکومت کی نمایاں خصوصیات پر بحث کریں۔
2. خواتین کے مقام پر خصوصی زور دیتے ہوئے چول کے سماجی پروفائل کا تنقیدی تجزیہ کریں۔
3. چولوں کے محصولات کے انتظام پر خصوصی حوالے سے اُن کی معاشی حالات کے بارے میں تفصیلی تذکرہ کیجیے۔

15.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Abraham, Meera, *Two Medieval Merchant Guilds of South India*, New Delhi, 1998.
2. Champakalakshmi, R., *Trade, Ideology and Urbanisation: South India, 300 BC to AD 1300*, Oxford University Press, New Delhi, 1998.
3. Gurukkal, Rajan, *Social Formations of Early South India*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
4. Karashima, Noburu, *History and Society in South India: The Cholas to*

Vijayanagar, Oxford University Press, New Delhi, 2001.
5. Karashima, Noburu and B. Sitaraman, ‘Revenue Terms in Chola Inscriptions’, *Journal of Asian and African Studies*, no. 5, 1972.
6. Mahalingam, T.V., *South Indian Polity*, University of Madras, Madras, 1967.
7. Nilakanta Sastri, K.A., *The Cōlas*, 2nd edn., University of Madras, Madras, 1955.
8. Nilakanta Sastri, K.A., *A History of South India from Prehistoric Times to the Fall of Vijayanagar*, Oxford University Press, New Delhi, 1990.
9. Shanmukham, P., *The Revenue System of the Cholas, 850–1279*, New Era Publications, Madras, 1987.
10. Stein, Burton, *Peasant, State and Society in Medieval South India*, Oxford University Press, New Delhi, 1980.
11. Subbarayalu, Y., *Political Geography of the Chola Country*, State Department of Archaeology, Tamil Nadu, Madras, 1973.
12. Subbarayalu, Y., *South India Under the Cholas*, Oxford University Press, New Delhi, 2012.
13. Veluthat, Kesavan, *The Early Medieval in South India*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.

اکائی 16۔ابتدائی عہد وسطیٰ سے عہد وسطیٰ کی طرف منتقلی

(Transition from Early Medieval to the Medieval Period)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 ہندوستان میں ابتدائی عہد وسطیٰ کا ایک عمومی جائزہ

16.3 ذات کا نظام اور سامنت واد

16.4 دہلی سلطنت کے قیام کے اثرات

16.4.1 اقطاع نظام اور دیگر سیاسی تبدیلیاں

16.4.2 معاشی اور سماجی تبدیلیاں

16.5 اکتسابی نتائج

16.6 کلیدی الفاظ

16.7 نمونہ امتحانی سوالات

16.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

16.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید (Introduction)

برطانوی مورخین جیسے جیمس مل اور ونسنٹ اسمتھ نے ہندوستانی تاریخ کو تین ادوار ہندو، مسلم اور برطانوی دور میں تقسیم کیا تھا۔ یہ تقسیم نہایت ہی غلط طور پر اور فرقہ وارانہ مقاصد کے پیش نظر حکمرانوں کے مذہب کے بنیاد پر کی گئی۔ ان کے مطابق قدیم ہندوستان میں چونکہ زیادہ تر حکمران ہندو تھے اس لیے وہ ہندوستانی تاریخ کا ہندو دور ہے اور چونکہ عہد وسطی میں حکمرانوں یا سلطانوں کا مذہب اسلام تھا اس لیے وہ مسلم دور کہلانے کے مستحق ہے۔ جبکہ جدید دور کو برطانوی دور کے نام سے موسوم کیا گیا اور اسے عیسائی دور نہیں کہا گیا کیونکہ انگریزوں کے مطابق ان کا دور عقلیت پسندی اور سائنس کا دور ہے نہ کہ مذہبی راسخ العقیدگی کا دور۔

ہندوستانی تاریخ کی اس درجہ بندی میں پریشانی یہ ہے کہ نہ ہی قدیم ہندوستان میں تمام حکمراں ہندو تھے اور نہ ہی عہد وسطی میں تمام حکمران مسلمان تھے۔ ساتھ ہی مذہب کا حکمرانوں کی پالیسیوں پر اتنا اثر نہیں تھا جتنا کہ عہد وسطی میں چرچ کا یورپی حکمرانوں کے اوپر تھا۔ اس کے علاوہ قدیم ہندوستانی دور کا اختتام ترکوں کی فتوحات کے ساتھ کیا گیا اور اسی دور سے عہد وسطی کا آغاز مان لیا گیا۔ اس دوران ہندوستانی سماج میں آنے والی متعدد تبدیلیوں کو نظرانداز کر دیا گیا جو کہ گپت دور کے زوال کے بعد ہندوستانی سماج میں رونما ہو رہی تھی۔ مثال کے طور پر مرکزی حکومتوں کی جگہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں، سامنتی نظام اور زمینی عطیات کا رواج۔ کچھ مورخین نے اسے جاگیرداری کا آغاز مانا ہے جبکہ بعض دیگر مورخین نے اسے اپنے آپ میں ایک الگ ادارے کی شروعات تسلیم کیا ہے۔

بہرکیف جدید ہندوستانی مورخین نے اس ادوار کی تقسیم کو ماننے سے انکار کر دیا جن کی بنیاد مذہب تھا۔ اس کی جگہ انہوں نے قدیم، عہد وسطی اور جدید دور کی اصطلاحات اپنائیں۔ بعد کے کچھ مارکس وادی مورخین نے گپت عہد کے خاتمے کو قدیم دور کا اختتام مانا اور ایک نئے دور یعنی ابتدائی عہد وسطی کی اصطلاح وضع کی۔ یہ دور قدیم اور عہد وسطی کے درمیان ایک عبوری دور کے مانند تھا جس میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں جو بالآخر قدیم عہد کو عہد وسطی کی طرف لے گئیں۔ زیر غور اکائی میں ہم انہی تبدیلیوں کی طرف توجہ مبذول کریں گے۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہندوستان میں ابتدائی عہد وسطیٰ کا ایک عمومی جائزہ لے سکیں گے۔
- ذات کے نظام اور سامنت واد کا ایک تنقیدی تجزیہ کر سکیں گے۔
- دہلی سلطنت کے قیام کے اثرات کو سمجھ سکیں گے۔
- اقطاع نظام اور دیگر سیاسی تبدیلیاں کا جائزہ لے سکیں گے۔
- معاشی اور سماجی تبدیلیاں کو جان سکیں گے۔

16.2 ہندوستان میں ابتدائی عہد وسطیٰ کا ایک عمومی جائزہ

(An Overview of Early Medieval India)

عیسوی کلینڈر کے پہلے ہزار برسوں میں پورے شمالی ہند پر محیط سلطنتوں میں سے آخری یعنی ہرش وردھن (وفات 648ء) کی سلطنت کے زوال کے بعد اور سلاطین دہلی کی حکومت کی ابتداء یعنی 1206ء سے پہلے کے زمانے کو بسااوقات اواخر عہد قدیم یا ابتدائی عہد وسطیٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس عہد کو اُن ناموں سے یاد کرنے کے پس پشت تاریخ دانوں کے ذہنوں میں اکثر یہ خیال کارفرما رہا ہے کہ اس دور میں جو بھی ہندوستانی ریاستیں اُبھریں، وہ وسیع سلطنتوں کی شکل اختیار نہیں کر سکیں، نہ ہی اُن کے اندر ایک اعلیٰ درجے کی مرکزیت قائم ہو سکی۔ بہر نوع، ڈی۔ ڈی۔ کوسامبی (D.D. Kosambi) اور آر۔ ایس۔ شرما (R.S. Sharma) نے ان چھ صدیوں کے ایک اور بنیادی عنصر کی بنا پر اس عہد کو ہندوستانی جاگیرداری (Indian Feudalism) کے ظہور سے تعبیر کیا ہے۔ کوسامبی کے مطابق اس عہد میں صنعت و حرفت کے دیہاتوں میں پھیلنے کے نتیجے میں دیہی معیشت کا شہروں پر گزشتہ زمانے کا سارا دار و مدار ختم ہو گیا اور نتیجتاً دیہاتوں کی معاشی علیحدگی ظہور میں آئی۔ اُن کے خیال میں یہ عمل جاگیرداری نظام کی بنیاد ثابت ہوا جس کے نتیجہ میں مرکزیت کی حامل مملکتیں کمزور پڑ گئیں اور مقامی حکمرانوں کے گروہ اُبھر آئے۔

عیسوی دور کے پہلے ہزار برسوں میں ہی اچھوت یا ؤرن سسٹم سے خارج لوگوں کا کھیت مزدوروں میں تبدیل ہونے کا عمل بظاہر پورا چکا تھا۔ اس دوران دیہاتوں کی بڑھتی ہوئی خود کفالت نے تجارت کو کمزور کیا اور اسی لئے سنہ 1000ء تک کے عہد کو عام طور پر شہروں کے تنزل کا زمانہ مانا جاتا ہے۔ اس خیال کی حمایت میں آثار قدیمہ سے اخذ شہادتیں پیش کی گئی ہیں لیکن سندھ میں واقع منصورہ کے آثار، جن کی تاریخ دسویں صدی عیسوی تعین کی جاسکتی ہے، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کم سے کم ملک کے اس حصہ میں ایک بالکل مختلف رجحان موجود تھا۔ پورے ملک میں سونے اور چاندی کے سکوں کی قلت تھی بلکہ غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اس سے یہ توبخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس عہد میں بڑے پیمانے کے تجارتی کاروبار زوال پذیر تھے۔ سود کی اونچی دریں (3 سے 5 فی صد) جن کا ذکر علم حساب کی مشہور کتاب لیلاوتی (1150ء) میں ملتا ہے، شاید نقد سرمایہ کی کمی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ چینی سیاح اتسن (700ء) کے ایک ضمنی بیان سے ظاہر ہوتا ہے، زمین کے بڑے مالکوں کو اپنی زمینوں پر کاشت کروانے کے لئے موقعہ تھا کہ اگر وہ چاہیں تو مزدوروں اور ملازموں سے اُجرت پر کام لیں یا پھر اپنی زمینوں کو کاشت کے لئے بٹائی پر کسانوں کو اُٹھا دیں لیکن اکثر اوقات زمینوں پر کسان ہی کاشت کرتے تھے جو اپنی پیداوار کا ایک حصہ راجہ کے آدمیوں کے علاوہ مختلف قسم کے بچولیوں اور دوسرے دیہاتی حاکموں کو ادا کرتے تھے۔ یہ بات پوری طرح صاف نہیں ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف قسم کے ایسے محصولات میں اضافہ کے نتیجہ میں، جن کی شہادت ہم عصر کتبوں میں ملتی ہے، کسانوں پر کل ادائیگی کا بوجھ بڑھ گیا تھا یا نہیں۔ بہر حال اس امر کی واضح شہادت موجود ہے کہ کسانوں کو اپنے گاؤں میں ہی رہنے پر مجبور کیا جاسکتا تھا حالانکہ شاید یہ کہنا پوری طرح صحیح نہیں ہوگا کہ اس زمانے میں زرعی چاکری (serfdom) یعنی کسانوں کو جاگیرداروں کے حلقہ بگوش لوگوں میں شمار کیے جانے کی رسم موجود تھی۔

مالی اختیارات کے سونپے جانے کی ابتداء دوسری صدی عیسوی کے آغاز میں مہاراشٹر میں قائم ہونے والی شک اور ستواہن ریاست کے حکمرانوں کی طرف سے برہمنوں کو دیے گئے زمینی عطیات سے ہوئی۔ بہت زمانہ بعد، تقریباً آٹھویں صدی عیسوی کی ابتداء سے اسی قسم کے عطیات، راجاؤں کے رشتے داروں، حکام اور تابعدار حکمرانوں کو بھی ملنا شروع ہوگئے۔ یو۔این۔ گھوشال (U.N. Ghoshal) کے مطابق اس قسم کے غیر مذہبی عطیات کی رسم مخصوص فرقوں یا قبائل کی ریاستوں کے وجود میں آنے کے بعد شروع ہوئی۔ ان مخصوص قسم کی ریاستوں میں عام طور پر ریاستی علاقوں کو برسر اقتدار خاندان کے افراد میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ان ریاستوں میں گرجر، پرتیہار، گہڑوال اور چاہمان (چوہان) خاندانوں کی حکومتوں کو شمار کیا جاتا ہے جو نویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک شمالی ہند کے ایک وسیع حصہ پر قابض تھیں۔ اسی زمانے میں مشرقی ہند پر پال اور سین خاندانوں کی حکومت تھی، جب کہ گجرات پر چالکیہ خاندان حکومت کر رہا تھا۔ دکن میں راشٹر کوٹ خاندان (جو آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک حکمران تھا) کی جگہ چالکیہ خاندان نے لے لی تھی۔

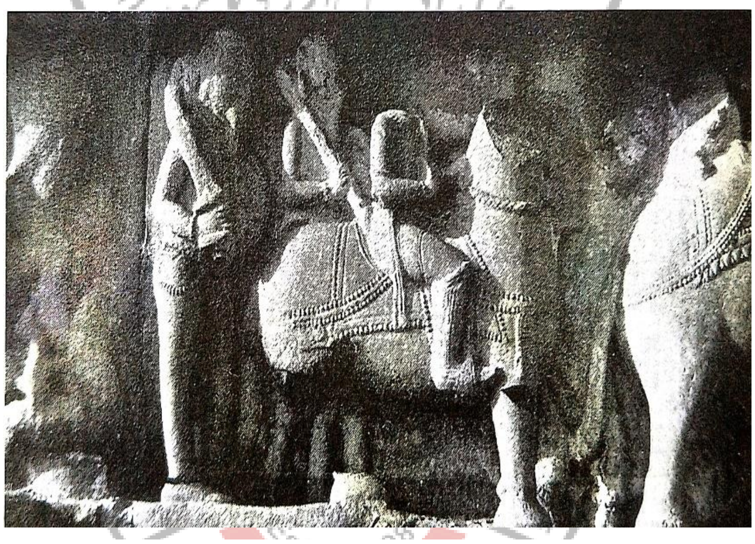

تصویر 16.1۔ آرائشی پٹی لکشمن مندر، دسویں صدی کھجوراہو، لکڑی کی بنی رکاب کے ساتھ گھوڑ سوار
(بحوالہ: عرفان حبیب، عہد وسطیٰ کا ہندوستان، ایک تہذیب کا مطالعہ، نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 2010، صفحہ نمبر 7)

ان تمام حکمراں خاندانوں کے تحت عمومی طور پر یکساں سیاسی نظام وجود میں آیا۔ ہندوستانی جاگیر داری نظام کا ارتقاء آلات جنگ میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور اُن کے ساتھ بدلتے ہوئے حربی طریقوں اور تنظیموں کے زیر اثر، شاید تیز تر ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی کے آتے آتے جنگ میں رتھوں کا استعمال فرسودہ ہو چلا تھا اور گھوڑ سوار زیادہ اہمیت حاصل کرتے جا رہے تھے۔ جنگ میں گھوڑ سواروں کی بڑھتی ہوئی کارکردگی کی وجہ شاید ایک باقاعدہ زین اور چوبی تختہ والی رکاب رہی ہو جو کھجوراہو میں دسویں صدی کے ایک مجسمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ لفظ 'راجپتر'، جس کو پراکرت میں راوت اور ہندی میں راجپوت کہیں گے عام طور پر چُنیدہ گھوڑ سواروں کے لقب کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ یہ راجپتر یا راوت عموماً گھوڑ سوار تھے جو جنگ میں نیزے استعمال کرتے تھے اور اس بات کی صلاحیت رکھتے تھے کہ اپنے ایک سردار کی سرکردگی میں فوجی دستہ بنا کر کسی بڑے علاقے پر تسلط جمالیں۔ پھر اُن میں سے ہر ایک اُس علاقے کے کسی نہ کسی حصہ میں اپنی عمل داری قائم کر لیتا تھا۔

اس عمل داری کے نتیجہ میں لازمی طور پر حکام کا ایک نظام مراتب (hierarchy) بن جاتا تھا جو اس طرح تھا۔ سب سے نیچے راجپتر تھے جو مواضع کی ایک مخصوص تعداد پر موروثی تصرف قائم کر لیتے تھے۔ اُن کے اوپر کئی اعلیٰ حکام وجود میں آجاتے تھے جن کو سامنت، ٹھاکر، رانا یا نایک وغیرہ القاب سے پہچانا جاتا تھا۔ ان حکام کے نام اس عہد کے کتبوں میں ملتے ہیں۔ گجرات میں لکھی گئی لیکھا پدھتی میں نقل شدہ دستاویزات اور آٹھویں صدی عیسوی کے بعد ہندوستان میں لکھی گئی عربی اور فارسی تاریخوں میں بھی ان لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس نظام میں حکمراں (راجہ یا رانا) کی اصل حیثیت مقامی سرداروں کے غیر رسمی وفاق میں ایک سربراہ کی سی تھی، جہاں ایک طرف، وقت گزرنے کے ساتھ اُس حکمراں کے اختیارات محدود ہوتے گئے، وہیں دوسری طرف اُس کے خطابات اور زیادہ بلند آہنگ بنتے گئے۔

جنوبی ہندوستان میں بھی اس قسم کے سیاسی ڈھانچے، جن میں لامرکزیت کا دور دورہ تھا، ابھرنے شروع ہو گئے۔ اُن کی بنیاد پر برٹن اسٹین (Burton Stein) کو ٹکڑوں میں بٹی ریاست (Segmentary State) کی بابت اپنا نظریہ پیش کرنے کا موقعہ ملا۔ اسٹین نے ایسی ریاست کی تشکیل کی بنیاد ان قدیم ترین (primitive) کسانوں کے سماج کو قرار دیا جہاں ابھی شرفا یا حاکموں کا طبقہ وجود میں نہیں آیا تھا اور سماج کی تقسیم دو ورنوں یعنی برہمنوں (یا پروہتوں) اور شودروں (یا کسانوں) میں نہ ہو سکی تھی یعنی شمالی ہند کی صورت حال کے برخلاف جنوب میں کسی بھی سماجی گروہ کو دوبارہ پیدا ہونے والے چھتریوں (یعنی جنگجو لوگ) یا ویشیوں (یعنی کاروباری لوگ) کا درجہ نہیں مل پایا تھا۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برٹن اسٹین کے زیر بحث نظریہ میں ذاتوں کی تقسیم پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ غرض کہ دسویں اور گیارہویں صدی کے حالات خصوصاً چولا سلطنت کی صورت حال کے مطالعہ میں برٹن اسٹین کا نظریہ زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوا۔ بری اور بحری دونوں قسم کی جنگوں میں چول حکمرانوں کی حربی کارکردگی (مثلاً 993ء میں سری لنکا پر تسلط یا ملایا اور سماترا کی جانب سمندری حملے) یقیناً قابل توجہ تھی۔ چول سلطنت کی معاشی استعداد کا تعین، شاید کسی حد تک، جنوبی ہند کی اس جغرافیائی حیثیت سے ہوتا ہے جس کے نتیجے میں اس سرزمین کو بحر ہند کی تجارت میں خاص درجہ حاصل تھا۔ ایک طرف بحر احمر یا خلیج فارس سے آنے والے جہازوں اور دوسری طرف جنوبی مشرقی ایشیا کی تجارت کے لئے، جنوبی ہندوستان ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔ بحری راستہ سے ایرانی گھوڑوں کی درآمد پر چول حکمرانوں کے بلا شرکت غیرے قابو پالینے کے نتیجے میں چول سلطنت کو ایک بڑی فوجی طاقت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ اُن کی فوجوں نے بنگال کے پال خاندان کے طاقتور حکمرانوں کو شکست دی تھی۔

جنوبی ہندوستان، خصوصاً چول سلطنت کے ضمن میں برہمن معافی داروں (برہم دیہ) کے گاؤوں میں پائی جانے والی اُن اسمبلیوں کا بیان ناگزیر ہے جن کے بارے میں گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک مفصل تحریریں ملتی ہیں، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بنیادی طور پر یہ مخصوص دیہی اسمبلیاں جن کو 'سبھا' یا 'مہاجن' کے نام سے جانا جاتا تھا اعلیٰ حیثیت والے اُن لوگوں کی جماعتیں تھیں جو زیر کاشت زمینوں پر لگان وصول کرنے کا حق رکھتے تھے۔ جن اسمبلیوں میں کسان شامل کیے جاتے تھے، ان کو 'اُر' کہا جاتا تھا۔ یہ ہر عام گاؤں میں موجود تھیں۔ ایسی اسمبلیاں بعض اوقات زرعی ٹیکسوں کی ذمہ داری کسانوں میں تقسیم کرنے کا کام بھی انجام دیتی تھیں۔ باقی اور تمام معاملات میں بظاہر ویسے ہی جاگیر داری رجحانات جنوبی ہندوستان میں بھی موجود تھے جیسے کہ شمالی ہندوستان میں پائے جاتے تھے۔ سماجی سطح پر ہندوستانی

جاگیرداری کا سیدھا تعلق ذات پات کے نظام میں پیدا ہونے والی بعض تبدیلیوں سے تھا۔اس بات کا امکان ہے کہ اُس زمانے میں ذات پات کا نظام اور زیادہ بے لوچ بن جانے کی وجہ سے اپنی قدیم کلاسیکی شکل سے قریب تر ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی کے دوران ایک برسر اقتدار برہمن حکمراں خاندان نے سندھ میں مویشیوں کو پال کر اپنی گزر بسر کرنے والے ایک گروہ یعنی جاٹوں پر ایسی ذلت آمیز پابندیاں عائد کی تھیں جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 'منوسمرتی' سے سیدھے اخذ کی گئی ہوں۔ 711ء میں سندھ کی فتح کے بعد عربوں نے اُن پابندیوں کو پوری طرح جاری رکھا۔ البیرونی نے تقریباً 1035 میں بنکروں کو ذات کے نظام (جاتی پرتھا) سے خارج آٹھ انتیج (*antyaja*) ذاتوں میں بہت نچلے درجے پر رکھا ہے۔اُس کے مطابق تمام انتیج گروہ اُن شہروں اور دیہاتوں کے باہر رہنے پر مجبور تھے جہاں کی آبادی چاروَرنوں والوں پر مشتمل تھی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ البیرونی نے سمرتیوں اور اپنے براہمن راویوں کی آرا کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہوئے اپنے زمانے کے ذات پات کے نظام کی ایک ایسی تصویر پیش کی جو حقیقت سے پوری طرح میل نہیں کھاتی تھی۔ کیونکہ پنچ تنتر کے آخری دور کی مشہور حکایت جس میں، ایک بنکر نے کامیابی کے ساتھ ویشنو کا روپ دھار لیا تھا، یہ تاثر دیتی ہے کہ بنکر دراصل اونچی ویش ذات ہونے کا دعوا کرتے تھے۔

عورتوں پر عائد کی جانے والی رسوم میں سخت گیری کا رجحان مثلاً اونچی قوموں میں 'ستی' یا بیوہ کو جلانے کی رسم،اس عہد کے ورن نظام میں پیدا ہونے والی شدت کا نتیجہ تھی۔ یہ رسم، جو اونچی ذاتوں میں خاص طور پر رائج تھی، عہد قدیم سے چلی آرہی تھی۔ ستی کا پہلا تحریری ثبوت، 316 قبل مسیح کا ہے۔ یہ واقعہ ایران کا ہے جہاں ایک ہندوستانی سردار کی بیوی نے اپنے آپ کو جلا لیا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں بان بھٹ (Banabhatta) نے ستی کی رسم کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا لیکن معلوم ہوتا ہے گیارہویں صدی کے آتے آتے یہ رسم، جنوبی ہند کے ایک چھوٹے سے علاقہ کو چھوڑ کر، پورے ہندوستان میں ، اعلیٰ طبقہ اور فوجی سرداروں کی بیواؤں کے لئے عام ہو چکی تھی۔ لیکھا پدھتی (*Lekhapadhati*) جو گجرات کی دستاویزات کا ایک اہم مجموعہ ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورتوں کو غلامی میں دیا جاتا تھا تو وہ قانوناً اپنی سماجی شناخت اور خاندانی رشتے، گنوا دیتی تھی اور انہیں ہر قسم کا کام چاہے گھر پر ہو یا کھیتوں میں کرنے پر مجبور کیا جاسکتا تھا جن میں غلیظ ترین کام بھی شامل تھے۔ انہیں ایسے کاموں پر مجبور کرنے کے لئے ہمہ وقت مارپیٹ اور ایذا کی دھمکی دی جاتی تھی لیکن اس تاریک صورت حال میں چند مستثنیات بھی ملتی ہیں جہاں ہم پاتے ہیں کہ عورتوں نے بعض اوقات اپنے اوپر مسلط کیے گئے اس جبر کی بیڑیاں توڑ دیں۔

کشمیر کا مشہور مورخ کلہن (1151ء کے قریب) ایک عورت، جیامتی کا ذکر کرتا ہے جس کی اصل نژاد نامعلوم تھی،اُس کی ایک طوائف نے پرورش کی تھی۔ وہ اپنے مرد رفیقوں کو نہایت موقع پرستانہ انداز میں تیزی کے ساتھ بدلتے رہنے کے لئے مشہور تھی۔ بالآخر وہ کشمیر کے راجا اُچچھلا (1101-11ء) کی رانی بن گئی اور عقلمندی اور کریم النفسی کے لئے بہت شہرت حاصل کی۔اسی ضمن میں کھجوراہو (10 سے 11 صدی) کی اس مشہور مورتی کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جس میں ایک خواندہ عورت کچھ لکھ رہی ہے۔ذات پات کا نظام بھی کوئی نہ تبدیل ہونے والا نظام نہیں تھا۔اس کی مخالفت بھی ہوئی اور اس میں عمودی اور افقی تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ منوسمرتی (پہلی صدی قبل مسیح) میں کیورتا (Kaivarta) برادری کا شمار اُن گروہوں میں کیا گیا ہے جو ذات پات نظام کے دائرے سے باہر تصور کیے جاتے تھے۔ گیارہویں صدی میں ان لوگوں نے بنگال میں بغاوت کی اور بلآخر بلال سین (1159-85ء) سے اپنے کو ایک پاک ذات ہونا تسلیم کروالیا۔ کچھ اسی قسم کی

تبدیلی جاٹوں کی سماجی حیثیت میں بھی آئی۔ ساتویں صدی کے ابتدائی دور میں سندھ میں یہ لوگ محض ایک چرواہا قوم تھے، جن کو ورن نظام کے باہر تصور کیا جاتا تھا۔ گیارہویں صدی میں ان لوگوں نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ وہ محمود غزنوی (998-1030) کو چنوتی دے سکے اور جنگ میں انھوں نے کشتیوں کا استعمال کیا۔ جاٹ اس زمانہ میں شودر سمجھے جاتے تھے یعنی اب وہ ساتویں صدی کی طرح ذات پات نظام کے باہر نہیں تھے۔

16.3 ذات کا نظام اور سامنت واد (Caste System, and *Samantvad*)

ہندستان میں سلطان محمود کی کارگزاریوں (999-1031ء) کے بعد کے ڈیڑھ سو سالوں کے عرصہ میں راجپوت سلطنتوں کی ابتدا ہوئی۔ ذات کے نظام میں اور شدت پیدا ہوئی اور گنگا کے میدانی علاقہ میں ترکوں کا دباؤ بڑھا۔ ان محرکات کی وجہ سے ملک کی سیاسی اور سماجی زندگی میں جو صورت حال پیدا ہوئی اس نے ہندستان میں غوریوں کی فتح کی راہ ہموار کر دی۔ راجپوتی نظام سیاست (polity) جاگیر دارانہ اداروں کو وجود میں لایا۔ ذات کے نظام نے سماج کو الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور ایک مشترکہ شہریت کے احساس کو مٹا دیا اور ترکوں کی آزمائشی (reconnoitring) کارروائیوں نے ہندستان کی بنیادی (فوجی) کمزوری کو ظاہر کر کے بڑے پیمانہ پر فوجی اقدامات کی حوصلہ افزائی کی۔

راجپوتوں کی ابتداء کے متعلق مختلف نظریات سے بحث اس موقع پر غیر ضروری ہے۔ البیرونی کی کتاب الہند میں راجپوتوں کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی نے جس طبقہ کو چھتری کا نام دیا ہے وہ رفتہ رفتہ جنگجو قبیلہ کی حیثیت سے برسر اقتدار آ گیا تھا۔ یہ لوگ شجاعت اور اولوالعزمی کی رومانی روایت میں رنگے ہوئے تھے اور ان کو راجپوت یا راج پتر۔۔۔ یعنی شاہی نسل کے اخلاف کہا جانے لگا۔ انہوں نے دریائے ستلج سے سون تک کے علاقہ پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ غوریوں کو اس نئے ذی اقتدار طبقہ سے نپٹنا پڑا۔ چونکہ بارہویں صدی کے سیاسی میدان میں سانبھر اور اجمیر کے چوہانوں، مالوہ کے پرماروں، وچیدی کے کلاچوریوں، بندیل کھنڈ کے چنڈیلوں، گجرات کے چالوکیوں، قنوج کے گڑھوالوں، مگدھ کے پالوں اور مغربی بنگال کے سوروں اور پھر بعد میں سیناؤں کا دور تھا۔ متعدد خود مختار ریاستوں پر مبنی یہ سیاسی نظام بارہویں صدی کے آخری ربع کے ہندستان کی ایک اہم خصوصیت تھی۔ ہندوستان متعدد ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا جس کی ہر ریاست خود مختار تھی۔ آپس کی حاسدانہ چشمکوں اور جارحانہ اقدامات کی وجہ سے ریاستوں کی سرحدیں بدلتی رہتی تھیں اور ناقابل اصلاح گہری دشمنی کے جذبات کو دائمی بنا دیا تھا۔ یہ راجپوت ریاستیں جاگیر دارانہ نوعیت کی تھیں، ہر سلطنت شاہی خاندان (کول) کے افراد کو دی ہوئی جاگیروں پر مشتمل تھی۔ اگلے دور میں اس طرح کے جاگیری ماتحتوں (Vassals) کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اے، ایس الٹیکر لکھتے ہیں کہ ان ماتحتوں کو سکہ جاری کرنے کا اختیار نہ تھا اور ان کو یہ کام انجام دینے پڑتے تھے۔

- اپنے سربراہ کے نام کا (اپنے کتبوں) ذکر کرنا
- تقریب کے موقعوں پر دربار میں حاضر ہونا

- باقاعدگی سے خراج ادا کرنا
- تقریب کے موقعوں پر اور لڑکیوں کی شادی کے موقعوں پر تحفے دینا
- مقررہ تعداد میں فوجی دستہ فراہم کرنا

لیکن زیر مطالعہ دور میں ان ذمہ داریوں سے تغافل برتا جانے لگا تھا اور اس کے برعکس سامنتوں کی طاقت بڑھ جانے اور اپنی فوج کو اکٹھا کرنے اور ٹیکس عاید کرنے کی وجہ سے سیاسی اقتدار منتشر ہو گیا تھا اور مرکز گریز (centrifugal) رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ حکومت کے اعلیٰ عہدے زمیندار امرا طبقہ کے لیے مخصوص ہو گئے تھے اور اس کی وجہ سے بادشاہ کا اقتدار کمزور ہو گیا تھا۔ ذاتی فوجیں رکھنے کی وجہ سے جاگیر داروں میں بڑے پیمانے پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور اس کی وجہ سے مزید انتشار پیدا ہوتا تھا۔

جب ترک ہندوستان میں داخل ہوئے اس وقت جاگیر دارانہ نظام اپنی تاریخ کے آخری اور سب سے شورش انگیز دور میں داخل ہو چکا تھا اور جاگیروں کی تقسیم در تقسیم (sub-infeudation) کا طریقہ زیادہ مروج ہو گیا تھا اور اکثر بڑے جاگیر داروں کے تحت ان کے چھوٹے جاگیر دار تھے۔ مثلاً سامنت، ٹھاکر، راوت وغیرہ ہوتے تھے۔ مثلاً راشٹر کوٹوں کے ماتحت گجرات کے راشٹر کوٹ اور سلاہار تھے اور پھر ان ماتحتوں کے اپنے ماتحت تھے۔(۱) کشمیر کی سیاست میں ڈمرا (جاگیر دار، سردار) سب سے زیادہ پریشان کن عنصر تھے۔ وہ اپنے چھوٹے محلوں میں رہتے تھے۔ ان کی ذاتی فوج تھی اور اپنے مفاد کے مطابق جب چاہتے مرکزی حکومت کی خلاف ورزی کرتے۔ در حقیقت ملک کی انتظامیہ خاص کر اندرونی علاقوں میں ان کے ہاتھوں میں تھی۔

یہ نظام سیاست ملک کے سماجی نظام کی بنیادی کمزوری کی عکاسی کرتا تھا۔ ذات کے نظام نے جس پر گیارہویں اور بارہویں صدی کا ہندستان سماجی نظام مبنی تھا، مشترکہ شہریت اور حب الوطنی کے تمام جذبات کو ختم کر دیا تھا۔ اس نظام کی ابتدا خواہ کسی بھی صورت حال میں ہوئی ہو، اس کے نتیجہ کے طور پر شہریت اور اتحاد کے احساس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے زیر اثر حالات میں جو انفرادی اور اجتماعی ابتری پیدا ہو گئی تھی وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے تباہ کن ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر بنی پرشاد اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ

> یہ (ذات کا نظام) گروہ (جماعت) کو ترجیح دینے میں انفرادی اقدار کو قربان کر دیتا ہے۔ یہ انفرادیت کی جڑوں پر ضرب لگاتا ہے اور یہ (انفرادی) شخصیت کے باوجود انکار کے مترادف ہے۔ یہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ ہر فرد اپنی فطرت کے لحاظ سے عمومی (Universal) ہے اور اس کو اپنی شخصیت کے اظہار کا، اپنی خواہشات کو طے کرنے کا اور اپنے مفاد کو حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ ذات کا اصول انسان کی من حیث الانسان عظمت کے منافی ہے۔

ہندستانی سماج کی چوٹی پر چار ورن یا ذاتیں تھیں۔ برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ گرچہ یہ طبقے ایک دوسرے سے مختلف تھے، پھر بھی سب ایک ہی شہر اور گاؤں میں رہتے تھے۔ البیرونی لکھتا ہے کہ 'ہندو اپنی ذات کو ورن یعنی رنگ کا نام دیتے ہیں اور نسبی انتہار سے ان کو

جاتک (یعنی پیدائشی) کہتے ہیں۔ شروع سے ہی یہ ذات صرف چار ہیں، برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ سماجی نظام میں سب سے اونچا مقام برہمنوں کا ہے۔ وہ تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے اور مذہبی معاملات اس کی اجارہ داری میں ہیں۔' البیرونی کے مطابق 'صرف برہمن اور چھتری وید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لہذا موکش (نجات) صرف ان ہی کو حاصل ہو سکتی تھی۔ '

سماج کے درجاتی نظام (social hierarchy) میں دوسرا مقام چھتریوں کا تھا۔ ملک کا انتظام اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کا کام ان کے ذمہ تھا۔ بقیہ دو ذاتیں ویش اور شودر کو سماج کے درجاتی نظام میں نچلا مقام دیا گیا تھا۔ ویش کا مخصوص کام یہ تھا کہ کھیتی کرے، مویشی پالے یا اونچی ذات یا کسی برہمن کی طرف سے کاروبار کرے۔ شودر کی حیثیت بقول البیرونی برہمن کے نوکر جیسی تھی۔ ویش اور شودر کو مقدس (مذہبی) علوم سے محروم رکھا گیا تھا۔ البیرونی کے مطابق اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ کسی ویش یا شودر نے وید پڑھا تو اس کی زبان کاٹ لی جاتی تھی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر حبیب لکھتے ہیں ایسی پالیسی رگ وید کے عہد میں ضروری رہی ہو لیکن گیارہویں صدی میں البیرونی، بو علی سینا اور سلطان محمود کے دور میں یہ ایک حماقت اور پاگل پن تھا اور خودکشی کے مترادف تھا اور خود برہمنوں کو، جو ایک منطقی اور بہت ہی روشن خیال طبقہ تھا، اس ناقابل معافی گناہ کی بہت بھیانک قیمت ادا کرنی پڑی۔

ان چار ورنوں کے نیچے غیر اہم معمولی انسانوں کا جم غفیر تھا جن کو انتیج کہا جاتا تھا۔ ان کا شمار کسی ذات میں نہ تھا بلکہ ان کا تعلق پیشہ یا حرفہ سے تھا۔ ان کے آٹھ پیشہ ورانہ گروہ تھے۔ قصاب، چمار، نٹ (juggler)، ٹوکری اور ڈھال بنانے والے۔ ملاح، مچھلی فروش جنگلی جانوروں اور طیور کے شکاری، جولاہے یا بنکر۔ یہ لوگ شہروں کے نزدیک رہتے تھے جبکہ مذکورہ بالا چار ورنوں کے لوگ شہر کے اندر رہتے تھے۔ ان کے بارے میں البیرونی لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کے کام اور فرائض کو چھوڑ کر دوسری ذات کے کاموں اور فرائض کو اختیار کرنا چاہے تو اس کو گناہ سمجھا جاتا۔ خواہ اس سے اس ذات کی عزت افزائی ہی کیوں نہ ہو۔ سب سے کم درجہ کے لوگ ہادی، ڈوم، چانڈال اور بدھاتو تھے۔ ان کے ذمہ سب سے گندے اور ناپاک کام تھے۔ مثلاً گاؤں کی صفائی اور دیگر خدمات۔ البیرونی کے مطابق ان کو حرام زادوں (ناجائز بچوں) کی طرح سمجھا جاتا تھا اور ان کا شمار ذات کے باہر ہوتا تھا۔ وہ شہر کی چار دیواری کے اندر نہیں رہ سکتے تھے اور شہر کی صفائی وغیرہ کے لیے جس کے بغیر کسی قسم کی شہری زندگی شاید ناممکن تھی، شاید مقررہ اوقات پر اطلاع کے مطابق شہر کے اندر داخل ہوتے ہوں گے۔

عہد وسطی کے ہندستان کے سماجی نظام پر سب سے مہلک اثر جسمانی ناپاکی (چھوت) کے اصول سے ہوا۔ البیرونی نے حیرت اور تنفر کے ساتھ لوگوں کی سماجی زندگی میں اس اصول کے اطلاق کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہر شے جو نجاست میں ملوث ہو جاتی ہے وہ پھر سے کامیابی کے ساتھ کوشش کرتی ہے کہ اپنی اصل پاک حالت کو حاصل کرلے۔ سورج اور ہوا فضا کی صفائی کرتے ہیں اور سمندر کے اندر نمک گندگی کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کرہ زمین پر زندگی ناممکن ہو جاتی۔ لیکن برہمنوں کا چھوت کا اصول فطرت کے اس مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ اگر کوئی ہندو سپاہی مسلمانوں کا قیدی بن جاتا اور بعد میں رہا کر دیا جاتا تو اس کی ذات والے یا اس کے ہم پیشہ اس کو اپنا ماننے سے انکار کر دیتے۔ البیرونی لکھتا ہے کہ 'یہ بات مجھ سے کئی مرتبہ کہی گئی کہ (مسلم ملکوں سے) جب ہندو غلام بھاگ کر اپنے ملک و مذہب

کو واپس آتے ہیں تو مقامی ہندو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ لوگ کفارہ کے طور پر پرایشچت (کفارہ) کریں۔تب وہ ان کو گوبر اور گائے کے دودھ کے ڈھیر میں کئی دنوں تک دبائے رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ گندگی سڑنے لگتی ہے پھر وہ ان کو اس گندگی سے باہر کھینچتے ہیں اور اس کو اس طرح کی غلاظت کھانے کو دیتے ہیں۔ میں نے اکثر برہمنوں سے دریافت کیا کہ کیا یہ بات صحیح ہے مگر وہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ ایسے شخص کی نجات ممکن ہی نہیں۔اور اس کو اس مقام تک پھر کبھی نہیں پہنچنے دیا جاتا جس پر وہ قید ہونے سے پہلے تھا۔اور یہ ممکن بھی کیسے تھا؟ اگر کوئی برہمن کسی شودر کے گھر میں چند دنوں تک کھائے تو وہ اپنی ذات سے خارج کر دیا جاتا ہے اور پھر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔' ایسے قیدی جن کو خود ان کے فرقہ والے خارج کر دیتے تھے وہ اسلام قبول کر لیتے تھے۔

16.4 دہلی سلطنت کے قیام کے اثرات (Impact of the Foundation of Delhi Sultanate)

شمالی ہندستان پر غوریوں کی فتح تدریجا لیکن یقینا ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں اہم تبدیلیاں لائی۔اس نے اس مختلف الریاستی نظام (multi-state) جو کہ گیارہویں اور بارہویں صدی میں ہندستان کی سیاسی زندگی کی اہم خصوصیت بن گیا تھا، کے اختتام کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ابتدائی ترک سلاطین کا سیاسی مطمح نظر ایک مرکزیت پسند سیاسی تنظیم تھی جس کی دیکھ بھال ایک مطلق العنان بادشاہ کے ہاتھوں میں ہو۔جاگیریت، اپنے دو بنیادی تصورات، انتظامیہ میں مقامیت (localism in administration) اور جاگیردار سامنتوں کا قوانین سے حق استثنا، کے ساتھ اس نئے سیاسی نظام کے لیے موزوں نہ تھی اور اس لیے اس کے خاتمہ کے لیے موثر اقدام کیے گئے۔ مختلف علاقوں کی جاگیردارانہ روایات کے اختتام کے لیے اور سلطنت کے دور دراز علاقوں کو ایک مرکز سے متحد کرنے کے لیے اقطاع کا ادارہ استعمال کیا گیا۔

صدیوں سے ہندستان کے رائے ایک دوسرے سے ہر موسم سرما میں لڑتے آئے تھے۔اس سب کے باوجود اگر وہ ملک کو ایک انتظامی اکائی میں متحد کر پاتے تو وہ اس خونریزی اور بربادی کا جواز ہو سکتا تھا۔ لیکن ہرش کے بعد کوئی بھی ہندستانی حکمراں شمالی ہندستان کو انتظامی یکجہتی نہ دے سکا تھا اور اب بیرونی حملہ آوروں نے ایک پشت کے اندر وہ کام کر دکھایا تھا جس کو ایک ہندستانی حکمراں کو پانچ یا چھ سالوں قبل کر لینا چاہیے تھا۔انہوں نے شمالی ہندستان کے مرکزی علاقہ میں جو علاقہ آب وہوا کے اعتبار سے بہت مناسب نہ تھا، ملک کا ایک دارالسلطنت قائم کیا اور تبر کا وہاں ایک مینار نصب کیا۔ بڑے بڑے شہروں کو اور شاہراہوں کو دہلی کی حکمرانی کے تحت لا کر انہوں نے ملک کے لیے ایک ہندستان گیر انتظامی ڈھانچہ بھی تیار کیا۔ غوریوں اور ترکوں کو (ان رایوں کے برخلاف جن کی جگہ انہوں نے لی تھی) ایک آسانی یہ تھی کہ انہیں ایک سلطنت یا بڑے علاقہ پر محیط انتظامیہ کی بنیادی خصوصیات جیسے اعلیٰ درجہ کے شاہی افسروں کے لیے ایک کل ہند سلسلہ ملازمت اور اس کے تحت، بادشاہ کی مرضی اور امراء کے ساتھ محتاط مشوروں کے مطابق ان کی تقرری، تبادلوں، ترقیوں اور معزولیوں کی واقفیت حاصل تھی۔اس قسم کے تصورات پر تھوی راج سوئم کے لیے اپنے ماتحت رایوں کے ساتھ ممکن نہ تھے۔ شمالی ہندستان میں ایک مرکزیت پسند بادشاہت نے سیاسی افق کا رنگ بدل دیا۔ سیاسی نقطہ نظر میں وسعت پیدا ہوئی اور علیحدگی پسندانہ رجحانات سمٹنے لگے۔سر جادوناتھ تبصرہ

کرتے ہیں۔

ہندستان اور بقیہ ایشیائی ملکوں کے درمیان جو گہرے تعلقات بدھ مذہب کے ابتدائی دور میں قائم ہوئے وہ آٹھویں صدی عیسوی میں، جب کہ ہندو سماج کی از سر نو تنظیم ہوئی اور اسے پکی عمارت کی طرح بے لوچ بنا دیا گیا، منقطع ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستان محو باالذات (introvert) بن کر رہ گیا اور اپنے فطری حدود کے باہر کی ترقی پذیر دنیا سے کٹ گیا۔ بقیہ ایشیا اور افریقہ کے قریبی علاقہ جات سے اس (منقطع) تعلق کو بارہویں صدی کے اواخر میں مسلمانوں کی فتح نے پھر سے قائم کیا۔

شمالی ہندوستان پر ترکوں کی فتح کا ایک دوسرا اہم پہلو وہ ہے جسے پروفیسر حبیب نے شہری انقلاب (Urban Revolution) کا نام دیا ہے۔ راجپوتوں کے عہد کے شہر جن میں صرف اونچی ذات کے لوگ ہی رہ سکتے تھے، (caste-cities) اب ہر طرح کے لوگ اونچے اور نیچے، مزدور اور کاریگر، ہندو اور مسلمان، چنڈال اور برہمن کے لیے کھل گئے۔ ترکی حکومت نے ذات کے نظام کو سماجی درجہ بندی یا شہری زندگی کی بنیاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اجرت کمانے والا طبقہ، مزدور اور کاریگر، ذات سے باہر کے لوگ اور غیر سہولت یافتہ طبقے نے حکومت کے ساتھ بخوشی تعاون کیا۔ درحقیقت ابتدائی ترکی سلاطین کی اصلی طاقت و حمایت ان ہی شہروں میں تھی جنھوں نے اپنے کل مزدور طبقہ کی محنتوں کا فاضل سرمایہ (surplus) حکومت کے ہاتھوں سونپ دیا۔

فوجی اعتبار سے ترک اقتدار کا اثر ہندستانی فوجوں کی نوعیت اور ساخت میں تبدیلی اور ان کی بھرتی اور نگرانی کے نئے طریقوں میں ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ جنگ اب کسی ایک ذات یا طبقہ کی اجارہ داری نہ رہی اور فوج میں داخلہ اب ان تمام مناسب طور پر تربیت یافتہ سپاہیوں کے لیے کھل گیا تھا جو جنگ کی صعوبتیں برداشت کر سکتے تھے۔ اس طرح ایسی ہندستانی فوج وجود میں آئی جن میں جنگ کی صلاحیت اب مختلف ذرائع سے، بلا کسی تفریق ذات اور رنگ و مذہب مہیا ہوتے تھے۔ جاگیر دارانہ دستوں کا طریقہ اب ترک کر دیا گیا اور مرکزی انتظام کے تحت اور مرکزی طور پر بھرتی کی ہوئی اور تنخواہ یافتہ ایک مستقل فوج قائم کی گئی۔ اس طرح فن حرب میں بھی ترکوں نے جلد ہی ہندستان کو مرکزی ایشیا کی طاقتوں کے برابر لا کھڑا کیا۔ اب پایکوں (برچھی بردار پیادوں) کی جگہ سواران مقاتلہ (گھڑ سوار جنگجوؤں) نے لے لی۔ جسامت اور وزن سے کچل دینے کی جگہ اب تیز رفتار ضرب لگانے کی صلاحیت فوجی تنظیم کی بنیاد بن گئی۔ درحقیقت یہ نئے طور پر منظم ہندستانی فوج ہی ملک پر آئندہ منگولوں کے حملوں کا مقابلہ کر سکی۔ باہری دنیا سے دوبارہ تعلقات قائم ہونے اور نئے مزدور طبقہ کے شہروں کے عروج سے تجارت کو فروغ ہوا۔ طرز قانون، طریقہ محصولات اور سکوں کے ایک مرکزی نظام (coinage system) نے تاجروں کے آمد و رفت کے دائرے کو بڑھایا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کی سہولت مہیا کی۔

ایک اور پہلو جو ترکی فتح سے متاثر ہوا وہ انتظامیہ کی زبان تھی۔ راجپوت عہد میں انتظامیہ اور دیگر مقاصد کے لیے جو زبان مستعمل تھی وہ مختلف علاقوں میں الگ الگ تھی۔ تمام پوری غوری مملکت میں انتظامیہ کی اونچی سطح پر فارسی کے استعمال نے انتظامی زبان میں یک رنگی

پیدا کی۔ ترکوں کے اثرات کے اس پہلو سے متاثر ہو کر امیر خسرو نے کہا۔

تمام ہندستان میں دریائے سندھ کے کناروں سے لے کر سمندر تک فارسی گفتار یکساں طور پر رائج ہے، ایسی عظیم زبان ہمارا ذریعہ اظہار ہے۔۔۔اور ہماری یہ فارسی اصلی فارسی (دری) ہے۔ ہندستانی مقامی زبانیں ہر ایک سو کروہ پر بدل جاتی ہیں لیکن فارسی زبان ہزار فرسنگ کے علاقہ میں (بھی) یکساں ہے۔۔۔ یہی وہ فارسی زبان ہے جس میں الفاظ کا تلفظ ان کے املے کے عین مطابق ہے۔

جہاں تک ہندوستانی مسلمانوں کا معاملہ ہے تو ابتدا میں انہیں کسی بڑے عہدے پر کم ہی متعین کیا گیا۔ خسرو دکن کے مسلمانوں کے رویہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جب علاؤالدین کی فوج نے ملک کافور کی سر کردگی میں رائے دیر پانڈیہ کے علاقوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے جو اس کی ملازمت میں تھے، حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ لیکن جب رائے نے خود فرار ہونے کا تہیں کیا تو اس کے مسلمان سپاہیوں کو ہتھیار ڈالنا پڑا۔ شمال کے مسلمانوں کے رویے کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اگر انہوں نے حملہ آوروں کا مقابلہ یا ان کی مدد کی ہوتی تو اس بات کا کچھ ذکر ضرور ملتا۔ چونکہ ہندستانی مسلمان عام طور پر رائے کی ملازمت میں نہ تھے اس لیے ہمارے مآخذ کی خاموشی سے دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے اس جنگ میں کسی جانب سے بھی کوئی حصہ نہ لیا اور یہ کہ ان کو کسی خاص اہم عہدے پر تقرری کے قابل نہ سمجھا گیا۔ اوائل ترک سلاطین کے دور میں اس اصول سے الگ ایک ہی مثال ملتی ہے اور وہ ہے عماد الدین ریحان۔ لیکن اس کا مختصر عروج اور زوال اس حقارت کی شہادت دیتا ہے جو ترک حکمراں، ہندستانی مقامی افراد کی جانب اختیار کرتے تھے۔ پھر بھی دہلی سلطنت کا کام ان کی خدمات کے بغیر چلنا مشکل تھا۔ وہ طبقے جن میں سے سپاہی اور گھوڑ سوار بھرتی کیے جاتے تھے ان میں ہندستانیوں کا قطعی ذکر ملتا ہے اور اس فقرہ کے معنی میں ہندستانی مسلمان ضرور شامل ہوں گے۔

ہم لسانی مسئلہ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ موجودہ ہندستان کی تقریباً تمام ریاستی (سرکاری) زبانیں عہد وسطی میں فروغ پائیں۔ التمش کے عہد میں عوام کی بول چال کی زبان ہر تین چار ضلعوں کے بعد بدل جاتی تھی۔ ترکی زبان ابھی بالکل خام تھی اور عربی بہت کم لوگ جانتے تھے۔ ہندستان کے ہندو ایک دوسرے کے خیالات کو صرف سنسکرت کے ذریعے سمجھ سکتے تھے۔ دہلی کی حکومت کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ فارسی کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال کرے۔ لیکن ہندستان کی مقامی زبانیں صرف وہ لوگ ہی جانتے تھے جن کی وہ مادری زبان تھی یا جو اس علاقہ میں بہت مدت تک رہ کر انہیں سیکھ چکے تھے ان (ترکوں) کے پاس نہ تربیت یافتہ معلم تھے نہ لغت اور نہ صرف ونحو کی کتابیں، ایسے میں یہ ناقابل تصور معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی مسلمانوں کو بڑے پیمانہ پر مترجموں کی حیثیت سے استعمال کیے بغیر کسی طرح ابتدائی ترکی سلاطین کی حکومت پورے شمالی ہندستان پر قائم ہو سکی ہوگی۔ شروع میں ان ہی کی ایک ایسی جماعت تھی جو دو زبانیں جانتی تھیں۔

16.4.1 اقطاع نظام اور دیگر سیاسی تبدیلیاں (Iqta System and other Political Changes)

دہلی سلطنت کی تشکیل معزالدین محمد سام (شہاب الدین غوری) کی فتوحات کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔ معزالدین کی غوری سلطنت کو ایک طرح سے اُس ریاست کا وارث قرار دیا جاسکتا ہے جس کو محمود غزنوی (998-1030ء) نے وسعت اور استحکام فراہم کیا تھا۔ ان دونوں ریاستوں نے دہلی سلطنت کو دواہم ادارے ودیعت کیے تھے۔ 'اقطاع' (*iqta*) یعنی مخصوص زمینوں یا علاقوں سے ٹیکس جمع کرنے کے حق کا چنیدہ افراد کو عطا کیا جانا جو کہ قابل منتقلی تھا اور 'خراج' یعنی زمین پر عاید محصول (tax-rent)۔ اقطاع پانے والے جو مقطعی یا والی کہلاتے تھے، ان سے سلاطین کا یہ مطالبہ ہوتا تھا کہ وہ ایسی تمام وصولیابی، جو خراج کی مقررہ رقم سے زاید ہو، جسے اُس وقت کی سرکاری اصطلاح میں 'فواضل' کہا جاتا تھا، شاہی خزانہ میں جمع کر دیں۔ بعض علاقوں سے ملنے والی آمدنی سے سلاطین، اُن افسروں یا سپاہیوں کو جو اُن کے ذاتی حشم (حشم قلب) کا حصہ ہوتے تھے تنخواہیں دیتے تھے جو نقد بھی ہو سکتی تھیں یا پھر ذیلی اقطاع (sub-assignment) کی شکل میں بھی دی جاسکتی تھیں۔

دہلی سلطنت کے پاس بڑے پیمانہ پر ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی کے جو وافر ذرائع مہیا تھے اور اُس کے نظم و نسق میں مطلق العنانیت والی جس قسم کی مرکزیت اور موثر عسکری طاقت موجود تھی اس کے پیش نظر وہ گزری ہوئی صدیوں کے سیاسی اور سماجی نظاموں سے قطعی مختلف تھی۔ اسی لئے دہلی سلطنت کے بارے میں 'جاگیرداری' کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ ابتداء میں، تیرہویں صدی کے دوران، زیادہ تر شمالی ہند پر سلطانوں کے غلبہ کے باوجود فوجی چھاؤنیوں والے شہروں کے باہر کا خاصہ بڑا اعلاقہ 'مواس' یعنی باغیوں کے غلبہ والا علاقہ تھا۔ باقی دوسرے دیہاتوں کا انتظام باج گزار سرداروں، جن کو رانا اور راوت کہا جاتا تھا، کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن تیرہویں صدی کے اختتام کے آنے تک حالات بدلنے شروع ہوگئے۔ علاالدین خلجی کے زمانہ میں گجرات اور وسطی ہندوستان کا خاصہ بڑا علاقہ فتح کیا گیا۔ اس کے بعد دکن اور جنوبی ہند کے علاقے فتح کیے گئے جن پر اس وقت تک دیوگیر کے یادو (مہاراشٹر کا علاقہ)، وارنگل کے کاکتیا (آندھرا کا علاقہ)، دوار سمندر کے ہوشالیہ (کرناٹک کا علاقہ) اور مدورائی کے پانڈیہ (تامل ناڈو کا علاقہ) خاندانوں کی حکومت تھی۔ اس طرح چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح کی موریہ سلطنت کے بعد پہلی بار ایک صحیح معنوں میں ایسی سلطنت وجود میں آئی جو پورے ہندوستان پر محیط تھی۔ اس سلطنت کے علاقائی پھیلاؤ کے ساتھ اُس کے مالی وسائل میں اضافہ ہوتا گیا۔ زمینی ٹیکس جو تقریباً پیداوار کا نصف ہوتا تھا ایک بہت بڑے علاقہ میں سختی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا اور موروثی بچولیوں کے جواب چودھری کہلاتے تھے اور گاؤوں کے مکھیاؤں یعنی خوطوں کے مالی حقوق اور مطالبے بہت کم کر دیے گئے تھے۔ اناج کی صورت میں جمع کیا ہوا ٹیکس یا خراج اور وہ اناج بھی جو کسان خراج ادا کرنے کی غرض سے فروخت کرتے تھے، اتنی وافر مقدار میں حکومت کے پاس جمع ہو جاتا تھا کہ اُس اناج کی بکری اور قیمتوں پر بندشیں لگا کر علاالدین کے لئے اپنے دارالسلطنت دہلی میں مختلف بازاری اشیا کی قیمتوں کو گھٹانا اور اُن پر قابو رکھنا ممکن ہو سکا۔ علاالدین کے بعد آنے والے حکمرانوں کے دور میں بھی علاقائی پھیلاؤ اور روزافزوں مرکزیت کا یہ عمل جاری رہا۔ 1324ء میں بنگال دوبارہ فتح کیا گیا اور غیاث الدین تغلق اور محمد بن تغلق کے زمانہ میں مرکزی عمل دخل کا علاقہ جنوبی ہندوستان کی آخری حد کو چھونے لگا تھا۔ اس دوران اُمرا پر مرکزی

حکومت کے کنٹرول کو تقویت دینے کی غرض سے ہر اقطاع کے علاقہ میں لگان کے انتظام کو فوجی امور سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مقدار میں خراج وصول کرنے کی مہم کے نتیجہ میں کئی جگہوں پر، خاص طور پر دہلی کے قریب واقع دوآب کے علاقہ میں، شدید قسم کی زرعی بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ اِن بغاوتوں اور اُن کے بعد پیدا ہونے والے قحط کے حالات میں محمد بن تغلق نے زرعی نظام کو درست کرنے کی غرض سے دہلی اور دوآب میں زراعت کی ترقی کے لئے ایک دلچسپ اسکیم شروع کی جس کے تحت کاشتکاروں کو تقاوی بانٹنے کا اہتمام تھا۔

محمد بن تغلق کے عہد کے آخری برسوں میں سیاسی بحران کے شدت اختیار کر لینے کے نتیجہ میں کئی علاقوں میں فوجی افسروں (امیران صدا) نے بغاوت کر دی اور سلطنت کے بکھرنے کا عمل شروع ہو گیا۔ پہلے معبر (تامل ناڈ کا علاقہ) اور بنگال علیحدہ ہو گئے اور اُن کے بعد جنوبی ہند میں وجے نگر اور بہمنی سلطنتیں وجود میں آ گئیں۔ اُن میں پہلی 1346ء میں قائم ہوئی اور دوسری 1347ء میں۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں دہلی سلطنت کے اندر کسی قدر استحکام کی صورت پیدا ہوتی نظر آئی جو اُن رعایتوں کا نتیجہ تھی جن کے ذریعہ امراء کو اپنے علاقوں اور عہدوں میں تقریباً موروثی اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ قدرتی طور پر اس صورتِ حال کے نتیجہ میں مختلف صوبوں مثلاً جونپور، گجرات، مالوہ اور خاندیش کا آزاد ریاستوں کی شکل اختیار کر لینے کا راستہ ہموار ہو گیا۔ سیاسی انتشار کے اس عمل کو وسط ایشیائی فاتح، تیمور کے دہلی پر تباہ کن حملہ نے اپنے نقطہ انتقام پر پہنچا دیا۔

جن ریاستوں نے دہلی سلطنت کی جگہ لی اُن سب میں اُس کے بنیادی اداروں کو جاری رکھنے کا رجحان تھا۔ ان اداروں میں سے ایک زمین کی پیداوار پر بھاری ٹیکس یعنی 'مال' تھا۔ دوسرا ادارہ علاقوں کو فوجی ذمہ داری کے طور پر دیا جانا یعنی 'اقطاع' تھا جس کو پندرہویں صدی میں دہلی سلطنت میں 'وجہ' یا 'سرکار' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس ادارہ کو دکن کی سلطنتوں میں 'مقاسہ' اور راجستھان میں 'پٹہ' کہا جاتا تھا۔ وجے نگر میں اس بات کی بظاہر شعوری کوشش نظر آتی ہے کہ سلطنتوں میں پائے جانے والے بعض فوجی اور انتظامی طریقوں اور مہارتوں کو اپنے نظام کا حصہ بنا لیں۔ وجے نگر کی بہمنیوں اور دوسری مقامی طاقتوں کے مقابلے میں کامیابیوں کی شاید ایک وجہ یہی تھی۔ یہ بات نہ صرف وجے نگر کے حکمرانوں کے اپنے لئے ہند و حکمرانوں کا سلطان ایسا لقب استعمال کرنے سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ اُن کا نائن کرا نظام (Nayankara System) بھی دہلی سلطنت میں اقطاع تفویض کیے جانے کی رسم کو نقل کرنے کا مترادف معلوم ہوتا ہے۔ حکمراں ٹیکس جمع کرنے کے اپنے اختیارات نائکوں کو نقل کرتا تھا۔ یہ نائک اپنی جگہ پر فوجی افسر بھی تھے اور مقامی نظم و نسق کے سربراہ بھی۔ ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ یہ اپنے علاقہ سے جمع زرعی ٹیکس کا ایک حصہ شاہی خزانہ میں جمع کروائیں۔ وجے نگر کی اچھی مالی حالت کی بنیادی وجہ زرعی ٹیکس کی اونچی در رہی تھی۔

16.4.2 معاشی اور سماجی تبدیلیاں (Social and Economic Changes)

سلطنتوں نے اُن بہت سے سماجی اداروں کو، جو انہیں ہندوستانی سامنت واد نے ودیعت کیے تھے، جیوں کا تیوں رہنے دیا۔ گاؤں کی برادریوں (village communities) کی ساخت اور ذات پات کے نظام کو پرانی ڈگر پر چلنے دیا گیا۔ کیونکہ یہ قابل توجہ بات ہے کہ

یہ تمام ادارے سماجی حالات کو جیوں کا توں رکھ کر شاید زرعی استحصال میں مدد کرتے تھے۔ گو کہ نام کے لئے کسانوں کو آزاد انسانوں (حر) کا درجہ حاصل تھا لیکن دراصل وہ کئی قسم کی غیر معاشی بندشوں اور زبردستیوں کا شکار تھے۔ پھر بھی دہلی سلطنت کے قیام کے ساتھ کئی معاشی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ اُن میں سے ایک اہم تبدیلی نقد لین دین کے عمل کا زور پکڑنا تھی۔ یعنی کاشتکار کو زرعی ٹیکس نقد ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے ساتھ اس ٹیکس کی در اتنی بڑھ گئی کہ وہ تقریباً مقررہ لگان (rent) کی نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ اسی صورت حال کے نتیجہ میں تجارت کو پھیلنے کی ترغیب ملی۔ یہ تجارت غلہ اور دوسرے قسم کی زرعی پیداوار کو بڑے پیمانہ پر دیہاتوں سے شہروں کو لانے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں شہری افزائش کا ایک نیا باب شروع ہو سکا۔ چودھویں صدی میں دہلی اور دولت آباد (دیوگیر) دنیا کے دو بڑے شہروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ اور بھی بہت سے بڑے شہر تھے، مثلاً ملتان، کڑہ، اودھ (یعنی ایودھیا)، گوڑ، کیمبے (یعنی کمبایت) اور گلبرگہ۔ وجے نگر کے دارالسلطنت (یعنی وجے نگر شہر) کے بارے میں 1520ء میں ایک پرتگالی سیاح نے لکھا تھا کہ وہ اتنا وسیع اور عریض ہے جیسے کہ روم (جس کی اُس وقت آبادی 60,000 کے لگ بھگ تھی)۔

اس کے ساتھ ہی پرانے سکوں کی صورت میں تاریخی شواہد ایک ڈرامائی انداز میں متغیر ہوتے نظر آتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے اوائل سے دہلی کے سلطانوں نے تانبے کے ساتھ ساتھ سونے اور چاندی کے سکے جاری کرنے شروع کیے، جن سے ہم بڑی رقموں کے لین دین والی تجارت اور سودے بازی میں اضافہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر واقع علاقوں کو منگولوں نے فتح کر لیا تھا، ہندوستان کی بیرونی تجارت، خشکی کے راستہ آنے والی اور سمندری، دونوں میں اس دوران خاصہ اضافہ ہوا۔ عظیم الجثہ چینی جہاز جنوبی ہند کے بندرگاہوں میں آنے شروع ہو گئے جو خاص طور پر کالی مرچ لے جاتے تھے۔ مشہور چینی امیر البحر زینگ ہی (Zing He) کے جہازوں نے تجارتی مقاصد سے 1405ء اور 1423ء کے درمیان بار بار ملابار کے بندرگاہوں کا سفر کیا۔ اسی طرح ایرانی جہاز خلیج فارس سے اور عرب جہاز بحر احمر سے بار بار ملابار کے بندرگاہوں کا سفر کرتے تھے۔ لیکن 1498ء کے بعد پرتگالیوں نے اس بحری تجارت کو جبرا منتشر کر دیا۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر سونے اور چاندی کی درآمد ہوتی تھی۔

ہندوستان کے بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق کے نتیجہ میں تکنیکی مہارتوں کے پھیلنے کے عمل کو تقویت ملی اور اُن سے دستکارانہ پیداوار میں اضافہ ہوا۔ چودھویں صدی تک چرخہ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اس آلہ کے ذریعہ سوت کاتنے کی صلاحیت چھ گنا بڑھ جانے کے نتیجہ میں سوت کی پیداوار میں اضافہ ناگزیر تھا۔ بعد میں اسی طرح بنگروں کے راچھ (loom) میں پیڈل شامل کر دینے سے کپڑا بننے کا عمل بھی تیز ہو گیا۔ پندرہویں صدی کے آتے آتے کچا ریشم پیدا کرنے کی صنعت (Sericulture) بنگال پہنچ چکی تھی۔ تیرہویں صدی میں کاغذ بنانے کی صنعت دہلی میں پوری طرح موجود تھی۔ تیرہویں صدی کے اواخر میں شراب کی کشید دہلی اور آس پاس کے علاقوں میں ایک وسیع پیمانہ پر جاری صنعت کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ اینٹوں اور چونے کے استعمال کے نتیجہ میں عمارتی کارکردگی ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ اس عمل کو ڈاٹ والی چھت بنانے کے طریقہ کے اختیار کیے جانے سے مزید تقویت ملی۔

ان حالات کا ایک منفی پہلو بھی تھا۔ غلامی ہندوستان میں پہلے سے موجود تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرہویں اور چودہویں صدی میں اس کا چلن بہت بڑھ گیا کیونکہ اب جنگوں کے دوران اور ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کو غلام بنانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان غلاموں کو گھریلو خدمت کے علاوہ مختلف قسم کی دستکاریوں میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ چودہویں صدی کے اوائل کی دہلی کے بازار میں ایک ایسی غلام عورت کی قیمت جو گھریلو خدمات انجام دے سکے کسی دودھ دیتی بھینس سے زیادہ نہیں تھی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس کے پاس 1,80,000 غلام تھے جن میں 12,000 کو دستکاروں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اُس کے خاص وزیر خان جہاں مقبول کی ملکیت میں 2000 غلام عورتیں شامل تھیں۔ غلام مزدوروں نے کسی حد تک مختلف ذاتوں سے تعلق رکھنے والے مزدوروں یا کاریگروں کی کمی کو پورا کرنے میں مدد دی۔ لیکن ہندو معماروں نے جن اہم اسلامی عمارتوں کی تعمیر میں حصہ لیا اُن پر نشانات، کتبے اور ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارتیں چھوڑی ہیں۔ اُن سے یہ ظاہر ہے کہ ہندو ذاتوں سے تعلق رکھنے والے مزدوروں نے بہت جلد نئے طرز تعمیر والی مہارتوں کو بخوبی سیکھ لیا تھا۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

اس بات کے قطع نظر کہ ذات پات نظام میں کسی قدر لچک پیدا ہو گئی تھی، سلطنت کے دور میں یہ نظام اور اُس کے ساتھ جڑی ہوئی بہت کی ناانصافیاں عملاً جیوں کی تیوں رہیں۔ یہی حال عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں تھا۔ چونکہ اسلام میں بیٹیوں کو اپنے والدین کی دولت میں حصہ دیا گیا ہے، گو کہ یہ حصہ لڑکوں کے حصہ کا آدھا ہوتا تھا، اور بیوہ عورتوں کو دوبارہ شادی کی اجازت بھی ہے جس کا رواج ہندوستان کے نچلے طبقوں میں پہلے سے تھا، اس لئے بیواؤں کو جلانے یعنی 'ستی' کی رسم اور بیواؤں کے ساتھ بدسلوکی کا مسلمانوں کے رسم ورواج سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ لیکن ہندو شاستروں کی طرح اسلامی قانون میں بھی متعدد بیویاں رکھنے اور کنیز رکھنے کی رسم کو گوارا کیا گیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے پردہ اور گوشہ نشینی پر زور دینے کے ساتھ اُن کی کم سنی میں شادی کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ بعض اوقات قرآن پاک کی آیات کی ایسی تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن سے عورتوں کی کمتری امر مسلمہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اخلاقیات کے مبلغین میں یہ بات مشترک ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں امیر خسرو اور عصامی نے عورتوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ عزلت میں رہیں اور کبھی گھر کے باہر نہ نکلیں اور اپنا وقت سوت کاتنے اور اس قسم کے دوسرے مشغلوں میں گزار دیں۔ یہ واقعہ کہ التمش کی بیٹی رضیہ نے سلطان بن کر اپنے بل پر حکومت کرنے کی جسارت کی، ایک طرح کا حادثاتی واقعہ قرار دیا گیا تھا۔ گو کہ یہ بھی سچ ہے کہ معاصرین کی بجائے اس قسم کے اعتراضات بعد میں آنے والے مورخوں نے زیادہ اُٹھائے ہیں۔ بہر حال یہ بات پورے بھروسہ کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی رو سے عورتوں کو پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم دیے جانے کو برا سمجھا جائے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر کی ایک لغت میں موجود کسی چھوٹی سی لڑکی کی تصویر ہم دیکھ سکتے ہیں جو اپنے ہم جماعت لڑکوں کے ساتھ بیٹھی اسکول ماسٹر سے سبق لے رہی ہے۔

تاریخی حالات اور تبدیلیوں کے بارے میں دستیاب نظریاتی قاعدوں کی روشنی میں تیرہویں اور پندرہویں صدیوں کے درمیان موجود سماجی ڈھانچوں کی بابت کوئی فیصلہ صادر کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس دوران شہری آبادی میں اضافہ، بڑے پیمانہ پر روپیہ کا استعمال اور تجارت کا فروغ، اُس زمانہ کی سماجی صورت حال کو ہندوستانی سامنتی نظام سے ایک قطعی مختلف رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ زرعی

ٹیکس(tax)اور لگان(rent)کے درمیان تفریق کا ختم ہو جانا یقینا اس صورت حال کو مارکس کے ایشیائی طرز(Asiatic Mode) سے قریب کر دیتا ہے لیکن ایسا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم مارکس کے متذکرہ ماڈل کی چند دوسری خصوصیات کو نظر انداز کرنے پر آمادہ ہوں، مثلاً ٹیکس کا جنس کی صورت میں ادا کیا جانا اور شہری آبادیوں کا ناپائیدار ہونا۔ تین صدیوں کا وہ زمانہ جب دہلی سلطنت قائم رہی ایسا دور تھا جب روپیہ کا چلن برابر بڑھ رہا تھا اور شہری آبادی میں بھی اضافہ ہوا۔ اس موقعہ پر شاید یہی بہتر ہو گا کہ اس سیاسی اور معاشی ڈھانچہ کو جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، ابھی کوئی نام نہ دیں۔

16.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

بارہویں صدی میں ہندستان کی صورت حال پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے یہ ناقابل گریز حقیقت سامنے آتی ہے کہ ذات کا نظام اور چھوت کے تصور نے ہی ملک کی ترقی کو روک رکھا تھا اور معاشری افراتفری (social anarchy) مچا رکھی تھی۔ ساتھ ہی سیاسی اعتبار سے ملک کو مختلف العناصر (political heterogeneity) بنا رکھا تھا۔ ترکوں کی فتح سے اس نظام کو ایک شدید دھچکا پہنچا اور اسے فطری طور پر ان عناصر کی حمایت حاصل ہوئی جو پچھلے نظام کے تحت مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ ہندستانی عوام کے ترکی حکومت کو قبولیت اور اس سے رضامندی کا اعتراف کیے بغیر ہندستان میں ترکی حکومت کا طویل المدت قیام اور اس کے سیاسی اثرات کے دائرہ کا تقریباً مسلسل پھیلاؤ ناقابل توجیہہ بن جاتا ہے۔ اگر ہندستانی عوام نے ان کی حکومت کے قیام کی مخالفت کی ہوتی تو غوری، ہندستانی علاقے میں ایک انچ زمین پر بھی قبضہ قائم نہ رکھ سکتے تھے۔

ابتدائی عہد وسطیٰ کے سیاسی نظام کے مقابلے اس عہد میں اقطاع نظام اور مرکزی محصول نظام کی وجہ سے مرکزیت میں اضافہ ہوا اور جاگیردارانہ عناصر میں کمی آئی۔ بڑے علاقے میں ایک سلطنت قائم ہونے سے تجارت میں اضافہ ہوا اور شہروں کی ترقی ہوئی۔ سماجی نظام میں اسلامی اقدار کے شامل ہونے سے ذات پات کے نظام میں کمزوری اور لچک پیدا ہوئی مگر کچھ سماجی تفریقات اب بھی برقرار رہیں۔ یقیناً یہ مسلمانوں کے مقابلے ہندوؤں میں زیادہ تھیں۔

تکنیکی اور ثقافتی میدان میں بھی بہت سے بدلاؤ دیکھے گئے جیسے، نئے قسم کا طرز تعمیر جو پچھلے طرز تعمیر سے یکسر مختلف تھا اور شہتیر کے بجائے محراب اور گنبد پر مبنی تھا۔ اس کے علاوہ کاغذ، ریشم اور چرخہ وغیرہ غیر ملکیوں کے ذریعے ہندوستان میں متعارف کرایا گیا۔ تعلیم اور ادب میں بھی کافی ترقی دیکھنے کو ملتی ہے اور مختلف علون و فنون پر متعدد کتابیں لکھی جانے لگیں جس میں یقیناً کاغذ کے استعمال سے بیحد اضافہ ہوا ہو گا۔ اس کے علاوہ بیرونی دنیا سے تعلقات میں اضافے اور برہمنوں کے ذریعے سفر پر عائد پابندی کے ہٹنے سے بھی بیرونی تجارت میں افزائش ہوئی اور ملک میں سونے چاندی کی آمد میں اضافہ ہوا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابتدائی عہد وسطیٰ کے مقابلے ہمیں عہد وسطیٰ میں ترقی کی رفتار تیز نظر آئی اور متعدد میدانوں میں تبدیلی اور تسلسل دونوں کے عناصر دیکھنے کو ملنے لگے۔

16.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

پایک	:	برچھی بردار پیادہ
سواران مقاتلہ	:	گھڑ سوار جنگجوؤں کا رسالہ
زرعی چاکری	:	(serfdom)
چوبی تختے والی رکاب	:	ایسی رکاب جو لکڑی کی بنی ہو، جسے عموماً گھوڑے پر بیٹھتے وقت پیر جمانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
برہم دیہ	:	برہمنوں کو دی گئی معافی زمین
اُر	:	عام کسانوں کی انجمنیں
سبھا	:	برہمن گاؤں کی انجمن

16.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

16.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. جاتی پرتھا سے کیا مراد ہے؟
2. زرعی چاکری کسے کہتے ہیں؟
3. اینتیج کسے کہتے ہیں؟
4. منصورہ کہاں واقع ہے؟
5. راجپتر کون تھے؟
6. ٹکڑوں میں بٹی ریاست کا نظریہ کس نے پیش کیا؟
7. دوتیج سے کیا مراد ہے؟
8. برہم دیہ کیا ہے؟
9. پایک کسے کہتے ہیں؟
10. سواران مقاتلہ کسے کہتے ہیں؟

16.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ذات کے نظام پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. سامنت واد پر ایک نوٹ لکھیں۔

3. اقطاع نظام پر ایک نوٹ لکھیں۔
4. شہری انقلاب پر ایک نوٹ لکھیں۔
5. نایکار نظام پر ایک نوٹ لکھیں۔

16.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہندوستان میں ابتدائی عہد وسطیٰ کا ایک عمومی جائزہ پیش کیجیے۔
2. دہلی سلطنت کے قیام کے اثرات پر تفصیلی بحث کیجیے۔
3. عہد وسطیٰ میں آئی معاشی اور سماجی تبدیلیاں کا تجزیہ کیجیے۔

16.0 تجویز کردہ اکتسابی مواد (Suggested Learning Resources)

1. Gurukkal, Rajan, *Social Formations of Early South India*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.
2. Kosambi, D.D., *An Introduction to the Study of Indian History*, Sage Publications India Private Limited, New Delhi, 2016.
3. Habib, Irfan, *Essays in Indian History*: *Towards a Marxist Perception*: *A Survey*, Tulika Books, New Delhi, 2015.
4. Jha, D.N., ed., *Feudal Social Formation in Early India*, Chanakya Publications, Delhi, 1987.
5. Mukhia, Harbans ed., *The Feudalism Debate*, Manohar, Delhi, 1999.
6. Nizami, K.A., and M. Habib, *A Comprehensive History of India*. *Vol. 5, the Delhi Sultanat A.D. 1206–1526*, People's Publishing House, Delhi, 1970.
7. Sharma, Ram Sharan, *India's Ancient Past*, Oxford University Press, New Delhi, 2007.
8. Sharma, Ram Sharan, *Perspectives in Social and Economic History of Early India*, Munshiram Manoharlal, New Delhi, 2003.
9. Thapar, Romila, *The Penguin History of Early India: From the Origins to AD 300*, Penguin Books, London, 2002.
10. Veluthat, Kesavan, *The Early Medieval in South India*, Oxford University Press, New Delhi, 2010.

نمونہ پرچہ امتحان

Directorate of Distance Education نظامت فاصلاتی تعلیم

Master of Arts ماسٹر آف آرٹس

Subject Code: MAHS201CCT

Subject: History of India

From Post-Mauryas to the 12th Century

پرچہ: تاریخ ہندوستان

ماقبل موریہ دور سے بارہویں صدی تک

2nd Semester Examination ، دوسرا سمسٹر امتحان

Time : 3 hours وقت : 3 گھنٹے | Marks : 70 نشانات : ۷۰

ہدایات

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (1 0 x 1 =10 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

3۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3x10=30Marks)

حصہ اول

سوال : 1

1. ہیلیوڈورس کس یونانی شہنشاہ کا سفیر تھا؟
2. مادھیمیکا کی شناخت کس جدید شہر سے کی جاتی ہے؟
3. شنگ راجہ کس مذہب کے پیروکار تھے؟
4. کشان کا دارالسلطنت کیا تھا؟

5. یونانی حکمراں مناندر(Menander)نے کون سا مذہب اختیار کیا تھا؟
6. ستواہن خاندان کا اول حکمراں کون تھا؟
7. دوسرے سنگم کا انعقاد کہاں کیا گیا تھا؟
8. وشٹی کس قسم کا ٹیکس تھا۔
9. گپت عہد کے جنوبی ہندوستان میں موجود پانچ بندرگاہوں کا نام لکھیئے۔
10. ہرش کے کس کتبہ سے دتتیشور اور سری منڈیشور مندروں کا پتہ چلتا ہے؟

حصہ دوم

1. شنگ دور میں بھاگوت مذہب کی ترقی پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. کنوّ خاندان پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
3. پہلو(پارتھی)کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
4. ستواہن حکومت کے مذہبی حالات پر کچھ بتلائے۔
5. تامل ادب کی رزمیہ نظموں پر روشنی ڈالیے۔
6. مابعد موریہ دور کے دور میں زمینی محصول کی شرح کا مختصر جائزہ لیں۔
7. وادی گنگا کی تہذیب کے مادی عناصر بتایئے۔
8. گپت سلطنت کے صوبائی انتظام کو مختصر میں بیان کیجیئے۔

حصہ سوم

1. شنگ خاندان کے دور کو ویدک نشاۃ ثانیہ کا دور سمجھا جاتا ہے۔وضاحت کریں۔
2. گندھارا اور متھرا مکاتب فن پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. تجارت کی ترقی نے شہرکاری کے فروغ میں کیا کردار نبھایا، وضاحت کیجیے۔
4. گپت سماج میں ہونے والی تبدیلیوں پر تفصیلی گفتگو کیجئے۔
5. ہرش کے عہد کے سماج پر ایک تفصیلی مضمون لکھئے۔

اہم نکات